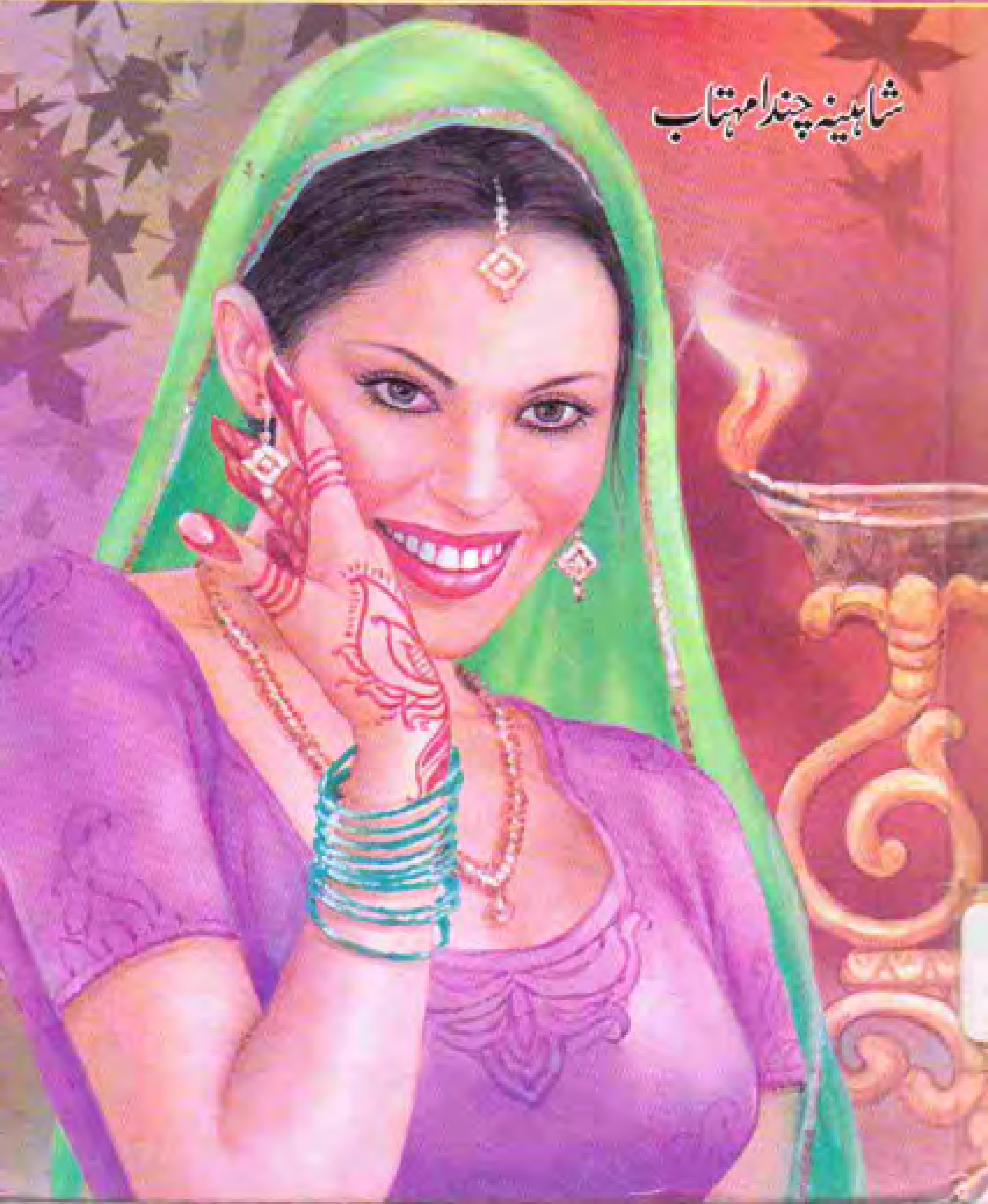
چھونا نہیں



امامہ نے کمپیوٹر میں سی ڈی ڈالی اور ماؤس ہاتھ میں لئے فلور کشن پر آ بیٹھی۔ اپنے پسندیدہ نغموں کی سی ڈی ڈالی تھی اور یہ امامہ کی ہمیشہ کی عادت تھی۔ وہ چھٹی والے دن دوپہر کا کھانا کھا کر کوئی اچھی سی مووی یا نئے گیتوں کی سی ڈی ضرور دیکھتی تھی۔ اور آج اس وقت امامہ کی نگاہیں تو اسکرین پر تھیں۔ مگر ذہن عابد بھائی کی جانب مڑ گیا تھا۔ مدت بعد اس گھر کے سونے آنگن میں ایک بڑی خوشی آئی تھی۔ ناقابل یقین بات لگتی تھی۔ مگر یہ سچ تھا۔

اللہ اللہ کر کے عابد بھائی نے بالآخر شادی کیلئے اپنی رضامندی دے ہی دی تھی۔ اور یہ بات سب کو معلوم ہوتے ہی گھر بھر میں گویا خوشی کی اک لہر سی دوڑ گئی تھی۔ بارہ برس بیت گئے تھے۔ عابد کو ملک سے باہر گئے ہوئے۔ مگر چھٹی لے کر وہ اس دوران صرف ایک بار ہی آئے تھے۔ اس ایک چھٹی آنے کے بعد انہوں نے گویا کبھی چھٹی پہ نہ آنے کی قسم کھالی تھی۔ گھر یا خاندان میں کوئی خوشی یا غمی ہو وہ فون پر ہی مبارکباد کہہ دیتے تھے۔ اور فون پر ہی عیادت اور تعزیت کر لیتے۔

عابد بھائی کی چھٹی پہ نہ آنے کی وجہ......؟ وجہ یہ تھی کہ عابد بھائی پانچ بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے اور اتفاق سے سب ہی بہنیں ان سے چھوٹی تھیں۔ یوں تو سب ہی بہن بھائی اسکول جاتے تھے اور والدین سب ہی کا خیال بھی رکھتے تھے۔ لیکن عابد بھائی کی پڑھائی پر خاص توجہ دی جاتی۔ گو کہ ابو خود ایک ورکشاپ میں موٹر میکینک تھے۔ مگر چاہتے تھے اکلوتا بیٹا پڑھ لکھ کر بڑا افسر بنے۔ اس لئے گھر بھر میں صرف عابد بھائی کی تعلیم پر ہی خاص توجہ دی جاتی تھی۔

بچوں میں صرف عابد بھائی کو ٹیوشن کی ٹھیک ٹھاک سہولت حاصل رہی۔ یہی وجہ تھی کہ میٹرک تک عابد بھائی ہر کلاس میں پوزیشن لے کر کامیاب ہوتے رہے۔ لیکن کالج جاتے

ہی نجانے کس کی نظر لگ گئی کہ عابد بھائی کیلئے دیکھے ہوئے ابو کے سارے خواب بکھرنے لگے۔ کالج کی دو سال کی پڑھائی کے بعد جو رزلٹ آیا وہ کچھ زیادہ خوشگوار نہیں تھا۔ نہ صرف مارکس بے حد کم تھے۔ بلکہ انگلش کے پیپر میں عابد بھائی رہ گئے تھے۔ حالانکہ کالج کے ساتھ ساتھ اکیڈمی بھی جوائن کر رکھی تھی۔ ان کا یہ رزلٹ سب گھر والوں کیلئے شاک تھا۔ مگر یہ سوچ کر ان کو کچھ نہ کہا گیا کہ وہ میٹرک تک ہر کلاس میں پوزیشن لیتے رہے تھے۔ چلو اس بار نہیں اگلی بار نکل جائیں گے۔ مگر صد افسوس کہ ہزار کوششوں کرنے کے باوجود ابو کے خواب بکھر ہی گئے۔ پہلے تو کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔ لیکن جب عابد بھائی ایف اے میں تیسری بار رہ گئے تب معلوم ہوا اصل میں کالج جاتے ہی عابد بھائی کو زمانے کی ہوا لگ گئی تھی۔ ان کو کسی لڑکی سے محبت ہو گئی تھی۔

محبت تو خیر لڑکا لڑکی ہی سے کرتا ہے۔ ہاں تو ان کو بھی ایک لڑکی سے محبت ہو گئی تھی۔ جس کا گھر ان کے کالج کے راستے میں پڑتا تھا۔ ادھر سے عابد بھائی گھر سے نکلتے' ادھر سے وہ سکول جانے کو۔ خیر سے میٹرک کی سٹوڈنٹ تھی۔

ایک دن اتفاق سے راستے میں نگاہیں چار ہوئیں اور محبت کی کہانی کا آغاز ہو گیا اور محبت ہو جائے تو پھر اور چاہے کچھ بھی ہو مگر پڑھائی ذرا کم کم ہی ہوتی ہے۔ اپنے بار بار فیل ہونے کی وجہ عابد بھائی نے نہیں بتائی اور شاید کبھی بتاتے بھی نا۔ وہ تو ابو کی قسمت اچھی تھی جو اماں کی ایک جاننے والی ایک دن اتفاق سے ان کو راستے میں مل گئی اور بڑی رازداری سے اماں کو بتایا۔

''اے بہن! مجھے خود تمہارے گھر آنا تھا۔ تمہارا بیٹا آج کل فلاں لڑکی کے ساتھ گھومتا ہے اور لڑکی بھی اچھے کردار کی نہیں۔ محلے کے سارے لڑکوں کو اپنی انگلیوں پر نچانے کے بعد اب تمہارے بیٹے کو پھانس لیا ہے۔''

یہ بتانے کے بعد انہوں نے مزید اور نہ جانے کیا کیا لڑکی کے بارے میں اماں سے کہا کہ اماں کی وہ سہیلی اس لڑکی کے محلے کی رہنے والی تھی۔ ان کی باتیں سن کر اماں غصے سے بھری گھر آئیں۔ شکر کہ عابد بھائی اس وقت گھر پر موجود نہیں تھے۔ اماں نے ابو سمیت سب گھر والوں کو عابد بھائی کے بار بار فیل ہونے کی اصل وجہ بتا دی تو بہت سوچنے کے بعد عابد بھائی سے کھل کر بات کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا کہ وہ چاہتے کیا ہیں؟ تاہم یہ بھی طے کر لیا

گیا کہ ان کو یہ بات ہرگز نہیں بتائی جائے گی کہ ان کی لو سٹوری گھر تک پہنچ گئی ہے۔ اسی رات کھانے کے بعد گھر کی اسمبلی کا اجلاس رکھا گیا۔ اماں' ابو اس وقت بے حد افسردہ تھے۔ جب سب جمع ہو گئے تو سب سے پہلے اماں نے عابد بھائی کو دیکھتے ہوئے بات شروع کی۔

''اپنی حیثیت سے بڑھ کر ہمیشہ اچھا کھانے کو دیا۔ اچھا پہننے کو دیا۔ جو بھی مانگا فوراً حاضر کر دیا اور صلہ کیا ملا۔ تم ایک بار نہیں۔ دو بار نہیں۔ تیسری بار بھی رہ گئے۔ یہ تمہیں ہو کیا گیا ہے۔ آخر تم چاہتے کیا ہو؟ کچھ ہمیں بھی تو پتہ چلے۔ کیا پڑھائی سے دل اکتا گیا ہے یا کوئی اور وجہ ہے؟''

''وجہ تو کوئی بھی نہیں۔ میری تو خود سمجھ میں نہیں آتا بورڈ والے میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ جبکہ میں تو آج بھی ویسی ہی محنت کرتا ہوں جیسی پہلے کرتا تھا۔'' عابد بھائی نے معصوم بن کر کہا۔ ان کی بات سن کر باقی سب تو چپ رہے مگر ابو نے جو حقہ پیتے ماں بیٹے کے درمیان ہونے والی بات چیت غور سے سن رہے تھے' منہ سے حقے کی نال نکال کر عابد بھائی کو دیکھتے ہوئے اماں سے کہا۔

''میں تو چاہتا تھا میرا بیٹا پڑھ لکھ کر ایک بڑا آدمی اور افسر بنے اور اے سی والے کمرے میں کرسی پر بیٹھ کر بابو لوگوں جیسی زندگی گزارے۔ اس کو گاڑیوں کے اندر باہر لیٹ کر منہ' ہاتھ' پیر کالے نہ کرنے پڑیں۔ پر تقدیر کے لکھے کو کون ٹال سکتا ہے۔ اگر یہ پڑھ لیتا تو اس میں ہمارا نہیں اس کا اپنا ہی فائدہ تھا۔'' وہ خاموش ہو کر عابد بھائی کو دیکھتے رہے۔ جیسے اندر ہی اندر کوئی فیصلہ کر رہے ہوں اور جب یہ فیصلہ ہو گیا تو انہوں نے عابد بھائی سے کہا۔

''پڑھائی تو تمہاری ختم ہو گئی۔ اب صبح سے تم میرے ساتھ ورکشاپ جایا کرو گے۔''

''مگر ابو!'' عابد بھائی نجانے کیا کہنا چاہتے تھے۔ مگر ابو نے سننا پسند ہی نہیں کیا۔

''اگر مگر کی گنجائش نہیں۔ میری پانچ بیٹیاں ہیں۔ ان کی پڑھائی اور شادی بیاہ کا بھی سوچنا ہے۔ اتنا فالتو پیسہ نہیں ہے میرے پاس کہ تمہاری پڑھائی پر ضائع کرتا رہوں۔ مزدور بندہ ہوں میں۔ اب تم جاؤ اپنے کمرے میں۔''

اور عابد بھائی مزید کچھ کہے بغیر اسی وقت اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ لیکن موڈ ان کا بے حد خراب تھا۔ جب وہ چلے گئے تو ابو نے اماں سے کہا۔

"میرے دوست حمید کا بیٹا جرمن میں کام کرتا ہے اور ٹھیک ٹھاک کماتا ہے۔ حمید سے کہتا ہوں کہ عابد کیلئے ویزہ بھیجے۔ پہلے تو یہ امید تھی کہ پڑھ لکھ کر افسر بن جائے گا۔ لیکن اب جب پڑھائی والا سلسلہ ہی ختم ہو گیا ہے تو پھر وقت ضائع کرنا اچھی بات نہیں اور نہ ہی آوارہ بن کر گلیوں میں لڑکیوں کے پیچھے پھرنے کی ضرورت ہے۔ کام سیکھے اور باہر جائے۔"

ابو کی اس بات سے سب ہی نے اتفاق کیا تھا۔

اگلی صبح ابو کے ساتھ ورکشاپ جاتے ہوئے عابد بھائی کا موڈ کچھ زیادہ خوشگوار نہیں تھا۔ مگر تین بار فیل ہونے کے بعد اب انکار کی گنجائش نہیں تھی۔ سو چپ چاپ چلے گئے۔

جو کام چھ سال لگا کر بھی نہیں سکھا پاتے وہ کام عابد بھائی کو چھ ماہ میں سکھا دیا گیا۔ یہ کام سکھانے والا اپنا سگا باپ تھا۔ پھر ویزہ بھی آ گیا اور عابد بھائی سب سے مل کر سب کو روتا چھوڑ کر جرمنی چلے گئے۔ ایک ہی بیٹا' ایک بھائی تھی اور وہ بھی گھر سے چلا گیا تھا۔ کتنے دن گھر میں خاموشی رہی۔ کسی کا دوسرے سے بات کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ کوئی ایسا دن نہیں گزرتا تھا جب بہنیں بھائی کو یاد کر کے نہ روتی ہوں۔ بھائی کے دکھائی نہ دینے پر چھوٹی کرن سب سے زیادہ روتی تھی اور روتی تو اماں بھی تھیں مگر بیٹیوں سے چھپ کر۔ پھر خط آنے جانے کا سلسلہ شروع ہوا تو سب کو تھوڑا سا سکون ملا اور پھر بیٹے اور بھائی کے بہتر مستقبل کی خاطر سب نے سینے پر پتھر رکھ کر ان کی جدائی کو ذہنی طور پر قبول کر ہی لیا۔

☆......☆......☆

اماں کے کل چھ بچے تھے۔ ایک بیٹا اور پانچ بیٹیاں۔ بیٹا عابد سب سے بڑا تھا۔ بہنیں عابد سے چھوٹی تھیں۔ بڑی باجی ثومیہ' چھوٹی باجی ثوبیہ' تیسرے نمبر پر آپا اسما' چوتھا نمبر امامہ کا تھا۔ جب کہ سب سے چھوٹی اور آخری بیٹی کرن تھی۔ یوں تو اماں بھی ابو کی طرح سب بیٹیوں سے شدید محبت کرتی تھیں۔ لیکن کبھی کبھار پیسوں یا کسی اور حوالے سے گھر میں کوئی مسئلہ ہو جاتا تو اماں یہ ضرور کہتیں۔

"محض دوسرے بیٹے کی امید میں اپنے آگے بیٹیوں کی لائن لگا لی۔" خاص کر کرن کا نام لے کر کہتیں۔

"میں نے تو چوتھی بیٹی کے بعد مزید بچے لینے کا پروگرام ختم کر دیا تھا۔ وہ تو تمہاری دادی نے کہا چار بیٹیوں کے بعد اللہ ضرور لڑکا دیتا ہے۔ میں ان کی باتوں میں آ گئی مگر یہاں

تو اللہ نے چوتھی کے بعد پانچویں بھی بیٹی ہی دے دی۔"

بے چارے اکیلے باپ پر اتنا بڑا بوجھ۔ یہ الگ بات تھی کہ سب بیٹیوں میں چھوٹی ہونے کے ناطے سب سے زیادہ محبت کرن سے کرتی تھیں۔ تاہم جب عابد بھائی ملک سے باہر چلے گئے تو انہوں نے دل ہی دل میں گہرا سکون محسوس کیا کہ چلو باپ کا بوجھ ہلکا کرنے کا سبب بن گیا۔ یہی سوچ تھی جس کی وجہ سے انہوں نے بیٹے کے ملک سے باہر جاتے ہی ثومیہ اور ثوبیہ کے رشتے دیکھنے شروع کر دیئے تھے۔

اچھا رشتہ ملتے ملتے بھی دیر لگتی ہے۔ خیال تھا عابد بھائی جب پہلی بار پاکستان آئیں گے تو منگنی کی رسم ادا کر دیں گے اور دوسری چھٹی کیلئے شادی کا پروگرام طے کر لیا گیا۔ مگر انسان سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے۔ عابد بھائی پہلی چھٹی پر پاکستان آئے تو ان کا اپنا پروگرام تھا۔ چند روز تو اپنا اور گھر والوں کا حال احوال سنتے' ہنستے بولتے گزرے اور پھر ایک دن نجانے کیا سوچ کر انہوں نے اپنے سے چھوٹی بہن ثومیہ کے سامنے پہلی بار اعتراف جرم کرتے ہوئے بتایا کہ تعلیم سے ان کی عدم دلچسپی کی وجہ یہ تھی کہ ان کو ایک پیاری سی لڑکی سے محبت ہو گئی تھی۔

"ملک سے جانے سے پہلے آخری ملاقات میں' میں نے فرح سے وعدہ کیا تھا وطن واپس آتے ہی اپنی اماں کو تمہارا ہاتھ مانگنے بھیجوں گا۔ پیاری بہن! اب تم خود اماں سے میرے لئے بات کرو اور اماں کو ساتھ لے کر میرا رشتہ مانگنے جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ انکار نہیں کریں گے۔"

ثومیہ کو بھائی سے بے حد محبت تھی۔ اس نے وعدہ کر لیا کہ وہ آج ہی اماں سے بات کریں گی اور جب ثومیہ نے اماں سے بھائی کی خواہش بیان کی تو اماں کو آگ سی لگ گئی اور انہوں نے بگڑ کر کہا۔

"ارے ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔ صرف 22 سال اور اپنی شادی کی پڑ گئی جب کہ گھر میں ایک نہیں دو دو بہنیں بیٹھی ہیں۔ بھائی پہلے بہنوں کا سوچتے ہیں پھر اپنا اور یہ ابھی۔ خود بات کرتی ہوں کہ چار پیسے کماتے ہی اپنی شادی کی پڑ گئی۔"

"اماں! پہلے لڑکی والوں سے بات کر کے دیکھتے ہیں۔ بھائی کہتے ہیں ان کو فرح سے شدید محبت ہے۔ وہ اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ اگر لڑکی والے مان جاتے ہیں تو بھی

بات پکی کر دیتے ہیں۔ شادی بعد میں ہوتی رہے گی۔ اگر آپ نے ابھی انکار کر دیا تو بھائی خفا ہو کر واپس چلے جائیں گے اور پھر شاید کبھی واپس نہ آئیں۔'' ثومیہ نے اپنی طرف سے سمجھانے کے ساتھ ساتھ اماں کو ڈرایا بھی۔ مگر اماں ڈرنے والی کہاں تھیں۔ انہوں نے سب سن کر بلا کی بے رحمی سے کہا۔

''واپس جاتا ہے تو چلا جائے۔ مجھے پرواہ نہیں۔ لیکن میں لڑکی والوں کے گھر نہیں جاؤں گی۔ بتا دو اس کو۔''

''مگر اماں بات کرنے میں حرج ہی کیا ہے۔ شادی تو کرنی ہے نا بھائی کی۔''

بڑی مشکل سے ثومیہ نے بالآخر اماں کو لڑکی والوں کے گھر جانے کیلئے رضامند کیا اور پھر عابد بھائی کو بھی یہ خوشخبری سنا دی کہ اماں خوشی خوشی اس رشتے پر راضی ہو گئی ہیں۔ عابد بھائی یہ سب سن کر بے حد خوش ہوئے ورنہ ان کو اندیشہ تھا اماں کہیں انکار نہ کر دیں۔ بہر حال طے یہ ہوا کہ دوسرے دن دس بجے اماں اور ثومیہ لڑکی والوں کے گھر جائیں گے تاہم اس کے ساتھ ساتھ اماں نے یہ بھی کہہ دیا۔

''رات کو تمہارے ابو سے بات ہو گی۔ اگر وہ مان گئے تو ٹھیک ہے چلے جائیں گے اور اگر انہوں نے انکار کر دیا تو پھر تم مجھے مجبور نہ کرنا۔'' اماں نے ثومیہ سے کہہ دیا۔

رات کو جب اماں نے ابو کو بھائی کے بارے میں بتایا تو انہوں نے کہا۔

''عابد کی ماں وہ اب کمانے لگا ہے۔ اس لیے اپنی خواہش بیان کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس لڑکی کی محبت میں اس نے اپنا تعلیمی مستقبل تباہ کر لیا پھر وہ اس کو کیسے بھول یا چھوڑ سکتا ہے۔ تم ثومیہ کو ساتھ لے کر چلی جاؤ۔ اگر وہ لوگ ہاں کرتے ہیں تو ابھی بات پکی کر کے منگنی کر دیتے ہیں۔ شادی ثومیہ اور ثوبیہ کے بعد کر دیں گے۔ ابھی انکار کر کے بیٹے کو ناراض کرنے کی ضرورت نہیں کہ شادی تو بہر حال ان کی کرنی ہی ہے۔''

اماں چپ چاپ سوچتی رہیں۔ کوئی جواب نہیں دیا کہ ان کا دل جانے کو مانتا ہی نہیں تھا۔ مگر جب ابا نے ان کو سوچوں میں گم دیکھ کر پھر سے سمجھایا تو جانا مجبوری بن گیا۔

اگلے روز عابد بھائی رکشہ لائے اور ثومیہ اماں کو خود لڑکی والوں کے گھر کے باہر چھوڑ کر خود اسی رکشہ میں واپس گھر چلے آئے اور اماں دروازے پر دستک دیئے بغیر ثومیہ کو لے کر گھر کے صحن میں چلی گئیں کہ گھر کا دروازہ کھلا تھا۔

صرف لڑکی کی بھابی اپنے دو بچوں کے ساتھ صحن میں موجود تھی۔ اماں وہیں دوسری چارپائی پر اس کے سامنے بیٹھ گئی اور ہلکی پھلکی بات چیت کے بعد اماں نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا تو لڑکی کی بھابی نے بتایا۔

''تین ماہ پہلے ایک اچھا رشتہ ملنے پر فرح کی شادی کر دی تھی اور ایک ماہ پہلے وہ اپنے شوہر کے پاس خود بھی کویت چلی گئی ہے۔ آپ نے آنے میں بہت دیر کر دی۔''

اماں کو یہ سب سن کر دل ہی دل میں بہت خوشی ہوئی اور انہوں نے فوراً جانے کی اجازت چاہی۔ جب کہ ثومیہ کو لڑکی کی شادی کا سن کر از حد افسوس ہوا تھا کہ بھائی نے کہا تھا وہ فرح کے بغیر...... وہ دکھ سے سوچ رہی تھی۔

''آپ آئے ہیں تو چائے پانی تو پیتے جائیں۔'' لڑکی کی بھابی بے حد اچھی عورت تھی۔

''اس کی ضرورت نہیں۔ ہم ابھی ابھی ناشتہ کر کے آئے ہیں۔'' اماں نے کہا اور خدا حافظ کہہ کر ان کے گھر سے نکل آئیں اور باہر آتے ہی اماں نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اللہ تیرا شکر ہے۔'' پھر انہوں نے ثومیہ سے کہا۔'' جانتی ہو جب میں گھر سے چلی تھی تو سوچا تھا اللہ کرے لڑکی کی منگنی یا شادی ہو چکی ہو۔ اور وہی ہوا۔ ثومیہ میں نے تمہیں بتایا تو تھا۔ تمہاری خالہ جان کہتی تھیں لڑکی اچھے کردار کی نہیں۔ جب ہی تمہارے بھائی کا انتظار کرنے کے بجائے اچھا رشتہ ملنے پر اس نے شادی کر لی۔ اچھا ہوا سانپ بھی مر گیا اور لاٹھی بھی بچ گئی۔''

ثومیہ کو اماں کی یہ باتیں اچھی نہیں لگ رہی تھیں۔ مگر وہ چپ تھی۔ وہ گھر آئی تو عابد بھائی صحن میں ٹہل رہے تھے۔ ثومیہ کو بھائی پر از حد افسوس ہوا۔ یہ سوچ کر کہ ابھی جب ان کو پتہ چلے گا کہ ان کی محبت کسی اور کی ہو چکی ہے تو ان کے دل پر کیا گزرے گی۔ اس کا دل چاہا اماں کو روک دے کہ وہ بھائی کو یہ دکھ دینے والی بات نہ ہی بتائیں۔ مگر قبل اس کے کہ وہ اماں کو کچھ کہتی اماں نے عابد بھائی کے قریب رکتے ہوئے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بغیر کسی تمہید کے بڑی بے رحمی سے کہا۔

''عابد! تین ماہ پہلے لڑکی نے شادی کر لی۔'' اماں کا بات کرنے کا انداز ایسا تھا

جیسے لڑکی نے خود عابد بھائی کو چھوڑ کر کورٹ میرج کر لی ہو۔

''اور ایک ماہ پہلے وہ کویت چلی گئی۔لڑکی کی بھابی نے بتایا ہے۔''

عابد ان کے جلدی آنے پر حیران ہوئے تھے اور دل میں سوچا تھا کہیں کچھ غلط نہ ہو گیا ہو اور وہی ہوا تھا۔ وہ اماں کی بات سن کر کتنی دیر گم صم وہیں کھڑے خلا میں گھورتے رہے اور پھر ایک لفظ بھی منہ سے نکالے بغیر وہ اپنے روم میں چلے گئے۔

مگر جلد ہی واپس آئے۔اب ان کے ہاتھ کاغذات والا چھوٹا پرس تھا۔ وہ صحن میں کھڑی اماں اور ثومیہ کو نظر انداز کرتے ہوئے گھر سے باہر چلے گئے اور ان کے جاتے ہی ثومیہ نے کہا۔

''اماں! مجھے تو لگتا ہے بھائی واپس جانے کے لئے ٹکٹ او کے کروانے گئے ہیں۔''

''جاتا ہے تو جائے۔لڑکی کی شادی ہم نے تو نہیں کروائی۔تم یہ بتاؤ آج پکانا کیا ہے۔پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے۔''

''اماں آپ کو پکانے کی پڑ گئی ہے۔اگر بھائی واقعی چلے گئے تو......'' ثومیہ بھائی کے لئے پریشان تھی۔

''ثومیہ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے کہا نا جاتا ہے تو جائے میری بلا سے۔ میں پوچھتی ہوں ابھی عمر ہی کتنی ہے صرف بائیس سال اور اپنی شادی کی پڑ گئی اور پھر کماتے ہوئے بھی کتنے دن ہو گئے ہیں۔ جمعہ جمعہ ابھی آٹھ دن بھی نہیں گزرے کماتے ہوئے۔ نہ شرم نہ حیا کیسے بے شرمی سے منہ پھاڑ کر کہہ دیا میری شادی کر دیں۔ نہ والدین کا خیال نہ بہنوں کا۔ چار پیسے کماتے ہی اپنی پڑ گئی۔''

اماں بڑبڑاتی ہوئی ثومیہ سے پوچھے بغیر ہی سبزی لینے چلی گئیں اور جلد ہی آلو بینگن لئے چلی آئی۔

''اماں! یہ کیا اٹھا لائی ہیں؟'' ثومیہ کو آلو تو اچھے لگتے تھے مگر بینگن نہیں۔ اس کی بات سن کر اماں نے کہا۔

''زیادہ باتیں نہ بنا۔ جلدی میں یہی ایک سبزی پک سکتی ہے۔ بچے بھی آنے والے ہیں اور تمہارے باپ کو ورکشاپ روٹی دینے کا بھی وقت ہو رہا ہے۔تم جلدی سے ادرک، ٹماٹر، پیاز کاٹ کر مصالحہ بھونو تب تک میں سبزی کاٹ لیتی ہوں۔''

ثومیہ چپ چاپ کچن میں چلی گئی۔ پھر وہ سب کھانا کھا کر بھی فارغ ہو گئے۔ ورکشاپ سے لڑکا آ کر کھانا لے کر بھی چلا گیا مگر عابد بھائی نہیں آئے۔

رات ابو آئے تو اماں نے بتا دیا کہ لڑکی شادی کر کے کویت اپنے شوہر کے پاس جا چکی ہے اور بیٹا آپ کا مارے صدمے کے اسی وقت کا' کاغذات والا پرس لے کر گھر سے نکلا ابھی تک نہیں آیا۔لگتا ہے واپسی کی ٹکٹ او کے کروانے گیا ہے۔لڑکی نے اگر شادی کر لی تو اس میں ہمارا کیا قصور......؟''

ابو کو بھی لڑکی کی شادی کا سن کر دکھ ہوا۔لیکن ان کو یقین نہیں تھا کہ اس بات کو جواز بنا کر عابد واپس چلا جائے گا۔اماں دکھ سے کہتی رہیں۔

''بڑا حوصلہ ہوتا ہے ماں باپ کا بھی جو کھلا پلا کر اپنا تن من دھن اولاد پر نثار کر دیتے ہیں اور اولاد پیسہ کماتے ہی اپنا سوچنے لگتی ہے۔''

ابو نے کوئی جواب نہ دیا۔حقہ پیتے رہے اور عابد کا سوچتے رہے جو ابھی تک نہیں آیا تھا اور رات گئے جب عابد بھائی گھر آئے تو سب گھر والے سو چکے تھے۔صرف ثومیہ ہی جاگ رہی تھی۔ ہلکی سی دستک کی آواز سن کر ہی وہ بھاگ کر باہر آئی اور پورے کا پورا دروازہ کھول دیا اور عابد بھائی اندر آ گئے۔ پھر ثومیہ سے بغیر کوئی بات کئے وہ اپنے روم کی جانب بڑھے تو ثومیہ بجائے اپنے روم جانے کے بھائی کے پیچھے پیچھے ان کے روم میں چلی آئی۔ عابد بھائی کاغذات والا پرس دیوار گیر الماری میں رکھ رہے تھے تو ثومیہ نے ان کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کھانا لاؤں آپ کے لئے؟''

''بھوک نہیں ہے۔'' انہوں نے مختصر سا جواب دیا اور واش روم میں چلے گئے اور ثومیہ ان کے باہر آنے تک کمرے کے وسط میں کھڑی رہی۔ عابد بھائی باہر آئے اور ثومیہ کو کھڑے دیکھ کر صرف اتنا کہا۔

''تم گئی نہیں ابھی؟''

''جا رہی ہوں۔'' ثومیہ روم سے نکل کر سیدھی کچن میں آئی۔ بھائی کے لئے ٹرے میں کھانا لگایا۔ پھر پانی کی بوتل ساتھ لئے وہ دوبارہ روم میں آئی تو عابد بھائی بستر پر بیٹھ چکے تھے۔ثومیہ نے ان کے سامنے کھانا رکھا تو انہوں نے نرمی سے کہا۔

"ثومی! میں نے تم سے کہا نا کہ مجھے بھوک نہیں۔"

"پھر بھی بھیا کھانا آپ کو کھانا پڑے گا۔ ہم نے آپ کی بات ماننے سے انکار تو نہیں کیا تھا۔ ہم تو پوری محبت سے آپ کے لئے رشتہ مانگنے گئے تھے۔ اب یہ آپ کی قسمت کہ لڑکی شادی کر کے کویت جا چکی ہے۔ آپ کو میری قسم کھانا کھالیں ورنہ میں رو دوں گی۔"

اور عابد بھائی چپ چاپ کھانا کھانے لگے۔ ان کو کھاتے دیکھ کر ثومیہ چائے بنانے چلی گئی۔ جب تک وہ چائے لے کر آئی تب تک عابد بھائی کھانا کھا کر فارغ ہو چکے تھے۔ ثومیہ نے ان کو چائے دی اور انہوں نے بھی بغیر کچھ کہے مگ تھام لیا۔ ثومیہ بھی وہیں ان کے قریب بیٹھ گئی۔ وہ پوچھنا چاہ رہی تھی بھائی سارا دن کہاں رہے؟ مگر پوچھنے کی نوبت ہی نہ آئی۔ چائے کے سپ لیتے ہوئے عابد بھائی نے خود ہی بتا دیا۔

"ثومیہ میں واپسی کا ٹکٹ او کے کروانے گیا تھا اور اب پرسوں شام کی فلائٹ سے واپس جا رہا ہوں۔ شاید کبھی نہ لوٹ کر آنے کیلئے۔" یہ سنتے ہی ثومیہ رونے لگی۔ اس کو تو پہلے ہی شک تھا کہ بھائی واپسی کا ٹکٹ او کے کروانے گئے ہیں۔ عابد بھائی نے اس کے رونے کی پروا کئے بغیر کہا۔

"میں تمہاری کیفیت سمجھتا ہوں مگر ثومی! کچھ باتیں انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتیں۔ اب اس شہر میں ایک پل رکنے کو دل نہیں چاہتا۔ جہاں وہ نہیں ہے۔ ہم دونوں نے آخری ملاقات میں قسم کھائی تھی وہ میرے بغیر کسی سے شادی نہیں کرے گی۔ نہ میں ہی اس کے علاوہ کسی سے شادی کروں گا۔ وہ لڑکی تھی۔ لڑکیاں کمزور ہوتی ہیں اور مجبور بھی۔ شاید اسی لیے اس نے شادی کر لی۔ مگر میں مرد ہوں نہ مجبور ہوں نہ کمزور۔ میں اسی قسم کو نبھاؤں گا۔ کبھی شادی نہیں کروں گا اور نہ ہی کبھی لوٹ کر اس شہر میں آؤں گا۔ اب تم برتن اٹھاؤ اور جاؤ کہ مجھے سخت نیند آ رہی ہے۔ سارا دن مصروف گزرا۔"

کہہ کر انہوں نے ہاتھ سے بھی جانے کا اشارہ کیا۔ حالانکہ آج کی رات تو نیند آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ آج کی رات ہی تو عمر بھر کے لئے ہجر کا آغاز کرنے والی پہلی رات تھی۔

ثومیہ بھائی کا موڈ دیکھ کر چپ چاپ برتن اٹھا کر چلی آئی۔ برتن کچن میں رکھ کر وہ دروازہ بند کر کے اپنے کمرے میں آئی تو ثوبیہ بڑے آرام سے سو رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ

لیٹ گئی مگر عابد بھائی کا سوچتے ہوئے نیند بہت دیر سے آئی تھی۔

صبح ثومیہ اٹھی اور ضروریات سے فارغ ہو کر باہر آئی کہ ناشتہ سب کے لئے وہی بناتی تھی۔ باہر اماں تخت پوش پر کرن کو لئے بیٹھی تھی۔ ثومیہ کو دیکھتے ہی بولیں۔

"آج تمہیں ناشتہ بنانے کی ضرورت نہیں۔ عابد حلوہ پوری کا ناشتہ لینے گیا ہے۔"

امی کو ثومیہ قریب بیٹھ کر بتانا ہی چاہتی تھی کہ عابد بھائی کل واپس جا رہے ہیں مگر ثومیہ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی عابد بھائی ناشتہ لے کر آ گئے۔ ثومیہ نے ثوبیہ سے سے چٹائی بچھانے کا کہا اور خود عابد بھائی کے ہاتھ سے ناشتے والا شاپر لیا اور جلد ہی برتنوں میں ڈال کر لے آئی۔ سب نے مل کر ناشتہ کیا۔ پھر چائے پیتے ہوئے عابد بھائی نے بتایا۔

"اماں! میں کل واپس جا رہا ہوں۔"

"ابھی تو تمہاری چھٹی میں کافی دن باقی ہیں۔ پھر پرسوں کیوں جا رہے ہو؟" اماں نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بن کر پوچھا۔

"اماں! چھٹی تو 40 دن کی ہے مگر ایک ضروری کام کی وجہ سے میرا ابھی جانا ضروری ہے۔" عابد بھائی نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ اماں بول پڑیں۔

"سیدھی طرح یہ کیوں نہیں کہتے کہ اس لڑکی سے رشتہ نہ ہونے پر واپس جا رہے ہو۔ اپنی عمر دیکھو ابھی صرف بائیس سال ہے۔ لڑکوں کی یہ عمر شادی کے لئے مناسب نہیں ہوتی۔ تمہاری خواہش کے لئے ہم پھر بھی چلے گئے۔ اب اگر ہمارے جانے سے قبل ہی لڑکی شادی کر کے کویت جا چکی ہے تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ تم کل نہیں جاؤ گے بلکہ اپنی پوری چھٹی گزار کر جاؤ گے۔ کچھ خیال ہے تمہیں کہ بہنیں دن رات تمہیں یاد کر کے کیسے روتی رہی ہیں۔ ابھی تو انہوں نے تم سے جی بھر کر باتیں بھی نہیں کیں اور تم واپس جانے کا کہہ رہے ہو۔"

مگر عابد بھائی پر اماں کی باتوں کا کچھ اثر نہ ہوا اور وہ جلد از جلد اس شہر سے نکلنا چاہتے تھے۔

"اب تو مجبوری ہے اماں کہ ٹکٹ بھی او کے ہو گئی ہے۔ جانا تو کل ہی ہو گا۔" اور مزید سوالوں سے بچنے کے لئے چائے کا آخری گھونٹ بھرتے ہی خالی مگ وہیں رکھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

اماں غصے میں بولنے لگیں۔ بہنیں بھائی کے اتنی جلدی جانے کا سن کر رونے لگیں مگر عابد بھائی پر کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ اپنے پروگرام کے مطابق اگلی شام سب سے مل کر واپس چلے گئے اور ان کے جانے کے بعد اماں کو ثومیہ نے بتا دیا کہ عابد بھائی کہتے تھے۔

"وہ اب کبھی واپس نہیں آئیں گے اور نہ ہی ساری زندگی شادی کریں گے۔ ان کو اس لڑکی سے سچی محبت تھی بلکہ ہے۔"

یہ سن کر اماں کو بے حد غصہ آیا اور وہ چڑ کر بولیں۔

"ارے بڑی دیکھی ہیں ہم نے ایسی سچی محبتیں۔ جوانی میں مجھے بھی اپنے چچا کے بیٹے سے محبت ہوگئی تھی بلکہ ہم دونوں ہی ایک دوسرے سے سچی محبت کرتے تھے۔ ایک دوسرے کو دیکھے بنا دن نہیں گزرتا تھا کہ بچپن کا ساتھ تھا۔ افضل کے کہنے پر ہی گھر والوں نے ہم دونوں کی منگنی کر دی۔ ہم دونوں ہی بے حد خوش تھے۔

شادی میں ابھی تین ماہ باقی تھے کہ باہر کھیتوں میں افضل اور اس کے بھائیوں کی میرے بھائیوں سے لڑائی ہوگئی اور ایک بڑے جھگڑے کی صورت اختیار کرگئی۔ اس جھگڑے کے چند روز بعد چچا لوگوں نے نہ صرف منگنی توڑ دی بلکہ اسی مہینے افضل کی شادی بھی بڑی دھوم دھام سے کر دی جب کہ تین ماہ بعد یعنی چھوٹی عید پر ہماری شادی طے تھی۔ اس کی شادی کا سن کر مجھے بے حد صدمہ ہوا۔ میں سمجھتی تھی غصے میں آ کر گھر والوں نے شادی کر دی ہے کہ چچی بے حد تیز عورت تھی۔ وہ مجبور ہوگیا ہوگا۔ انکار نہ کر سکا مگر اب میں کیا کروں۔ میں اس کو یاد کر کے دن رات روتی تھی اور سوچتی تھی میری جدائی میں اس کی کیا حالت ہوگی پھر ہوا یہ کہ اس کی شادی کے ایک ماہ بعد خاندان کی ایک تقریب میں میرا اس کے ساتھ سامنا ہوگیا اور میں اس کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ دیکھنا تو دور کی بات وہ اپنی شادی پر شرمندہ بھی نہ تھا۔ مجھے دیکھتے ہی ہاتھ پکڑ کر اپنی بیوی سے کہنے لگا۔

"ارے تو تو شہزادی لگتی ہے شہزادی۔ تمہارے سامنے کسی اور کی اہمیت ہی کیا ہے۔" اور وہ مجھے نفرت اور حیرت سے دیکھتا ہوا باہر چلا گیا اور اس کی بیوی مسکرا کر مجھے دیکھنے لگی کہ یہ ہمارے گاؤں کی لڑکی تھی۔ تقریب ختم ہونے پر میں گھر آنے تک بدل چکی تھی۔ افضل کو یاد کر کے رونا دھونا ختم ہوگیا تھا۔

میں نے اپنی ماں سے سنا تھا افضل کہتا ہے کہ میں نے تو شادی کر لی ہے۔ یہ ذرا

اپنی بیٹی کا رشتہ کر کے تو دکھائیں۔ اللہ دین کا پتر نہیں اگر اس کا رشتہ کہیں ہونے دوں۔ بیٹھے گی ان کی بیٹی عمر بھر ان کے در پر۔ پہلے تو مجھے یہ ساری باتیں سن کر یقین نہیں آتا تھا۔ اب جب اپنی آنکھوں سے اس کا رویہ دیکھ لیا اور باتیں بھی سنیں تو مجھے یقین آ گیا کہ گھر والے سچ ہی کہتے تھے۔ گھر والے میرے رشتے اور شادی کے لئے کوشش کر رہے تھے مگر بات کہیں نہیں بن رہی تھی۔

لوگ آتے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی پسند کر جاتے پھر جواب مل جاتا۔ سب گھر والوں کا خیال تھا کہ چچی سب کو منع کر دیتی ہے۔ میں تو خود پریشان تھی سو تھی گھر والے مجھ سے بھی زیادہ پریشان تھے کہ ایسے میں رمضان کا مقدس مہینہ آ گیا اور مہینے کی آخری طاق راتوں میں میں شادی کی نیت کر کے اعتکاف میں بیٹھ گئی۔

کہتے ہیں آپ صرف نیت کر کے اعتکاف میں بیٹھیں تو عید آنے سے پہلے ہی اللہ آپ کی خواہش پوری کر دیتا ہے۔ میں دن رات رو رو کر عبادت کرتی اور اللہ سے کہتی میری شادی افضل سے زیادہ اچھے انسان سے ہو جائے اور میرے رب نے میری فریاد سن لی۔ میں ابھی اعتکاف سے اٹھی بھی نہ تھی کہ لاہور سے تمہاری دادی مجھے دیکھنے آ گئیں۔

اس نے پردہ اٹھا کر مجھے اعتکاف کی حالت میں عبادت کرتے دیکھا اور پسند کر لیا کہ میں تھی بھی بے حد خوب صورت اور اسی شام چھوٹی بہن نے میرے آگے افطاری کے لوازمات رکھتے ہوئے بتایا کہ وہ لوگ مجھے پسند کر گئے ہیں۔ یہ سب سن کر میں بے حد خوش ہوئی شکرانے کے نفل پڑھتے رات گزر گئی۔ پھر عید کے فوراً بعد میری منگنی تمہارے باپ کے ساتھ ہوگئی جو دیکھنے میں افضل سے زیادہ خوبصورت تھا اور لاہور میں ان کا اپنا ذاتی گھر تھا اور یوں بھی تمہارا باپ لاہور کی ایک بڑی ورکشاپ میں معروف مکینک تھا۔ جب کہ افضل پھل کی ریڑھی لگاتا تھا۔"

اماں مسلسل بولتے بولتے چپ ہوگئیں۔ چند لمحے خاموش رہیں پھر اماں نے زہر خند سے کہا۔

"محبت وحبت سب بکواس ہے۔ یہاں کوئی کسی سے محبت نہیں کرتا۔ خاص کر مرد مرد کو محبت سے زیادہ زندہ وجود کی ضرورت ہوتی ہے اور تمہارے بھائی کی ابھی عمر ہی کیا ہے کہ اپنی شادی کی پڑ گئی۔ جب کہ گھر میں دو دو جوان بہنیں بیٹھی ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ

پہلے بہنوں کی شادی کرتا تا کہ بوڑھے باپ کا بوجھ ہلکا ہوتا۔ مگر ابھی پورا کمانے بھی نہیں لگا کہ اپنی پڑ گئی اور پھر لڑکی بھی اچھے کردار کی نہیں تھی۔ اچھا ہوا جو اس کی شادی ہو گئی۔ باقی رہی اس کے جانے کی بات۔ چلا گیا ہے۔ ٹھیک ہے۔ مجھے پروا نہیں۔ اب پہلے تمہاری اور ثوبیہ کی اکٹھی شادی کروں گی پھر گھر بناؤں گی۔ رہی امامہ اور کرن وہ ابھی بہت چھوٹی ہیں۔ ان کی بعد میں دیکھی جائے گی۔'' اماں نے اپنا پورا پروگرام ثومیہ کو بتا دیا۔

''پر اماں! بھائی تو کہتے ہیں وہ کبھی شادی نہیں کریں گے۔'' ثومیہ نے ایک بار پھر بتانا ضروری سمجھا۔

''ارے کرے گا شادی کرے گا۔ کیوں نہیں اور دیکھنا اتنی پیاری دلہن لا کر دوں گی کہ سارا عشق محبت بھول جائے گا۔ اماں نے اپنے ذاتی تجربے کی روشنی میں پورے یقین سے کہا اور پھر اماں نے جو کہا تھا وہ کیا۔ پہلے تو ثومیہ ثوبیہ کی اکٹھی شادی کی پھر گھر بھی نئے سرے سے خوب صورت بنا لیا۔ اپنے کام کے ساتھ ساتھ وہ عابد بھائی کو واپس آنے کا بھی کہتی رہیں۔ مگر وہ نہ آئے اور اماں ان کے نہ آنے کا نوٹس لئے بغیر اپنے کام میں مگن رہیں۔

گھر بن گیا تو اسما اور بھائی کے رشتے کی تلاش شروع ہوئی اور جب اسما اور عابد کا رشتہ طے ہو گیا تو اماں نے فون پر عابد بھائی کو ان کا رشتہ طے ہونے کی اطلاع دی۔ اپنے رشتے کا سنتے ہی بھائی بھڑک اٹھے۔

''اماں! مجھے شادی نہیں کرنی۔ آپ کو مجھ سے پوچھ کر میرا رشتہ طے کرنا چاہئے تھا۔ اب آپ ان کو جواب دے کر صرف اسما کی شادی کر دیں۔ مجھے نہ تو شادی کرنی ہے اور نہ کبھی واپس آنا ہے۔ ہاں پیسے میں آپ کو بھیجتا رہوں گا۔'' عابد بھائی خاموش ہوئے تو اماں نے کہا۔

''کتنے برس ہو گئے ہیں تمہیں پاکستان سے گئے ہوئے۔ کچھ خیال ہے تمہیں کہ ہم سب تمہیں دیکھنے کو کتنا ترستے ہیں۔ اب تو تمہارا باپ بھی بیمار رہنے لگا ہے۔ میری اپنی شوگر ہائی رہنے لگی ہے۔'' اماں نے یہ سب کہہ کر عابد بھائی کو بلیک میل کرنا چاہا مگر وہ کسی بات سے بھی متاثر ہوئے بغیر بولے۔

''ماں! میں اپنی محبت اور اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ آپ مجھے بھول کر صرف اسما کی شادی کر دیں۔'' اور فون بند کر دیا پھر اسما کی شادی تو کر دی ماں نے مگر بیٹے کی

تنہائی کا سوچ کر اب اماں کو اندیشوں نے آن گھیرا۔ اگر واقعی عابد کبھی واپس نہ آیا۔ ایک ہی بیٹا ہے اور وہ بھی کہتا تھا کبھی شادی نہیں کروں گا۔ یہ سوچ سوچ کر اماں کے دل کو کچھ ہونے لگا۔ پھر اماں نے کوئی دربار چھوڑا نہ مزار' نہ تعویذ گنڈے والا چھوڑا جہاں سے تعویذ نہ لیا ہو۔ جہاں منت نہ مانی ہو کہ بیٹا شادی کے لئے مان جائے تو دو دیگ دوں گی۔ یہ سب ہونے کے باوجود بھی عابد بھائی اپنے فیصلے پر ڈٹے رہے تو مایوس ہو کر اماں حقیقت میں بیمار پڑ گئیں۔ ثومیہ نے بھائی کو خط لکھ کر بتایا تو بھائی نے فوراً فون کیا۔ اماں کو گویا اپنی بات منوانے کا ایک اچھا موقع مل گیا اور انہوں نے روتے ہوئے کہا۔

''یہ بیماری تمہاری وجہ سے ہے۔ اگر شادی کے لئے ہاں نہ کی تو پھر میرے مرنے پر بھی آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

ابو نے بھی پہلی بار بیٹے کو سمجھایا اور عابد بھائی مان گئے اور پھر عابد بھائی پاکستان آ ہی گئے۔ جس دن عابد بھائی واپس آئے اس دن گھر میں عید کا سماں تھا۔ اماں' ابو' بہنیں پہلے تو بھائی کے گلے مل کر روتے رہے پھر خوش گپیوں کا دور شروع ہو گیا۔ خاندان کا ہر فرد خوش تھا۔

پھر پوری دھوم دھام سے عابد بھائی کی شادی بھی ہو گئی۔ اکیلا بیٹا تھا اس لئے سب ارمان نکالے گئے۔ عابد بھائی سنجیدہ سے ان سب کی خوشی کی خاطر چپ چاپ سب کرتے گئے۔ تاہم شادی کی پہلی صبح عابد بھائی اپنے روم سے باہر آئے تو اماں نے پوچھا۔

''دلہن پسند آئی؟'' اور عابد بھائی منہ سے کچھ کہنے کے بجائے سر ہلاتے ہوئے باہر چلے گئے۔

ان کا چہرہ بے حد پرسکون تھا۔ یہ دیکھ کر اماں نے بیٹیوں سے کہا۔

''ارے میاں بیوی کا رشتہ اور تعلق ایسا ہے کہ پہلی رات ہی دونوں میں محبت ہو جاتی ہے۔ اللہ نے یونہی تو میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس نہیں کہا اور میں تو ویسے بھی عابد کی دلہن پری سے بھی زیادہ خوب صورت لائی ہوں پھر بھلا پسند کیسے نہ آتی۔ محبت وحبت سب بکواس ہے۔'' اماں نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

اور پھر یہ بات سب نے ہی محسوس کر لی کہ عابد بھائی کو دلہن از حد پسند آئی تھی۔ وہ جو سنجیدگی چہرے پر سجائے پاکستان آئے تھے وہ ختم ہو چکی تھی۔ بھائی بات بعد میں کرتے تھے مسکراتے پہلے تھے۔ سب کی موجودگی میں بھی ان کی نگاہیں اپنی دلہن کے تعاقب میں رہتی

اچھی طرح پتہ تھا۔ اماں تو بکرعید پر قربانی کا گوشت محلے کے ہر نئے و پرانے کرائے داروں کو پہلے بھجواتی تھیں۔ اور اصل محلے داروں کو گوشت بعد میں ملتا تھا۔ وہ اپنی کزن کے ساتھ خالہ میراں کے گھر آئی اور نسرین کو چاول دینے کے بعد پوچھا۔

''تم لوگوں کے اوپر والے پورشن میں کرائے دار آئے ہیں کیا؟ اماں نے تاکید کی تھی ان کو بھی چاول دے کر آنا اور تم نے مجھے بتایا ہی نہیں کہ اوپر والا حصہ کرائے پر دے دیا ہے۔''

''کرائے دار ہی نہیں دور کے رشتے دار بھی ہیں اماں کے اور یہ ایسی اہم بات بھی نہیں جو تم کو ضرور بتائی جاتی۔ خیر اب تم جاؤ۔'' اس نے امامہ کو اوپر جانے کا اشارہ کیا۔ امامہ اوپر آئی تو صحن میں کوئی بھی نہیں تھا۔ نسرین لوگوں کا گھر تو کافی بڑا تھا مگر اوپر ایک بڑا سا کمرہ تھا۔ سردی و گرمی میں چارپائی اور دیگر سامان رکھنے کو یعنی سٹور کے طور پر یہ کمرہ استعمال ہوتا تھا اور اب اس کمرے کو کرائے پر دے دیا گیا تھا۔ امامہ نے دیکھا دروازے پر پردہ لٹک رہا تھا۔ امامہ نے ذرا سا پردہ ہٹاتے ہوئے آواز دی۔

''خالہ جی!'' اور یہ جی منہ ہی میں رہ گیا۔ چھت والا لڑکا کھڑا اس کو دیکھ رہا تھا اور وہ شاید امامہ کا منتظر بھی تھا۔ کیونکہ اس کا رخ دروازے کی سمت ہی تھا۔

''یہ چا..... چاول۔'' امامہ ہکلائی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اندر کمرے میں چھت والا لڑکا ہوگا اور وہ بھی اکیلا۔

لڑکے نے امامہ سے بڑی شرافت سے چاولوں والی پلیٹ پکڑ کر پیچھے کارنر پر رکھی اور پھر کہا۔

''بہت تڑپایا ہے دور دور رہ کر تم نے مجھے۔ اب آئی ہو قسمت سے تو کم از کم میرے جینے کا سامان تو کرتی جاؤ۔''

امامہ ہکا بکا اس کی شکل دیکھتی رہ گئی۔ اتنی جرأت اور وہ بھی بغیر کسی تعلق کے۔ مارے غصے کے وہ کھول اٹھی۔ لڑکے کو بھی شاید معلوم تھا وہ اکیلی نہیں اس لئے ''آئی لو یو'' کہتے ہوئے اس نے امامہ کو چھوڑ دیا۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ اپنے غصے کا کھل کر اظہار کرتی اور رسوائی اٹھاتی۔ اندر ہی اندر غصے سے کھولتی پلیٹ لئے بغیر وہ دروازے کی سمت بڑھی تو لڑکے نے امامہ کے ہاتھ میں ایک خط دیتے ہوئے کہا۔

''اس کو پڑھ کر مجھے جواب ضرور دینا اور جلدی دینا۔ میں انتظار کروں گا۔''

امامہ جواب دیئے بغیر نیچے آئی اور پھر باقی چاول وہ کسی اور کے گھر نہ دے سکی۔ اس نے اماں کو کہا۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ آپ خود جائیں یا کرن کو ان سب کے ساتھ بھیج دیں۔'' اور جواب سنے بغیر اپنے کمرے میں آ گئی۔ مارے غصے کے وہ لال پیلی ہو رہی تھی۔ مگر کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ لڑکا اس قدر نڈر ہوگا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

کتنی بے باکی سے اس نے سب کہہ اور کر ڈالا تھا۔ بغیر کسی تعلق اور جذبے کے۔ امامہ نے اس کا دیا ہوا خط الماری کھول کر اس میں سنبھال کر رکھ دیا کہ ابھی سب کزن گھر میں موجود تھیں۔ وہ اس کو پڑھ نہیں سکتی تھی۔ تاہم اس کو اب اس بات پر بھی غصہ آ رہا تھا کہ اس نے خط دیا تو میں نے لیا کیوں؟ وہیں کیوں نہ پھینک آئی۔ پھر اسی شام جب اس کی سب کزنز اپنے اپنے گھر چلی گئیں تو امامہ نے سونے سے پہلے خط نکال کر پڑھا۔

میری اپنی امامہ!

سلام محبت! میرا نام خرم ہے۔ میں اپنی ماں کا ایک ہی بیٹا ہوں۔ پہلے ہم لوگ گوجرانوالہ میں رہتے تھے۔ مگر اب کام کی تلاش میں اماں کو لئے لاہور آیا ہوں۔ میں نے میٹرک تک پڑھا ہے۔ میرے والد بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ میٹرک کرنے کے بعد وسائل نہ ہونے کی وجہ سے نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے تعلیم کو خیر باد کہنا پڑا۔ اچھا موٹر میکینک ہوں۔ مجھے اس گھر میں آئے ہوئے تیسرا دن تھا جب میں نے پہلی بار تمہیں چھت پر دیکھا۔ تم چھت پر کپڑے ڈال رہی تھیں۔ میں تمہیں دیکھتا رہا۔ مجھے تم بہت اچھی لگ رہی تھیں اور میں نے اس لمحے محسوس کیا کہ مجھے تم سے سچی محبت ہو گئی ہے۔ تمہاری قسم میں جھوٹ نہیں کہہ رہا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں بھی مجھ سے محبت ہو چکی ہو۔ دیکھا تو پہلی بار تم نے بھی بہت غور سے تھا مجھے۔

خیر میں تو اس وقت اپنی کہہ رہا ہوں امامہ! میرا یقین کرو۔ اس گزرے ہوئے ایک ماہ کے سب ہی دن اور راتوں میں میں نے خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے کہ میری شادی ہو گی تو صرف تم سے ورنہ میں ساری زندگی شادی نہیں کروں گا۔ یاد رکھنا میں جو کہتا ہوں وہ کرتا بھی ہوں۔ گو کہ آج کل میں بے کار ہوں مگر جب سے تمہیں دیکھا ہے ساری پریشانی بھول گیا ہوں۔ ہر ہر پل تمہیں سوچتے ہوئے گزرتا ہے۔ سارا وقت چھت پر صرف یہ سوچ کر کھڑا رہتا

ہوں کہ شاید تمہاری ایک جھلک دیکھ سکوں۔ میں نے نسرین سے باتوں ہی باتوں میں تمہارا نام پوچھ لیا تھا۔ سوائے نام کے میں تمہارے بارے میں اور کچھ نہیں جانتا۔

تم کیا کرتی ہو؟ مجھے بتاؤ۔ مجھے معلوم ہے کہ تم شادی شدہ نہیں ہو۔ ہاں منگنی شدہ ہوسکتی ہو مگر منگنی کی مجھے پروا نہیں کیونکہ اگر منگنی ہو بھی چکی ہے تو میں خود ختم کرا دوں گا۔ خط کا جواب ضرور لکھنا اور جلدی لکھنا میں انتظار کروں گا اور ہاں دن میں ایک بار چھت پر آ جایا کرو تو تمہاری بہت مہربانی۔

والسلام

اب صرف تمہارا خرم

وہ خط پڑھ کر امامہ بھڑک اٹھی۔ اس کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے پورے جسم پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی ہو۔

وہ سات یا آٹھ برس کی تھی جب عابد بھائی ملک سے باہر چلے گئے تھے۔ باپ ایک بڑی ورکشاپ میں موٹر میکینک تھا جس کو مناسب تنخواہ ملتی تھی اور جب عابد بھائی ملک سے باہر چلے گئے تو گھر کے حالات مزید بہتر ہو گئے۔ امامہ اور کرن کا سکول تو گھر کے قریب ہی تھا مگر کالج گھر سے کافی دور تھا۔ مگر وہ کبھی کالج بس یا وین میں نہیں گئی تھی۔ ابو اکثر ورکشاپ سے کسی نہ کسی گاڑی میں ہی گھر آتے تھے اور صبح ورکشاپ سے ابو کسی لڑکے کو گاڑی دے کر بھیج دیتے اور وہ امامہ کو کالج سے گھر چھوڑ جاتا۔

امامہ ان گاڑیوں کو ذاتی گاڑی ہی تصور کرتی تھی۔ یا پھر ایکسیڈنٹ میں آئی ہوئی کوئی گاڑی خرید لیتے اور اس کو خود بنا کر دو تین ماہ استعمال کرنے کے بعد فروخت کر دیتے تھے۔ اس کی سب سہیلیاں یہی سمجھتی تھیں کہ اس کا تعلق بے حد خوشحال خاندان سے ہے اور امامہ نے خود بھی کسی کو بتانے کی زحمت نہیں کی تھی کہ وہ ایک معمولی موٹر میکینک کی بیٹی ہے۔

اس کے پاس ہمیشہ کافی پیسے رہتے تھے۔ ابو جو روزانہ کے دیتے وہ اپنی جگہ اس کے علاوہ عابد بھائی سے بھی ہر ماہ پاکٹ منی ملتی اور اماں سے بھی وہ کچھ لے لیتی تھی۔ کالج کی کینٹین میں وہ سب سہیلیوں سے زیادہ خرچ کرتی تھی۔ سب سہیلیوں پر اس کی امارت کا خوب رعب تھا۔ اس کا مشغلہ مووی اور ٹی وی ڈرامے دیکھنا۔ تین چار خواتین کے پرچے ہر ماہ خریدنا اور ان کو پڑھنا۔ اچھے اچھے لباس بنانا اور پہن کر سب کو دکھانا اور میوزک تو اس کا جنون

تھا۔ گھر کے کام کاج وہ ذرا کم ہی کرتی تھی۔ اماں کہتی ہی رہتیں۔

''ارے آگے پیچھے نہیں تو چھٹی والے دن تو ہاتھ پاؤں ہلا لیا کرو۔''

''اماں! چھٹی والے دن کپڑے دھوتی ہوں۔ یہ کم تو نہیں۔ سارے ہفتے میں چھٹی کا ایک ہی دن ہوتا ہے اس دن بھی مجال ہے جو آپ آرام کرنے دیں۔ گھر کی صفائی ستھرائی کے لئے ایک نوکر رکھ لیں۔ کالج کی پڑھائی پہلے ہی بہت سخت ہے اور اب اکیڈمی بھی جانا پڑتا ہے۔'' امامہ نے تفصیل بتائی تو اماں نے گھر کی صفائی کے لئے ایک لڑکی لگا لی مگر ساتھ یہ بھی جتایا۔

''تمہاری تینوں بہنوں نے بھی پڑھا ہے مگر پڑھائی کے ساتھ ساتھ وہ گھر کے کام کاج بھی کرتی تھیں اور تمہیں رسالے پڑھنے، فلمیں، ڈرامے دیکھنے اور گانے سننے سے ہی فرصت نہیں۔'' اماں نے کہا تو امامہ تنک کر بولی۔

''بڑی باجی چھوٹی باجی اور آپا نے پڑھا ہی کتنا ہے۔ باجی نے آٹھ پاس کر کے چھوڑ دیا۔ چھوٹی باجی میٹرک میں فیل ہو گئی تو پڑھائی چھوڑ دی۔ آپا نے پورا میٹرک کر لیا تو کون سا تیر مار لیا۔ بھائی ایف اے میں تین بار فیل ہوئے جب کہ میں تو ایف اے میں، اچھے مارکس لے کر پاس ہوئی تھی۔ آپ کو کیا پتہ کالج کی پڑھائی کتنی سخت ہوتی ہے۔ آپ نے تو سکول کا منہ بھی نہیں دیکھا۔''

''بس بس زیادہ زبان چلانے کی ضرورت نہیں۔ فلاں نے یہ کیا تو فلاں نے وہ کیا؟ کرن تم سے کتنی چھوٹی ہے۔ وہ ابھی سے گھر کے کام کرتی ہے۔ اکثر سکول سے گھر آ کر گھر کے کام وہ کرتی ہے۔ صفائی وغیرہ بھی۔ تم تو شروع سے کام چور ہو۔'' اماں نے بھی وضاحت سے کہا۔ اب کہ جواب دینے کے بجائے وہ چپ ہی رہی تھی کہ یہی سچ تھا۔ اس کا واقعی گھر کے کام کاج کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔

کالج میں اس کی سب سہیلیاں فری پریڈ میں جب بھی اکٹھی ہوتیں تو کوئی اپنے منگیتر کا ذکر کرتی، تو کوئی اپنے کزن کا، تو کوئی اپنے محبوب کا۔ ان سب کی باتیں سن کر وہ تصور میں کھو جاتی۔ وہ اپنی سب بہنوں میں سب سے زیادہ خوب صورت تھی۔ مگر ابھی تک اس نے کسی سے محبت نہ کی تھی۔ تعلیم میں بھی وہ سب بھائی بہنوں میں ابھی تک آگے تھی۔ وہ کالج میں پڑھ رہی تھی اور کالج کی زندگی کا اپنا ہی ایک رنگ تھا۔ درحقیقت کالج آ کر ہی امامہ نے

پہلی بار اس شخص کے بارے میں سوچا جس کے ساتھ اس کی شادی ہونا تھی اور سوچا بھی اس وقت جب اس کی سہیلیوں نے پوچھا کیا اس کی منگنی ہو چکی ہے۔

جب امامہ نے بتایا نہیں تو انہوں نے پوچھا۔

''کیا تم کسی سے محبت کرتی ہو؟''

اس کا جواب پھر بھی وہی تھا کہ نہیں۔ مگر امامہ نے یہ ہرگز نہیں بتایا تھا کہ اس کے تصور میں ایک فلمی ہیرو سے ملتا جلتا شخص ضرور ہے۔ بے حد خوبصورت اور امیر' بہت بڑھا لکھا بھی جو ابھی تک اس کو ملا نہیں۔ مگر دل ہی دل میں وہ اس کی منتظر ضرور تھی۔ مگر سوچا کیا تھا اور ہوا کیا تھا۔ امامہ نے ایک بار پھر خط پڑا پھر اس کے پرزے پرزے کر ڈالے۔ اندر کی آگ پھر بھی سرد نہ ہوئی۔ وہ جب بھی مووی دیکھتی تو سوچتی تھی۔ ایک دن میری زندگی میں کوئی ایسا شاندار شخص ضرور آئے گا جو اس سے انتہائی محبت کرے گا اور اب آیا بھی تو وہ بے حد غصے میں کھولتی اپنے روم میں ٹہلتے ہوئے خرم کو برا بھلا کہنے لگی۔ میں تو رسائل میں پڑھی ہوئی کہانیاں اور دیکھے گئے ڈرامے اور فلمی ہیرو سے ملتے جلتے شخص کی منتظر تھی اور یہ...... امامہ نے بے حد ناگواری اور نفرت سے سوچا۔

یہ تو میرے حسن اور تعلیم کی توہین ہے۔ کوئی فقیر دو ٹکے کا کرائے دار اور معمولی موٹر میکینک مجھ سے محبت کرے اور پھر ذلیل انسان نے کتنی بڑی جرأت کر ڈلی۔ وہ اپنے روم میں ٹہلتی ہوئی اس کو برا بھلا کہتی رہی۔ خط کے پرزے پرزے کرنے کے باوجود غصہ ختم نہیں ہو رہا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا ابھی جا کر خرم کو زندہ جلا دے۔ ذلیل محبت کرتے وقت اپنی اوقات بھول گیا۔ میں بہت اچھا موٹر میکینک ہوں اونہہ۔

یہ بات لکھی جیسے بہت بڑا بزنس مین یا تاجر تھا یا کسی اچھے عہدے پر فائز تھا۔ فقیر' ذلیل...... پتہ نہیں وہ کتنی رات گئے تک اس کو گالیاں دیتی رہی' کوستی رہی پھر بے بس اور تھک ہار کر بستر پر گر گئی۔ اگلی صبح وہ دیر سے جاگی تھی۔

کرن سکول جا چکی تھی اور اماں تخت پوش پر بیٹھی سبزی بنا رہی تھی۔ امامہ کو دیکھ کر انہوں نے کہا۔

''آج اپنا ناشتہ تمہیں خود ہی بنانا ہوگا۔''

''جی اچھا۔'' کہہ کر امامہ نے پوچھا۔ ''بھائی بھابی اٹھ گئے ہیں کیا؟ ان کے لئے

بھی ناشتہ بنانا ہے؟'' یہ امامہ نے اس لئے پوچھا تھا کہ سب سے آخر میں وہ دونوں ہی اٹھتے تھے اور اکثر ان دونوں کا ناشتہ امامہ ہی بناتی تھی۔ اماں یا تو اس وقت سبزی لینے جا چکی ہوتی تھیں یا پھر محلے کا چکر لگانے کہ محلے والوں کی روز خیریت معلوم کرنا اماں اپنا فرض ہی سمجھتی تھیں۔ خاص کر نسرین کے گھر تو ضرور ہو کر آتی تھیں۔

''آج ان کا ناشتہ بنانے کی ضرورت نہیں۔ وہ جلدی اٹھے تھے کیونکہ تمہاری بھابی کو میکے جانا تھا۔ وہ ناشتہ کر کے چلے گئے۔'' اماں نے مٹر چھیلتے ہوئے کہا تو امامہ کچن میں چلی آئی۔ رات قیمہ آلو پکائے تھے۔ ابھی بھی تھوڑا سا سالن بچا پڑا تھا یا پھر بطور خاص اماں نے اس کے لئے بچایا تھا کہ اس کو آلو قیمہ بے حد پسند تھا۔ امامہ نے ایک طرف چائے کا پانی رکھا اور دوسری طرف توا اور درمیانی چھوٹے چولہے پر فریج سے دو انڈے نکال کر بوائل کرنے کے لئے رکھے۔

یوں پراٹھا' انڈے' چائے ایک ساتھ تیار ہو گئے۔ امامہ نے انڈے کے چھلکے اتار کر سالن میں ڈالے۔ چائے فلاسک اور ٹرے میں ناشتہ لگا کر اماں کے پاس آئی اور وہیں ان کے قریب بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگی۔ ابھی اس نے ایک دو نوالے ہی لئے تھے کہ ایک عورت دستک دیتی ہوئی اندر چلی آئی اور اماں نے اس کو دیکھتے ہی بڑی محبت اور مروت سے کہا۔

''ارے آپ! آئیں آئیں۔'' اور قریب آنے پر اماں نے اس عورت کو اپنے قریب تخت پوش پر جگہ دیتے ہوئے کہا۔ ''بیٹھیں۔''

اور عورت نے اماں کے قریب بیٹھ کر ہاتھ میں پکڑی پلیٹ ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''آپ کی بیٹی کل چاول دینے گئی تھی۔ تب میں گھر میں نہیں تھی۔ میرا بیٹا بتا رہا تھا کہ سیڑھیوں میں ہی چاول والی پلیٹ اس کو دے کر فوراً واپس چلی گئی۔ میں نے سوچا میں خود جا کر پلیٹ دے آؤں اور یاد رکھنے پر شکریہ بھی کہہ آتی ہوں۔''

اوف اس قدر جھوٹ، امامہ نے چونک کر اس عورت کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ پھر غصے سے سر جھٹک کر ناشتہ کرنے لگی تو اماں نے کہا۔

''امامہ! ناشتہ کرنے کے بعد خالہ کے لئے چائے بنا لانا۔''

'اور اس میں زہر ڈال کر لے آنا' امامہ نے اس کے بیٹے کا رویہ سوچتے ہوئے

نفرت سے سوچا۔

''آپا چائے رہنے دیں۔ آج خرم دیر سے اٹھا تھا اس لئے ابھی ابھی ناشتے سے فارغ ہوئی تھی۔'' اس عورت نے جلدی سے کہا پھر خود ہی بتانے لگی۔

''پہلے ہم لوگ گوجرانوالہ میں رہتے تھے۔ میرے سسرال والے اور میکے والے وہیں کے رہنے والے ہیں۔ میری شادی ہوئی۔ شوہر بے حد اچھا تھا پر انہونی ہوگئی۔ ابھی میری گود میں دوسرا بچہ تھا جب میرا شوہر ایک ایکسیڈنٹ میں مارا گیا۔ یہ صدمہ میرے لئے بہت بڑا تھا۔ شادی کو بھی سال ہی کتنے ہوئے تھے پھر بچے بھی دو ہی تھے۔ ایک بیٹی ایک بیٹا کہ میں بیوہ ہوگئی۔ ماں باپ فوت ہو چکے تھے۔ بھائی اپنے اپنے گھروں والے ہوگئے۔ بہن کوئی تھی نہیں لیکن میرا دیور بہت اچھا تھا۔ اس نے مجھے گھر سے نکالنے کے بجائے نا صرف گھر میں رکھا بلکہ پوری عزت اور احترام سے اپنے گھر میں رکھا۔

گو کہ مجھ سے سب نے کہا دوسری شادی کرلو۔ اتنی لمبی عمر تنہا کیسے بسر کرو گی۔ بچے بڑے ہو کر بھی اپنے نہیں بنتے۔ مگر میں نے کسی کی نہ مانی اور دوسری شادی سے انکار کر دیا۔ وقت گزرنے لگا۔ میں شوہر کے غم کو دل میں چھپا کر اپنے بچوں کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگی۔ مگر ابھی اللہ تعالیٰ کو میری اور آزمائش کرنی تھی۔ بیٹی بیٹے سے بڑی تھی۔ دس سال کی ہوئی تو ایک روز اچانک بخار ہوا جو بعد میں بگڑ گیا اور وہ فوت ہوگئی۔'' وہ عورت بات ادھوری چھوڑ کر رونے لگی۔ اماں نے اظہار افسوس کرنا ضروری سمجھا۔

''وہ مالک ہے جو چاہے کرے۔ اس کے کاموں میں کون دخل دے سکتا ہے۔ ہم مجبور و بے بس بندے۔'' یہ سن کر وہ عورت اپنے دوپٹے کے پلو سے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

''ہاں یہی سوچ کر شکوہ نہ کیا کہ اس کی دی ہوئی چیز تھی۔ اس نے لے لی پھر شکوہ کیسا اور پھر اس رب سوہنے نے صبر بھی دے دیا۔ اب میری زندگی کی ہر خوشی کا محور میرے بیٹے کی ذات تھی۔ بیٹا ابھی پڑھ رہا تھا اور وہ پڑھائی میں بہت اچھا تھا۔ میرے بیٹے نے میٹرک میں پورے گوجرانوالہ شہر میں اول پوزیشن حاصل کی اور وہ مزید آگے پڑھنا چاہتا تھا۔ مگر میرے دیور نے کہا وہ مزید پڑھائی کا خرچہ نہیں اٹھا سکتا۔ اب خرم کوئی ہنر سیکھے۔ اصل میں میرے دیور کے اپنے بھی نو بچے ہیں۔ پانچ بیٹیاں اور چار بیٹے۔

میں نے اپنے دیور کی بات مان لی کہ اس کے اپنے گھر کے خرچے بھی زیادہ تھے۔

پھر وہ خود ہی میرے بیٹے کو موٹر مکینک کا کام سیکھنے ورکشاپ چھوڑ آیا۔ جہاں اس کے اپنے دو بیٹے بھی کام سیکھ رہے تھے۔ مگر میرا بیٹا ان سے زیادہ ذہین تھا۔ اس نے ان سے پہلے ہی یہ کام سیکھ لیا اور جب میرے بیٹے کی باقاعدہ تنخواہ لگ گئی تو میرے دیور نے اپنی بڑی بیٹی کا رشتہ میرے بیٹے سے کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ مجھے تو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں تھا کہ مجھ پر میرے دیور کے بہت احسانات تھے۔ اس نے نہ صرف مجھے اپنے گھر میں رکھا بلکہ پوری عزت و احترام سے رکھا تھا۔ شوہر کے نہ ہونے کے باوجود ہر کام ہمیشہ مجھ سے پوچھ کر کیا تھا۔ مگر میں کیا کرتی جب میرے بیٹے نے ہی چچا کی بیٹی سے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔''

اتنا کہہ کر وہ عورت چپ ہوئی تو اماں نے پوچھنا ضروری سمجھا۔

''وہ کیوں بہن؟''

''آپا جی! پہلی بات تو یہ کہ میرا بیٹا پڑھا لکھا تھا، لڑکی چٹی ان پڑھ تھی۔''

'اونہہ خود تو جیسے ایم اے، بی اے کر رکھا ہے۔' مامہ ناشتہ کرنے کے بعد اب آہستہ آہستہ چائے کے سپ لے رہی تھی۔ دل ہی دل میں نفرت سے سوچا جب کہ عورت کہہ رہی تھی۔

''آپ نے میرے بیٹے کو نہیں دیکھا۔ ماشاء اللہ وہ بہت خوب صورت ہے جب کہ لڑکی کالی تھی اور قد بھی چھوٹا سا پھر نین نقش بھی عام سے تھے۔ خیر میں نے پھر بھی لڑکے کو منانے کی بے حد کوشش کی۔ چچا کے احسان یاد کرائے۔ مگر باپ نہ ہونے کی وجہ سے چچا کے لاڈ پیار کی وجہ سے وہ شروع ہی سے بے حد ضدی ہے جو کہہ دیتا ہے وہی کر بھی دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میری منت سماجت کے باوجود نہ مانا تو میں نے اپنے دیور کو اپنے کمرے میں بلا کر ساری بات بتا دی کہ مجھے تو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ باہر سے بھی تو کسی کو آنا ہی تھا بہتر تھا اپنی گھر کی بیٹی ہی آتی مگر تمہارا بھتیجا ہی نہ مانے تو میں کیا کروں؟

میرا دیور اچھا تھا۔ اس نے میری بات اور مجبوری سمجھ لی۔ مگر میری دیورانی خرم کے انکار کے بعد رکھائی سے بات کرنے لگی۔ بیٹی اس کی جو پہلے میری بہت عزت کرتی تھی مجھے خود سے کوئی کام نہیں کرنے دیتی تھی۔ بے رخی سے باتیں کرنے لگی۔ اپنے بیٹوں کو میری دیورانی نے نجانے کیا کیا پٹیاں پڑھائیں کہ وہ بھی خرم سے اوکھے لہجے میں بات کرنے لگے۔

ایک دن دونوں بھائی میرے بیٹے سے لڑ پڑے اور ورکشاپ کے اندر خرم کے ساتھ ہاتھا پائی کرتے ہوئے جتا دیا کہ ہمارے ٹکڑوں پر پلنے والا ہمیں ہی آنکھیں دکھاتا ہے۔ میرا بیٹا اسی وقت کام چھوڑ کر گھر آ گیا یہ کہہ کر کہ میرے باپ کے حصے کی جو دو ایکڑ زمین ہے وہ میری کھلائی اور پڑھائی میں رکھ لو اور چچا کے آنے سے پہلے ہی مجھے لے کر یہاں آ گیا اور اب یہاں گھر میں بے کار بیٹھا ہے۔ گھر تو اپنوں کا ہے کرایہ چند ماہ بعد دے دوں گی تو کوئی بات نہیں۔ مگر گوجرانوالہ میں میرے بیٹے جیسا کوئی موٹر مکینک نہیں اور یہاں لاہور میں کوئی اس کو پوچھتا ہی نہیں۔ میں کہتی ہوں بیٹا اب بھی کچھ نہیں بگڑا ہم واپس چلے جاتے ہیں پر آپا وہ بہت ضدی ہے مانتا ہی نہیں۔"

عورت چپ ہوئی تو اماں نے کہا۔

"اے بہن! اگر تمہارا بیٹا موٹر مکینک ہے تو اب تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میرا شوہر بھی موٹر مکینک ہے۔ میں آج ہی ان سے کہتی ہوں وہ ضرور کہیں نا کہیں تمہارے بیٹے کو لگوا دیں گے یا ہو سکتا ہے اپنی ورکشاپ میں ہی کہیں رکھ لیں۔"

"اگر ایسا ہو جائے تو میں ساری زندگی تمہارا احسان یاد رکھوں گی۔" عورت نے کہا تو اماں محبت سے بولیں۔

"لو بھلا اس میں احسان کی کیا بات ہے؟ آخر انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔"

امامہ مزید کہانی سننے کے لئے وہاں بیٹھی نہیں تھی۔ برتن اٹھا کر کچن میں آئی اور منہ بناتے ہوئے سوچا کہ اماں کی یہ عادت کبھی نہیں بدلے گی۔ ہر ایرے غیرے سے یوں ملتی اور باتیں کرتی ہیں جیسے صدیوں کی جان پہچان ہو۔ برتن صاف کرتے ہوئے بھی وہ اس عورت اور اس کے بیٹے کے بارے میں سوچتی رہی اور غصے سے کھولتی رہی۔ اگلی صبح وہ ناشتہ کرنے کے بعد اپنے لئے چائے بنانے لگی جب اماں نے آواز دی۔

"امامہ بیٹی! دو کپ چائے کے بنا کر دے جاؤ۔" یہ سنتے ہی امامہ کا موڈ آف ہو گیا اور اس نے برا سا منہ بناتے ہوئے سوچا۔ یہ صبح ہی صبح کون منہ اٹھا کر چلا آیا ہے؟ بہر حال چائے تو پھر بنا کر دینی ہی تھی۔ اس نے چائے بنا کر دو کپوں میں ڈالی پھر کپ ٹرے میں رکھ کر ڈرائنگ روم میں آئی اور پردہ ہٹاتے ہوئے موڈ آف ہو گیا۔ سامنے والے صوفے

پر وہی بدمعاش لڑکا بڑے مؤدبانہ انداز میں ابا کے قریب بیٹھا تھا۔ اس کی والدہ دوسرے صوفے پر اماں کے قریب بیٹھی تھیں۔ امامہ دل ہی دل میں دانت پیستے ٹرے اماں کے قریب لائی اور رکھ کر جانا ہی چاہتی تھی کہ اماں نے ایک کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"امامہ! یہ دوسرا کپ سامنے بھائی کو پکڑا دو۔" وہ کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ ہونٹ بھینچ کر خرم کے قریب آئی اور منہ سے کچھ کہنے کے بجائے ٹرے اس کے سامنے کی۔ ٹرے سے مگ اٹھاتے ہوئے اس نے امامہ کو دیکھا پھر منہ سے کچھ کہنے کے بجائے بھنویں اچکاتے ہوئے گویا امامہ کا حال پوچھا۔

امامہ کا جی چاہا اس کے ہاتھ سے کپ چھین کر سارے کا سارا اس کے چہرے پر پھینک دے۔ مگر دوسروں کی موجودگی کا خیال کر کے ضبط کرتے ہوئے ٹرے لئے باہر چلی آئی اور جب کافی دیر بعد اماں اکیلی ہی باہر آئی تو امامہ نے تپ کر پوچھا۔

"اماں! یہ سب کیا ہے؟ کیا ضرورت تھی اس بدمعاش لڑکے کو ابا سے ملوانے کی؟"

"توبہ کرو کیسی باتیں کرتی ہو۔ وہ تو بے حد شریف لڑکا ہے۔ بے چاری بیوہ ماں کا ایک ہی سہارا ہے۔ کل میں نے تمہارے سامنے ہی تو اس کی ماں سے کہا تھا کہ تمہارے ابا سے کہہ کر اس کو کسی ورکشاپ میں کام پر لگوا دوں گی۔ رات تمہارے ابا سے بات کی تو انہوں نے کہا کہیں اور کیوں خود ہماری اپنی ورکشاپ میں مکینک کی ضرورت ہے تم صبح اس کو بلانا میں بات کر کے دیکھتا ہوں کتنا اچھا مکینک ہے۔ اب تمہارے ابا نے بات کی اور اس کو ساتھ ہی لے گئے ہیں۔ اس میں ہمارا گیا ہی کیا ہے اور کسی غریب کا بھلا بھی ہو گیا۔" اماں نے وضاحت کی۔

"آپ کو تو پوری دنیا سے محبت اور ہمدردی ہے۔" امامہ اب کھل کر تو اماں کو اس لڑکے کی بدمعاشی کے بارے میں نہیں بتا سکتی تھی۔ اس لئے منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی اپنے روم میں چلی گئی اور دوپہر کا کھانا پکنے تک باہر نہیں آئی تھی۔

☆.....☆.....☆

عابد بھائی بیوی کو ہنی مون پر لے گئے۔ ایک ہفتہ بعد واپس آئے تو اماں نے بھابی کو گھر کے کام پر لگا دیا۔ جس دن بھابی کو کام پر لگانا تھا اس دن گھر میں ایک چھوٹی سی تقریب

کا اہتمام کیا گیا۔ کھانا تو سب بہنوں نے مل کر بنایا تھا۔ بھابی نے صرف فرنی ہی بنائی تھی۔ ہنستے مسکراتے کھانا وغیرہ کھالیا گیا تو بھائی اور بھابی اپنے کمرے میں چلے گئے تو سب بہنوں نے مل کر برتن وغیرہ دھوئے تو اماں نے اپنی بیٹیوں سے پوچھا۔ خاص کر ثومیہ سے۔

''کہاں گئی تمہارے بھائی کی وہ شادی نہ کرنے کی قسم اور وہ جنونی محبت؟ اب دیکھو شادی کر کے کتنا خوش ہے۔ یہ محبت وغیرہ سب بکواس ہے یہاں کوئی کسی سے محبت نہیں کرتا۔'' بہنیں اماں کی باتیں سن کر ہنسنے لگیں پھر ثومیہ نے شرارت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''اماں اب بھی کبھی آپ کا اپنے کزن سے سامنا ہوتا ہے؟''

''ہزار بار ہوتا ہے۔ وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ خوش ہے۔ میں اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ۔ میری شادی کے تھوڑے عرصے بعد ہی چچا کے بیمار ہونے پر دونوں خاندان میں صلح ہوگئی تھی۔ تاہم میں نے اس کو کبھی بلانا گوارا نہیں کیا اور میں ہی کہتی ہوں کہ زندگی بے مول ہرگز نہیں کہ اس کو محض کسی ایک شخص کی نذر کر دیا جائے۔

ہم پر باقی رشتوں کا بھی حق ہوتا ہے۔ اب امامہ بتا رہی تھی تمہارے بھائی نے بیماری کا بہانا بنا کر مزید ایک ماہ کی چھٹی لی ہے۔ جب کہ پہلی بار آیا تھا تو اس لڑکی کی شادی کا سن کر بہنوں کو روتا چھوڑ کر پوری چھٹی گزارے بغیر ہی واپس چلا گیا۔ اب بیوی کا منہ دیکھا ہے تو واپس جانے کو جی ہی نہیں چاہتا، اماں کی باتوں پر سب بہنیں ہنسنے لگیں اور اماں نے کہا۔

''میں نے رشتے والی سے کہہ دیا ہے کہ وہ اب امامہ کے لئے بھی اچھا سا رشتہ تلاش کرے۔''

''مگر اماں! ابھی تو میں پڑھ رہی ہوں اور بی اے مکمل کرنے سے پہلے مجھے ہرگز شادی نہیں کرنی۔'' امامہ نے فوراً کہا اور اماں بولی۔

''میں کون سا تمہیں کل ہی بیاہنے کی بات کر رہی ہوں۔ ارے اچھا رشتہ تلاش کرتے سال دو سال لگ جاتے ہیں پھر چار چھ ماہ منگنی بھی چلتی ہے۔'' یہ سن کر امامہ چپ رہی کہ بات سچ تھی۔

عابد بھائی چھٹی گزار کر واپس جا چکے تھے اور جاتے جاتے یہ بھی کہہ گئے تھے کہ اب کی بار چھٹی کے بجائے پکے پکے پاکستان آ جائیں گے۔ اب پرسوں سے امامہ کو کالج

جوائن کرنا تھا۔ کالج کی چھٹیاں ختم ہوگئی تھیں۔ بھابی عابد بھائی کے گھر سے جاتے ہی اماں سے اجازت لے کر چند روز اپنے میکے رہنے جا چکی تھی۔

ناشتہ کرنے کے بعد امامہ نے سوچا آج مشین لگا کر کپڑے ہی دھو لے۔ کل یونیفارم پریس کر کے رکھ دے گی۔ کرن میٹرک میں تھی اور اچھے مارکس لینے کے لئے سارا وقت پڑھائی میں مصروف رہتی تھی۔ امامہ ابھی مشین میں پانی ڈال ہی رہی تھی جب محلے کی ایک بچی نے آ کر پیغام دیا۔

''امامہ باجی! آپ کو نسرین باجی بلا رہی ہیں۔ وہ کہتی ہیں آپ فوراً آ جائیں بہت ضروری بات کرنی ہے۔''

''ان سے کہو کہ میں کپڑے دھو رہی ہوں وہ خود آ جائیں۔'' امامہ نے مشین میں صرف ڈالتے ہوئے کہا۔ بچی چلی گئی مگر جلد ہی پھر واپس آئی اور کہا۔

''باجی نسرین کہتی ہیں میں گھر میں اکیلی ہوں اور طبیعت بھی ٹھیک نہیں۔ آپ آئیں اور فوراً آئیں۔'' یہ سن کر امامہ نے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ میں آتی ہوں۔'' بچی چلی گئی تو امامہ نے مشین میں کپڑے ڈالے پھر سبزی بناتی ہوئی اماں سے کہا۔

''اماں! نسرین کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ اس نے بلایا ہے۔ میں اس کی بات سن کر جلدی آ جاؤں گی۔ مشین رک بھی جائے تو آپ کپڑے نہ نکالیں میں خود ہی آ کر نکال لوں گی۔'' یہ کہہ کر وہ دوپٹہ لے کر چلی آئی۔ وہ نسرین کے گھر آئی تو وہ سامنے والے کمرے میں خواتین کا پرچہ لئے کرسی پر بیٹھی تھی۔ امامہ کو دیکھتے ہی اٹھی اور ہاتھ میں پکڑا ہوا پرچہ امامہ کو تھماتے ہوئے مسکرا کر کہنے لگی۔

''تم بیٹھو میں تمہارے لئے اچھی سی چائے بنا کر لاتی ہوں۔ باتیں پھر ہوں گی۔''

''مگر بلایا کیوں؟ بچی بتا رہی تھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں جب کہ تم اچھی بھی ہو چکر کیا ہے؟'' امامہ نے گھورتے ہوئے کہا۔

''یار! سب بتاتی ہوں۔ پہلے تمہارے لئے چائے بنا لاؤں۔ تمہیں میرے ہاتھ کی بنائی ہوئی چائے بہت پسند ہے نا۔'' نسرین پھر مسکراتے ہوئے بولی تو امامہ نے تپتے ہوئے

کہا۔

''کمینی! میں نے کپڑے دھونے کے لئے مشین لگا رکھی ہے اور تمہیں شرارت سوجھ رہی ہے۔ اچھی بہن چائے رہنے دو وہ پھر کبھی سہی ابھی بلایا کس لئے ہے یہ بتاؤ۔''

''تم آرام سے یہاں بیٹھو۔'' نسرین نے ہاتھ پکڑ کر اس کو اپنی چیئر پر بٹھایا پھر کہا۔

''کپڑوں کی فکر نہ کرو میں تمہارے ساتھ چلی جاؤں گی۔ تمہارا ہاتھ بٹانے کو۔ گو کہ میری بات بھی بہت ضروری ہے مگر پہلے چائے جس کے لئے میں پانی کیتلی میں ڈال کر چولہے پر رکھ چکی ہوں۔ بس ابھی آتی ہوں۔'' کہہ کر وہ کچن میں چلی گئی۔ امامہ ابھی چیئر پر بیٹھی ہی تھی کہ اس وقت ساتھ والے کمرے کا درمیانی دروازہ کھلا اور اگلے لمحے خرم اس کے سامنے تھا۔

خرم کو دیکھتے ہی امامہ تیزی سے اٹھ کر سامنے والے دروازے کی سمت بڑھی مگر خرم نے بڑی پھرتی سے سامنے آتے ہوئے امامہ کا راستہ روک لیا۔

☆ ... ☆ ... ☆

'اوہ دھوکہ!' امامہ نے دل ہی دل میں غصے میں کھولتے ہوئے سوچا تھا تو دھوکے سے بلایا ہے اس نسرین کی بچی نے مجھے۔ اب بچے گی نہیں یہ ذلیل لڑکی میرے ہاتھ سے۔ پھر اس نے سامنے کھڑے خرم کو بغور دیکھا جو اس کو ہی دیکھ رہا تھا۔ گہرے رنگ کے معمولی کپڑے کا سوٹ اس کے جسم پر تھا۔ موسم سرما کا تھا جبکہ سوٹ عام سے باریک کپڑے کا جو گرمی کے موسم میں پہنا جاتا ہے۔ پاؤں میں گہرے رنگ کی ہی ربڑ کی چپل۔ اب پتہ نہیں یہ محض اتفاق تھا یا امامہ سے ملاقات کے لئے بطور خاص میچنگ تھی۔ اس بے وقوف نے سب سے اہم یہ کہ بالوں میں تیل ڈال کر خوب اچھی طرح برش کیا تھا۔ امامہ کو دل ہی دل میں ہنسی بھی آئی۔ مگر ہنسی سے زیادہ غصہ آیا۔ اس نے سوچا۔

'اچھا تو میں اس فقیر کی منتظر تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ خوب صورت ہے مگر اوقات کیا ہے؟'' وہ چونک پڑی خرم اس کو دیکھتے ہوئے بڑی محبت سے پوچھ رہا تھا۔

''امامہ! چند ہفتے پہلے میں نے تمہیں خط دیا تھا اور کہا تھا مجھے اس کا جواب دینا۔ مگر تم نے جواب لکھنا تو دور کی بات، چھت پر آنا چھوڑ دیا۔ تمہیں شاید احساس بھی نہ ہو تمہیں ایک نظر دیکھنے کے لئے میں کیسے تڑپا۔''

''تمہارا وہ خط پڑھے بغیر ہی میں نے پرزے پرزے کر ڈالا تھا۔ اب تم ہی بتاؤ تم کس بات کا جواب چاہتے ہو؟'' امامہ نے خرم کو گھورتے ہوئے پوچھا۔ اب پھر اس کو یاد آیا تھا اس نے کتنی بری حرکت کی تھی۔ اس دن تو امامہ کو ڈر تھا کہ نیچے سے اس کے پیچھے کزن نہ آ جائے اس لئے خون کے گھونٹ پی کر چلی گئی مگر آج وہ خرم کی طبیعت اچھی طرح صاف کرنا چاہتی تھی۔ بلکہ اسے اچھی طرح اس کی اوقات بتا کر دل کی بھڑاس نکالنا چاہتی تھی۔

''تم نے وہ خط پڑھے بغیر ہی پھاڑ ڈالا۔'' خرم نے تاسف سے اس کو دیکھا پھر

کہا۔

''خیر میں اب زبانی بتا دیتا ہوں میں نے لکھا تھا مجھے تم سے محبت ہے۔'' خرم نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ مگر امامہ نے اس کو مزید بولنے کی مہلت دیئے بغیر تیوریاں چڑھا کر پوچھا۔

''معاف کیجئے گا میں پوچھ سکتی ہوں یہ عنایت مجھ پر ہی کیوں ہوئی۔ وجہ بتائیں گے اپنی اس محبت کی؟'' خرم نے حیران ہو کر اس کی بات سنی جیسے مطلب نہ سمجھا ہو پھر پورے اعتماد سے کہا۔

''محبت میں کیوں نہیں چلتا یہ بس ہو جاتی ہے اور مجھے بھی تمہیں دیکھتے ہی تم سے محبت ہو چکی ہے۔ اس بات کا جواب مانگا تھا میں نے اور اس وقت بھی مانگتا ہوں۔'' اس کی بات سن کر امامہ کا جی چاہا کس کر ایک تھپڑ اس کے منہ پر مارے مگر ضبط کرتے ہوئے بولی۔

''ابھی لو جواب مجھ سے۔ تمہیں مجھے دیکھتے ہی مجھ سے محبت ہو چکی ہے مگر مجھے تم سے محبت نہیں اور نہ ہی کبھی ہو گی بلکہ جو حرکت اس دن تم نے کی اس کی وجہ سے مجھے تم سے نفرت ہو چکی ہے محبت نہیں اور اصولاً ہونا تو یہ چاہئے کہ کوئی مجھ سے محبت کرتا ہے تو کرے میں خود تو کسی سے محبت نہیں کرتی مگر تم۔''

امامہ نے رک کر اس کو دیکھا اور غرائی۔

''تم مجھ سے محبت کرنے کی زحمت نہ ہی کرو تو بہتر ہے۔ کوئی دو ٹکے کا کرائے دار اور معمولی موٹر میکینک مجھ سے محبت کرے۔ یہ میرے حسن اور تعلیم کی توہین ہے۔ انسان کو کچھ کہتے ہوئے کچھ کرتے ہوئے اپنی اوقات اور حیثیت ذہن میں رکھنی چاہئے۔ دوبارہ میرے سامنے کبھی اس قسم کی بکواس کرنے کی زحمت کی تو منہ نوچ لوں گی تمہارا۔ آسمان اور زمین کبھی نہیں ملتے سمجھے؟''

امامہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بے رحمی اور سفاکی سے کہا اور تمسخرانہ نظروں سے اس کو دیکھا۔ امامہ کی باتیں سن کر خرم کے چہرے پر ایک سایہ سا آ کر گزر گیا۔ چند لمحے توقف رہا پھر خرم نے گویا خود کو سنبھال لیا اور حقارت بھرے لہجے میں کہا۔

''تم کسی پرائم منسٹر کی بیٹی نہیں ہو۔ تمہارا باپ بھی میری طرح معمولی موٹر میکینک ہے اور تو اور تمہارا بھائی بھی کوئی وزیر نہیں میری طرح وہ بھی موٹر میکینک ہے۔'' وہ بولنے پر آیا تو تان سٹاپ بولتا ہی چلا گیا۔

''اور اب آتا ہوں تمہاری بہنوں کی طرف۔ تمہارا بڑا بہنوئی ٹرک چلاتا ہے۔ تمہارا دوسرا بہنوئی فروٹ منڈی میں پرائس کنٹرولر ہے اور تیسرا ہومیو پیتھک ڈاکٹر۔ جہاں یہ تینوں ہیں وہاں ایک تمہارے باپ کی طرح موٹر میکینک بھی سہی۔ باقی رہی کرائے دار ہونے کی بات تو یہ میرا تم سے وعدہ ہے شادی سے پہلے اپنا گھر ضرور بنا لوں گا۔'' خرم نے بھی کھل کر امامہ کو اس کی اوقات بتائی اور ساتھ ساتھ اپنا پروگرام بھی۔ اس کی باتوں نے گویا امامہ کو آگ لگا دی۔

''میرا باپ موٹر میکینک ہے تو ضروری نہیں کہ میرا شوہر بھی موٹر میکینک ہی ہو گا۔ میں کسی بہت پڑھے لکھے اور امیر آدمی سے شادی کروں گی تم جیسے فقیر سے ہرگز نہیں۔'' امامہ نے بھی اس کو تپایا۔

''اچھا تو تمہارا دماغ زنانہ رسالوں میں لکھی جانے والی کہانیوں اور ٹی وی پر دکھائے جانے والے ڈراموں نے خراب کر رکھا ہے۔ تم اپنے لئے ایک فلمی ہیرو چاہتی ہو۔''

اور یہ سچ تھا۔ رومانی کہانیاں وہ شوق سے پڑھتی تھی اور ویسا ہی ہیرو اپنے لئے چاہتی تھی۔ فلمی ہیرو جیسا بے حد شوخ و شریر' بات بات پر ہنسنے ہنسانے والا۔ اس کو اپنی گاڑی میں گھمانے والا۔ بہت پڑھا لکھا اور بے حد امیر بھی' بے حد محبت کرنے والا جو امامہ کے علاوہ کسی دوسری لڑکی کو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔ صرف اور صرف اسی کا ہو کر رہنے والا۔ ابھی رات ہی تو اس نے ٹی وی ڈرامے میں دیکھا تھا ہیرو ہیروئن کو نہ صرف اپنی گاڑی میں گھما رہا تھا بلکہ ڈھیروں شاپنگ بھی کروائی تھی۔ اس کو سوچ میں گم دیکھ کر خرم نے طنزیہ کہا۔

''دوسروں کو اپنی اوقات بتانے سے پہلے بندے کو اپنی اوقات اور حیثیت بھی ذہن میں رکھنی چاہئے۔''

''مجھے مشورے کی ضرورت نہیں۔'' امامہ نے غصے سے کہا۔

''مشورہ نہیں حقیقت بتا رہا ہوں اور سنو میں نے تم سے محبت کی ہے تو شادی بھی تم سے ہی کروں گا۔ صرف تم سے اور میں جو کہتا ہوں وہی کرتا بھی ہوں۔ تم ایک بار پھر میرے بارے میں سوچو۔ تم مجھ سے محبت کرو یا نہ کرو میں اب تمہیں چھوڑنے والا ہرگز نہیں۔ تم میری ہو صرف میری سنا تم نے۔'' وہ اپنی بات ختم کر کے فوراً سامنے والے دروازے سے باہر نکل گیا

اور اس کے جاتے ہی نسرین چائے لے کر اندر آ گئی۔ وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی مگر امامہ کا تباہ کن موڈ دیکھ کر سنجیدہ ہو گئی۔

''تم نے خرم کے کہنے پر دھوکے سے مجھے بلایا تھا۔ ذلیل! اب میں کبھی تم سے بات نہیں کروں گی۔'' وہ دروازے کی جانب لپکی۔

''یار! پلیز! میری بات تو سنو۔'' نسرین نے کچھ کہنا چاہا مگر امامہ اس کا ہاتھ جھٹک کر گھر آ گئی۔ مارے غصے کے خون کھول رہا تھا۔ امامہ کا جی چاہ رہا تھا اس ذلیل انسان کو قتل کر دے مگر کیسے؟ وہ گھر آئی تو مشین اپنا ٹائم پورا کر کے بند ہو چکی تھی۔ وہ کپڑے نکالنے لگی تو اماں نے پوچھا۔

''کیوں بلایا تھا نسرین نے؟''

''تھا ایک ضروری کام۔'' کہہ کر وہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ مگر دماغ خراب ہو رہا تھا۔ خرم کی حرکت کا سوچ سوچ کر وہ پاگل ہو رہی تھی اور یہ سب نسرین کی وجہ سے ہوا تھا۔

رات وہ اپنے روم میں بیٹھی رسالہ پڑھ رہی تھی جب نسرین کمرے میں داخل ہوئی اور اس کی چارپائی سے ذرا دور کھڑی ہو کر امامہ کو دیکھنے لگی۔ اور امامہ نے اس کو دیکھنے کے باوجود نظرانداز کر دیا تھا۔ کچھ وقت یوں ہی گزر گیا پھر نسرین خود ہی اس کے قریب آئی اور پاس بیٹھتے ہی دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑ کر کہا۔

''یار! پلیز! معاف کر دو غلطی ہو گئی۔ دوبارہ کبھی ایسا نہیں ہو گا۔ اب میں تمہیں کیا بتاؤں انہوں نے اتنا زیادہ مجبور کیا مجھے کہ میں ان کی بات ماننے پر مجبور ہو گئی۔ وہ کہتے ہیں انہیں تم سے سچی محبت ہو گئی ہے بلکہ عشق ہو گیا ہے۔ مجھ سے ان کی یہ حالت دیکھی نہ گئی۔ اس لئے یہ غلطی ہو گئی۔ تم تو میری سہیلی ہو۔ پلیز! معاف کر دو۔ میری مجبوری سمجھ کر دیکھو پہلا گناہ تھا۔ اللہ کے لئے معاف کر دو۔ یار! اب معاف بھی کر دو تھک گئی میں ہاتھ جوڑے جوڑے ذرا جلدی کرو۔'' اور امامہ کو ہنسی آ گئی مگر دوسرے ہی لمحے اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ اس نے نسرین کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔

''معاف کر دیا مگر یاد رکھنا دوبارہ ایسی غلطی نہیں ہونی چاہئے اور اپنے بھائی کو میری طرف سے کہہ دینا۔''

''یار! بھائی نہیں ماموں ہیں۔ امی کے پھوپھو زاد بہن کے بیٹے ہیں۔'' نسرین نے جلدی سے وضاحت کی۔

''اچھا اچھا جو بھی ہیں کہہ دینا پھر کبھی میرا راستہ روکنے یا چھونے کی کوشش کی تو اچھا نہیں ہو گا۔ منہ نوچ لوں گی میں اس کمینے کا۔ ہونہہ مجھ سے شادی کرے گا دو ٹکے کا موٹر مکینک۔'' اور اس کا اچھا موڈ دیکھ کر نسرین نے چھیڑنا ضروری سمجھا۔

''یار! ماموں نے تمہیں چھوا تھا؟''

''فضول بکواس مت کرو جو کہا ہے وہ اس کو کہہ دینا۔'' امامہ نے غصے سے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے کہہ دوں گی۔ مگر ایک بات تو بتاؤں ماموں میں کمی کیا ہے؟ کتنے خوبصورت ہیں میرے ماموں اونچے لمبے سے۔''

''تو پھر تم ہی کر لو شادی اگر اتنے ہی اچھے لگتے ہیں۔'' امامہ نے نفرت سے کہا تو نسرین جلدی سے بولی۔

''کیا کہتی ہو۔ میرے تو ماموں ہیں اور ویسے بھی محبت تو وہ تم سے کرتے ہیں پھر شادی مجھ سے کیسے کر سکتے ہیں؟''

''مجھے کسی دو ٹکے کے کرائے دار اور موٹر مکینک سے شادی نہیں کرنی۔ تم اچھی طرح جانتی ہو میرے خیالات کو اور وہ تمہارا سگا ماموں نہیں۔'' امامہ کے لہجے میں ناگواری تھی۔

''بے شک سگے ماموں نہیں مگر ان کو سگوں سے زیادہ سگا سمجھتی ہوں۔ تمہیں معلوم تو ہے میرا کوئی سگا ماموں نہیں میری نانو کی صرف سات بیٹیاں تھیں۔

باقی رہے تمہارے خیالات تو میں جانتی ہوں بہت اچھی طرح مگر پسند کبھی نہیں کیا۔ ضروری نہیں جو ہم چاہیں ہمیں مل بھی جائے۔ جو سوچیں ویسا ہو بھی جائے۔ انسان کو حقیقت پسند ہونا چاہئے۔'' نسرین نے ہمت کر کے کہہ دیا۔

''بیٹھنے کا پروگرام ہے یا دھکا دے کر گرا دوں نیچے؟'' امامہ نے گھورتے ہوئے کہا تو نسرین اٹھتے ہوئے بولی۔

''میں جا رہی ہوں تمہیں کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں۔'' وہ دروازے کی جانب بڑھی تو امامہ نے کہا۔

''میرا پیغام یاد سے اپنے ماموں کو دے دینا۔'' اور نسرین جو دروازے کے قریب

پہنچ چکی تھی شرارت سے بولی۔

''پیغام تو میں دے دوں گی مگر وہ ماننے والے ہرگز نہیں۔ اکلوتی اولاد ہونے کی وجہ سے بہت ضدی ہیں جو ایک بار کہہ دیں وہ ہی کرتے بھی ہیں۔''

''تم جاتی ہو یا۔'' امامہ نے جھک کر کہا تو نسرین ہنستے ہوئے دروازہ پار کر گئی اور امامہ ایک بار پھر خرم کی بے شرمی کے بارے میں سوچنے لگی۔

کالج کی چھٹیاں ہونے کی وجہ سے وہ اپنی مرضی سے لیٹ اٹھتی تھی۔ جب سب گھر والے ناشتہ کر چکے ہوتے۔ ابا ورکشاپ اور کرن سکول جا چکی ہوتی تھیں۔ وہ اپنا ناشتہ خود بناتی اور مزے سے کرتی۔ سارا دن میوزک سنتے ہوئے اور رسالے پڑھتے اور آدھی رات تک ٹی وی دیکھتے گزر جاتی مگر آج اس کو کالج جانا تھا۔ وہ ٹائم سے کافی پہلے ہی اٹھ گئی تھی۔ ابا کو بھی رات سونے سے پہلے بتا دیا تھا کہ وہ کل سے جوائن کرے گی۔ وہ صبح اس کو کالج چھوڑ کر ورکشاپ جائیں اس وقت وہ اپنے کمرے سے نکل کر کچن میں آئی تو اماں اس کے لئے پراٹھا بنا چکی تھی اور پراٹھے کے ساتھ پیاز اور سبز مرچی میں پکے انڈے اور اس پر گرما گرم چائے۔ امامہ کو انڈے ہر شکل میں اچھے لگتے تھے۔ آملیٹ ہو یا سالن میں ڈالے گئے ابلے ہوئے انڈے، خاص کر پیاز اور سبز مرچی میں بنائے گئے انڈے اسے بے حد پسند تھے۔ اس نے پورے اطمینان سے ناشتہ کیا پھر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ یونیفارم پہننے کے بعد پاؤں میں کوٹ شوز پہنے بیگ کاندھوں پر ڈالا اور فائل ہاتھ میں پکڑے روم کا دروازہ بند کر کے ابو کے پاس آئی۔ وہ ابھی اخبار پڑھ رہے تھے امامہ کو دیکھتے ہی بولے۔

''تیار ہو گئی ہے ہماری بیٹی!'' اور اخبار وہیں رکھ کر فوراً اٹھ گئے۔ امامہ خدا حافظ کہہ کر باہر آئی تو یک دم موڈ آف ہو گیا کہ باہر گاڑی کے قریب خرم کھڑا تھا۔ ابو کو دیکھ کر خرم نے فرنٹ ڈور اوپن کیا تو امامہ نے آہستہ سے پوچھا۔

''ابو! کیا یہ بھی ہمارے ساتھ جائے گا؟'' امامہ نے جتنی آہستگی سے پوچھا تھا ابو نے اتنی ہی اونچی آواز میں بتایا۔

''خرم روز میرے ساتھ ہی جاتا ہے تم بیٹھو۔'' پھر خرم سے کہا۔

''دروازہ کھولو۔'' خرم بڑے مؤدبانہ انداز میں نظریں جھکائے امامہ کے قریب آیا اور دروازہ کھول کر بڑے ادب سے کہا۔

''بیٹھیں۔''

امامہ کا بیٹھنے کا موڈ نہیں تھا مگر فوراً انکار کا کوئی جواز بھی نہیں تھا۔ ابا سے تو اب رات کو ہی بات ہو سکتی تھی۔ وہ دانت پیستی ہوئی بیٹھ گئی اور خرم دروازہ بند کر کے ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔ بیٹھتے ہی نہ صرف گاڑی چلا دی بلکہ ساتھ بڑے ادب سے پوچھا۔

''استاد! کون سے سکول جانا ہے؟''

''سکول نہیں کالج۔ میری بیٹی کالج میں پڑھتی ہے۔'' ابا نے فخر سے بتایا تو خرم حیرت بھرے لہجے میں بولا۔

''اچھا کالج میں تو سمجھا تھا سکول۔'' دانستہ بات ادھوری چھوڑ کر وہ خاموش ہو گیا۔ وہ شاید امامہ کو خوش کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس کو یہ سب سن کر بے حد غصہ آیا کہ خرم کو اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ کالج میں پڑھتی ہے۔ وہ نسرین سے امامہ کے بارے میں ایک ایک بات پوچھ چکا تھا۔ یہ بات خود نسرین نے اس کو بتائی تھی۔ امامہ نے غصے میں کھولتے ہوئے خرم پر اک نگاہ ڈالی۔ وہ ونڈ سکرین سے باہر دیکھتے ہوئے بڑی شرافت سے گاڑی چلا رہا تھا۔ ایک بار بھی نظر اٹھا کر امامہ کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ شاید گاڑی میں بیٹھے استاد کو اپنی شرافت کا ثبوت دینے کے لئے۔ کالج آیا تو خرم نے گاڑی روک دی۔ امامہ نے دروازہ کھول کر اترنا چاہا مگر دروازہ نہ کھلا دوسرا دروازہ چیک کیا تو وہ بھی لاک تھا۔ وہ دل ہی دل میں سمجھ گئی کہ خرم کی شرارت ہے مگر کیوں اس سے اس کو کیا ملے گا؟

''کیا بات ہے امامہ؟'' ابا نے اس کو اترتے نہ دیکھ کر پوچھا۔

''ابو! دروازہ نہیں کھل رہا۔'' امامہ نے بتایا۔

''دوسرا کھول لو۔'' ابا نے کہا تو خرم بولا۔

''دوسرا لاک ہے۔ وہ نہیں کھلے گا میں دیکھتا ہوں۔'' پھر وہ دروازہ کھول کر باہر آیا اور ذرا سی کوشش سے دروازہ کھول دیا۔ امامہ جلدی سے باہر نکلی تو وہ فوراً خود دروازہ بند کر کے بڑی شرافت سے نظر جھکائے واپس جا کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔ ابا نے روز کی طرح خدا حافظ کہا مگر وہ جواباً خدا حافظ بھی نہ کہہ سکی۔ مارے غصے کے دل ہی دل میں خرم کو برا بھلا کہتے کالج کی عمارت میں داخل ہو گئی۔

آدھا دن کالج میں گزارنے کے باوجود نہ تو اس کا موڈ درست ہوا تھا نہ ہاتھ سے

درد ختم ہوا تھا۔ خرم سے زیادہ اپنی ماں پر غصہ آ رہا تھا۔ انہوں نے ہی ابا سے خرم کی سفارش کی تھی۔ وہ گھر آئی تو اماں گھر پر نہیں تھیں۔ معلوم ہوا نانا کی طبیعت ٹھیک نہیں وہ ان کو دیکھنے گئی ہیں۔ بھابی نے اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم لباس بدل کر آؤ۔ میں تمہارے لئے کھانا لے کر آتی ہوں۔'' وہ جواب دیئے بغیر اپنے روم میں چلی آئی۔

رات کو وہ سو چکی تھی جب ابا خود بھی نانا کی عیادت کرنے کے بعد اماں کو ساتھ لے کر آئے تھے۔ اس لئے بات نہ ہو سکی۔ صبح یونیفام پریس کرنے کے بعد ناشتہ کرنے کچن میں آئی تو ابا حسب معمول اخبار دیکھ رہے تھے۔ امامہ نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ابا! مجھے اس لڑکے کے ساتھ کالج نہیں جانا۔''

''ساتھ میں خود بھی تو ہوتا ہوں۔'' ابا نے اخبار سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا۔

''ابو جی! مجھے صرف آپ ہی کے ساتھ جانا ہے۔ آپ اس لڑکے کو کہہ دیں۔ وہ وین میں چلا جایا کرے۔ مجھے برا لگتا ہے۔ اس کا ساتھ ہونا اور اگر آپ نے اس کو ضروری ساتھ لے کر جانا ہے تو پھر مجھے وین لگوا دیں۔'' امامہ نے آخر میں گویا دھمکی دی جو اثر کر گئی۔ ابا نے اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے بیٹی کو دیکھا۔ گویا رضامندی دے دی۔

''اچھا ٹھیک ہے میں خرم سے کہہ دوں گا کہ وہ وین میں آ جایا کرے۔ کرایہ میں اس کو دے دیا کروں گا۔''

''بیٹی نے کہا اور آپ نے بغیر سوچے سمجھے مان لیا۔ یتیم بچہ ہے۔ آپ وین میں جانے کا کہیں گے تو اس کا دل ٹوٹے گا کہ دو ماہ سے تو اپنے ساتھ لے کر جا رہے تھے اب محض اپنی بیٹی کی وجہ سے وین میں جانے کا کہہ رہے ہیں۔ اس کا دل ٹوٹے گا۔ ہم پر آہ پڑے گی۔ خوامخواہ کسی کی آہ نہیں لینی چاہیے۔ وہ بھی آپ کے ساتھ ہی جایا کرے گا۔'' اماں نے ناشتہ امامہ کے ساتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''اگر اس کو وین میں نہیں بھیجنا تو پھر مجھے وین لگوا دیں۔'' امامہ نے غصے میں کہا۔

''مگر تمہیں اس کے ساتھ کیوں نہیں جانا؟ وجہ بھی تو بتاؤ۔'' اماں نے پوچھا تو امامہ نے تیزی سے کہا۔

''میری مرضی۔ اب یا تو وہ ابو کے ساتھ جائے گا یا میں۔''

''اگر یہی تمہاری ضد ہے تو ٹھیک ہے پھر تمہیں وین لگوا دیں گے۔'' اماں نے ابا کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ اب کے ابا خاموش ہی رہے۔ یہ خاموشی اماں کی بات سے اتفاق تھا۔ امامہ غصے سے ناشتہ ویسے ہی چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ابا نے یہ دیکھا تو کہا۔

''امامہ بیٹی! ناشتہ تو کر لو۔ اس میں ناشتے کا کیا قصور؟'' مگر امامہ نے جواب دینے کی زحمت گوارہ نہیں کی تھی۔

سیدھی اپنے روم میں آئی۔ بڑبڑاتے ہوئے ڈریس اپ ہوئی اور جب باہر آئی ابا جو ابھی تک اماں کے پاس بیٹھے باتوں میں مصروف تھے امامہ کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ چپ چاپ ابا کے ساتھ باہر آئی جہاں خرم گاڑی کے قریب پھر نظریں جھکائے مؤدبانہ کھڑا تھا۔ ابا نے کہا۔

''خرم پچھلا دروازہ کھولو۔'' قبل اس کے خرم دروازہ کھولتا امامہ نے بدتمیزی سے چیخ کر کہا۔

''مجھے آپ کے ساتھ گاڑی میں نہیں جانا۔ رکشے میں جانا ہے۔'' پھر وہ مارے غصے کے پیر پٹخ کر خدا حافظ کہے بغیر دوسری جانب مڑ گئی۔

ابا تو سمجھے تھے وہ ان کے ساتھ باہر آئی ہے تو ان کے ساتھ ہی گاڑی میں جائے گی۔ انہوں نے خرم کو دیکھا جو خاموش کھڑا ان کے حکم کا منتظر تھا۔

''چلو تم بیٹھو۔'' انہوں نے خرم سے کہا اور خود بھی دروازہ کھول کر بیٹھ گئے۔ تاہم وہ امامہ کے اس رویے سے تھوڑے پریشان ضرور ہو گئے تھے۔ ان کے بیٹھتے ہی خرم نے گاڑی چلا دی۔ وہ سڑک کے کنارے تیز تیز جا رہی تھی۔ خرم کا دل چاہا گاڑی اس کے اوپر چڑھا دے۔ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ محض اس کی وجہ سے گاڑی میں نہیں بیٹھی۔ تاہم مجبوری یہ تھی کہ ساتھ استاد تھے۔ اس لئے وہ ہونٹ بھینچ کر اس کے قریب سے گزر گیا۔ امامہ نے بھی اس کو اپنے قریب سے گزرتے دیکھا اور غصے سے کھولتے ہوئے سوچا۔

'اماں ابا نے میری بات نہیں مانی تو کیا ہوا میں خود نسرین سے کہہ دوں گی وہ اپنے ماموں سے کہہ دے کہ وہ وین سے چلا جایا کرے۔ مجھے گاڑی میں کالج جانا ہے اور اس بدتمیز کا ساتھ ہونا مجھے پسند نہیں۔ ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' اس نے سوچا اور پرسکون ہو گئی۔

دوپہر کو وہ گھر آئی اور بیگ فائل اپنے روم میں چھوڑ کر سیدھی نسرین کے گھر آئی

تا کہ پہلے اپنا مسئلہ تو حل کرے۔ اماں نے پوچھا۔

''آتے ہی کہاں چل دی پہلے کھانا تو کھالو۔''

اچھی طرح جانتی تھیں کہ صبح اس نے غصے میں ناشتہ نہیں کیا تو کالج میں بھی کچھ نہ کھایا ہو گا مگر امامہ سنی ان سنی کرتے ہوئے باہر نکل آئی۔ وہ نسرین کے گھر آئی تو وہ ہمیشہ کی طرح سامنے والے کمرے میں بیٹھی ہاتھ میں فریم تھامے کڑھائی کرنے میں مصروف تھی۔ پاس ہی منیر بھائی کی بیوی بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ امامہ کو دیکھتے ہی شبانہ بھابی نے مسکرا کر کہا۔

''ارے امامہ! آؤ۔ آؤ۔ بڑے دنوں بعد آئی ہو اور لگتا ہے کالج سے سیدھی ادھر ہی آ رہی ہو۔''

''ٹھیک سمجھا آپ نے۔'' امامہ زبردستی مسکرائی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ بھابی اس وقت نسرین کے پاس ہوں گی۔ شبانہ بھابی کا بیڈ روم گھر کے پچھلے حصے میں تھا اور وہ گھر کے کام کاج سے فارغ ہوں تو باقی وقت اپنے بیڈ روم میں اپنے بیٹے کے ساتھ گزارتی تھیں۔

''اگر یہ بات ہے تو پھر تم بیٹھو میں تمہارے لئے کھانا لے کر آتی ہوں۔'' شبانہ بھابی اٹھتے ہوئے بولیں۔

''کھانے کی ضرورت نہیں۔ میں بس نسرین سے چھوٹی سی بات کرنے آئی ہوں۔ اماں کھانا نکال رہی تھیں میرے لئے۔ آپ سنائیں کیسی ہیں؟ اسامہ کیسا ہے؟'' امامہ نے پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔ اسامہ بھی ٹھیک ہے۔ اگلے ماہ سے وہ سکول جانا شروع کر دے گا۔'' بھابی نے بتایا پھر کہا۔

''تم نسرین سے باتیں کرو میں اپنے بیڈ روم میں جاتی ہوں۔ اسامہ بھی اب اٹھنے والا ہو گا۔'' اور جب وہ چلی گئی تو نسرین نے جو اس کو بغور دیکھ رہی تھی ہاتھ سے فریم رکھ دیا اور بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

''خیریت؟ بڑے خطرناک ارادے لگ رہے ہیں۔ کس کے قتل کا پروگرام ہے؟''

''جب تک تمہارے وہ منحوس ماموں یہاں ہیں تب تک خیریت کا سوال ہی پیدا

نہیں ہوتا۔ اے کاش میں اپنے ہاتھوں سے اس کو قتل کر سکتی۔'' امامہ نے نفرت سے کہا مگر نسرین نے جیسے سنا ہی نہیں۔ کہنے لگی۔

''امامہ! میں نے تمہارا پیغام ماموں کو دے دیا اور پیغام سننے کے بعد ماموں نے کہا۔ امامہ سے کہنا.....''

''مجھے اس کا کہا بتانے کی ضرورت نہیں۔'' امامہ نے ناگواری سے اس کی بات کاٹ دی تو نسرین نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''نہیں بھئی یہ تو پھر بے ایمانی ہو گی۔ اگر تمہارا پیغام پورا دیا ہے تو ماموں کا بھی دوں گی۔ ہاں تو ماموں کہتے تھے اس کو کہنا آپے میں رہے ورنہ دماغ درست کر کے رکھ دوں گا اور یہ کہ اس کو اب تمہاری ممانی بنا کر ہی چھوڑوں گا۔ میں جو کہتا ہوں وہ کرتا بھی ہوں۔''

''ممانی کی بچی!'' امامہ نے اس کو پکڑ لیا۔ نسرین ہنسنے لگی تو امامہ نے کہا۔

''اب میری بات غور سے سنو۔ کل یہ تمہارا ماموں مجھے کالج چھوڑنے گیا تھا اور دروازہ بند کرتے ہوئے اس کمینے نے جان بوجھ کر دروازہ میں کوئی خرابی کر دی۔ میری طرف سے اس کو کہنا مجھے گاڑی میں کالج جانا ہے۔ وہ اپنی اوقات کے مطابق وین میں ورکشاپ جایا کرے۔'' امامہ نے حکم دینے والے لہجے میں کہا۔

''مگر ماموں کے ساتھ جانے سے تمہارا کیا جاتا ہے؟'' نسرین نے حیرانی سے پوچھا۔

''مجھے اس کے ساتھ جانا پسند نہیں۔ بے وقوف بڑا تیل بالوں میں ڈال کر آتا ہے۔ ہیرو بن کر۔ موسم سردی کا ہے اور کپڑے ہمیشہ گرمی کے موسم والے پہن رکھے ہوتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا لوگ اپنی اوقات کیوں بھول جاتے ہیں۔'' امامہ نے نفرت سے کہا۔

''اور اگر ماموں نے تمہاری بات ماننے سے انکار کر دیا تو؟'' اب کے نسرین نے سنجیدگی سے کہا تو امامہ نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

''گاڑی اس کے باپ کی نہیں جو وہ انکار کرے گا اور سنو اگر وہ گاڑی میں گیا تو پھر میں خود وین سے چلی جایا کروں گی مگر اس بدمعاش کے ساتھ ہرگز نہیں جاؤں گی۔ یہ دیکھو میرا ہاتھ ابھی تک سرخ ہے اور درد بھی ہوتا ہے۔ اتنے زور سے دبایا تھا اس نے۔ اگر انگلیاں ٹوٹ جاتیں۔''

''اتنا بھی اناڑی نہیں کہ انگلیاں ٹوٹ جاتیں۔'' خرم نجانے کب سے باہر کھڑا اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اب اندر چلا آیا۔ وہ کام والے گندے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ امامہ کے قریب رکا۔ اس نے غور سے اس کو دیکھا۔

''اور کچھ بھی مجھ سے کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہاری ساری باتیں سن چکا ہوں۔ جواب ابھی مجھ سے لو تم وین سے کالج جاؤ یا پیدل یہ تمہارا ذاتی مسئلہ ہے۔ مجھے بہرحال استاد کے ساتھ گاڑی میں ہی ورکشاپ جانا ہے۔ باقی رہی گاڑی تو وہ اگر میرے باپ کی نہیں تو تمہارے باپ کی بھی نہیں۔ ورکشاپ والوں کی ہے۔''

''اور ورکشاپ میرے ابا کی ہے۔'' امامہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''ورکشاپ تمہارے ابا کی نہیں ہے جس طرح میں وہاں نوکر ہوں ویسے ہی وہاں تمہارے ابا بھی نوکر ہیں۔'' خرم نے نفرت آمیز لہجے میں جتایا۔

''تو تم وین سے ورکشاپ نہیں جاؤ گے۔'' امامہ نے مایوسی سے پوچھا۔

''نہیں۔'' خرم نے کہا تو امامہ بولی۔

''اس کے باوجود تم کہتے ہو کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے جبکہ محبت میں تو لوگ نجانے کیا کیا قربانیاں دیتے ہیں۔'' امامہ کی بات سن کر خرم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا پھر قریب کھڑی نسرین کو دیکھ کر دھاڑا۔

''بھانجی! تم یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو؟ جاؤ اوپر سے میرا کھانے والا ٹفن لے کر آؤ۔ گاڑی بناتے ہوئے آج ویسے ہی دیر ہو گئی تھی اپنی اور استاد کی روٹی لینے آیا ہوں۔''

نسرین اس کے پروگرام سے بے خبر دوڑ کر اوپر بھاگی مگر امامہ اس کا پروگرام سمجھ کر خود بھی تیزی سے نسرین کے پیچھے لپکی مگر خرم نے پھرتی سے اس کا راستہ روکتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

''کیا پیغام دیا بھانجی کو راستہ نہیں روکنا۔'' اس نے امامہ کے بالوں پر ٹھوڑی ٹکاتے ہوئے نرمی سے کہا۔

''اب اپنے محبت والے سوال کا جواب بھی لے لو تم میری محبت کا اقرار کر لو تمہاری قسم وین میں تو کیا میں پیدل ورکشاپ جایا کروں گا۔'' تب ہی نسرین سیڑھیوں سے آوازیں دیتی چلی آئی۔ اس کو اندازہ ہو چکا تھا کہ اس نے ماموں کے پاس امامہ کو تنہا چھوڑ کر اچھا نہیں کیا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا غلطی ہو چکی تھی۔ نسرین کی آواز سن کر خرم چونکا پھر کہا۔

''میں پھر یہی کہوں گا میرے بارے میں ایک بار پھر سوچو میں تمہیں بھول جاؤں یا چھوڑ دوں ناممکن ہے۔'' پھر جیسے ہی نسرین اندر داخل ہوئی وہ اس کی جانب بڑھا۔ کھانے والا ٹفن پکڑ کر باہر نکل گیا۔ امامہ مارے غصے اور توہین کے گم سم کھڑی تھی۔ نسرین کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ کام والے گندے کپڑے پہنے ہوئے تھا اور کام کرتے ہی گندے ہاتھ پیروں کے ساتھ اٹھ کر آیا تھا۔ اس لئے امامہ کی یونیفام بھی وہ ورکشاپ میں پہنے ہوئے اپنے کپڑوں جیسی بنا گیا۔ نسرین نے یہ سب دیکھا تو کہا۔

''تمہاری قسم امامہ! آج میرا کوئی قصور نہیں۔ ماموں نے کچھ ایسے رعب سے ٹفن لانے کو کہا میں ڈر گئی اور تمہارا خیال نہ رہا۔ پلیز! معاف کر دو۔''

''اپنی کوئی چادر لا دو۔ مجھے گھر اس حلئے میں نہیں جانا۔'' امامہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ نسرین نے دوسرے کمرے سے چادر لا کر دی جس کو اوڑھ کر وہ ان کے گھر سے باہر نکلی تو وہ گاڑی میں بیٹھ رہا تھا۔ امامہ کو چادر میں دیکھا۔ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ اس کے گندے لباس نے اس کی یونیفام بھی گندی کر دی تھی۔ امامہ کا جی چاہا آگے بڑھ کر اس کی آنکھیں نکال دے یا پتھر مار کر اس کے سب دانت توڑ دے مگر اس بے غیرت انسان کو کچھ کہنا فضول ہی تھا۔ نہ اس کا کام بنتا تھا بلکہ وہ الٹا اسے پھر چھو چکا تھا۔ یہ بھی شکر تھا وہ گھر آئی تو صحن میں کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ جلدی سے اپنے روم میں داخل ہو گئی۔ پہلے لباس چینج کیا پھر یونیفام پھاڑ کر سارا غصہ اماں پر نکالنے باہر آئی کہ یہ مصیبت اماں کی نازل کی ہوئی تھی۔ اماں بھابی کے کمرے سے باہر آ رہی تھیں۔ امامہ کو دیکھتے ہی بولیں۔

''مبارک ہو۔''

''کس بات کی؟'' امامہ نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے کہا۔ خرم کی باتوں اور حرکت نے موڈ تباہ کن حد تک خراب کر دیا۔

''تم پھپھو بننے والی ہو۔'' اماں نے مارے خوشی کے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا واقعی اماں؟'' یہ خوشخبری سن کر امامہ کا غصہ اپنے آپ ہی ختم ہو گیا۔

وہ اماں کو وہیں چھوڑ کر بھابی کے کمرے کی سمت بھاگی تو اماں نے کہا۔

''وہ ابھی آرام کر رہی ہے تم آؤ پہلے کھانا کھا لو۔''

امامہ خاموشی سے ان کے ساتھ کچن میں چلی آئی اور اماں نے پرسکون ہو کر سوچا۔

چلو آنے والے منے مہمان کی وجہ سے گھر میں جو بڑا فساد ہونے والا تھا وہ تو ٹل گیا۔ نیک روح آ رہی ہے عابد تینتیس برس کا ہو چکا ہے۔ اب تینتیس برس بعد اس گھر میں لڑکا آئے گا۔ مجھے یقین ہے میرا اللہ مجھے پوتا ہی دے گا کہ ایک بیٹا دے کر اس نے مجھے پانچ بیٹیوں سے نواز دیا۔ میں نے کوئی شکوہ نہیں کیا کہ وہ مالک ہے جو چاہے کرے۔ اس کا یہ کرم کیا کم ہے کہ اس نے مجھے ماں بنا دیا اور اب نانی بنانے کے بعد دادی بنا رہا ہے۔''

آج کل سارے گھر والے بھابی کے ناز نخرے اٹھا رہے تھے۔ عابد بھائی بھی بے حد خوش تھے اور اب ہر ہفتے بھابی کو فون کرتے تھے۔ ادھر امامہ نے خرم کے انکار کے بعد دین لگوالی تھی اور نسرین کے گھر جانا بھی چھوڑ دیا تھا۔ یوں بھی کالج کی پڑھائی کی وجہ سے خرم کا خیال تک اس کے ذہن سے نکل چکا تھا۔ یہ کالج میں اس کا آخری سال تھا گو کہ اس کا آگے پڑھنے کا پروگرام نہیں تھا کہ بی اے کے بعد اماں کا پروگرام فوراً اس کی شادی کا تھا مگر وہ چاہتی تھی بی اے میں اس کے مارکس ایف اے سے زیادہ آئیں۔

اس دن چھٹی تھی اور اگلے روز اس کا انگلش کا ٹیسٹ تھا۔ وہ کاپی اور کتابیں اٹھائے چھت پر چلی آئی کہ اماں کبھی کسی کام کے لئے آواز دے لیتی اور کبھی ڈانتیں۔

''یہ چیز یہاں سے اٹھا کر وہاں رکھو۔ تمہیں اپنے آپ کچھ نظر نہیں آتا اور فضول میں کاغذ ادھر ادھر مت پھینکو۔ آج کام والی لڑکی کو نہیں آنا۔'' اماں کی اس نوک ٹوک سے تنگ آ کر وہ چھت پر چلی جاتی تا کہ سکون سے ٹیسٹ کی تیاری کر سکے چونکہ دین والے مسئلے کے بعد خرم سے سامنا نہیں ہوا تھا اس لئے وہ بیٹھ کر سکون سے پڑھنے لگی۔ پتا نہیں کتنا وقت گزرا تھا کہ کاغذ کی ایک گولی سیدھی امامہ کی ناک پر گئی۔ اماں نے چونک کر سر اٹھایا۔ آس پاس کسی چھت پر کوئی نہیں تھا۔ اس نے بطور خاص نسرین لوگوں کی چھت کی جانب دیکھا مگر وہ بھی سونی تھی۔ امامہ نے کاغذ کھولا تو لکھا تھا۔

''اب اتنا بھی پڑھ پڑھ کر پاگل ہونے کی ضرورت نہیں۔ بیوی تمہیں کسی منسٹر کی نہیں ایک معمولی موٹر میکینک کی ہی بننا ہے۔ یعنی میری۔ اب کتاب بند کر کے تھوڑا سا آرام کر لو ورنہ دماغ میں خشکی ہو جائے گی اور مجھے تشویش رہے گی اب صرف تمہارا خرم۔''

امامہ نے پڑھ کر پھر نسرین لوگوں کی چھت کی جانب دیکھا اب کہ خرم نا صرف وہاں موجود تھا۔ بلکہ ہنس رہا تھا۔ سر اپنے سینے کی جانب جھکا کر گویا اعتراف کیا کہ یہ کارنامہ

اسی کا ہے اور امامہ نے اس کو تپانے کو کاغذ کے پرزے پرزے کر کے ان پر تھوکا پھر پھینک کر کتاب اٹھا کر پڑھنے لگی اور ساتھ ساتھ یہ سوچنے لگی کہ اس عذاب سے جان کب اور کیسے چھوٹے گی۔ دوسرے دن وہ ٹیسٹ کی وجہ سے کالج سے ذرا جلدی آئی تھی۔ اماں نے کچنار گوشت پکایا تھا جو امامہ کا فیورٹ تھا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے خوش بو سے سمجھ لیا تھا آج کیا پکا ہے۔ اس لئے فائل اور بیگ روم میں چھوڑ کر یونیفام تبدیل کئے بغیر سیدھی کچن میں آئی۔ اماں روٹیاں پکا رہی تھیں۔ اماں نے پلیٹ نکال کر اس کے سامنے رکھ دی۔

''خود ہی سالن ڈال لو۔'' اماں نے کہا مگر اس نے چنگیر میں روٹی رکھتے ہوئے کہا۔

''آپ خود ڈال دیں۔'' اماں نے توے سے روٹی اتار کر پہلے اس کو سالن ڈال کر دیا اور امامہ یہ سب لئے باہر آئی اور تخت پوش پر بیٹھ کر مزے سے کھانے لگی۔ اماں جانتی تھی یہ اس کی پسند کا سالن ہے اس لئے چپ چاپ سالن ڈال دیا ورنہ سب سے پہلے وہ شوہر کے کھانے کا ٹفن تیار کرتی پھر کسی اور کو کھانا دیتی تھیں اور اب تو خرم بھی آنے والا تھا۔ اکثر خرم امامہ کے آنے سے پہلے ہی کھانا لے جاتا تھا۔ باقی رہی کرن تو وہ صبح جاتی امامہ سے پہلے، آتی آخر میں تھی کہ سکول کی پڑھائی کے بعد وہیں سکول کے قریب اس کو ٹیوشن لینا ہوتی تھی۔ یوں بھی اس کو کسی کو پریشان کرنے کی عادت نہیں تھی نا صرف کھانا خود نکال کر کھاتی بلکہ اپنے برتن بھی صاف کر کے رکھ دیتی جبکہ امامہ آتے ہی کھانا کھا کر سو جاتی اور کھانا بھی امی بھابی نکال کر دیتیں۔

اچانک دروازے پر دستک ہوئی اور اماں نے شفقت سے کہا۔

''آ جاؤ خرم بیٹا! کتنی بار کہا ہے دستک دینے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا اپنا گھر ہے سیدھے اندر آ جایا کرو۔'' اور خرم اندر چلا آیا۔ خرم کا نام سن کر ہی امامہ کا سارا مزا خراب ہو گیا۔ اس نے سامنے دیکھا وہ صحن کے داخلی دروازے پر کھڑا تھا۔ امامہ کو اپنی طرف دیکھتے پایا تو مسکرایا پھر اماں کو کچن سے نکلتے دیکھ کر نگاہیں جھکا کر مؤدبانہ کھڑا ہو گیا۔ اماں نے ٹفن اس کو تھمایا تو وہ سلام کر کے فوراً باہر چلا گیا تو امامہ نے شکن آلود پیشانی کے ساتھ اماں سے کہا۔

''اماں۔ اس بدمعاش لڑکے کو اندر بلانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''توبہ کرو امامہ! کیسی باتیں کرتی ہو؟ وہ تو بے حد شریف لڑکا ہے۔ مجال ہے جو نظر

اٹھا کر ادھر ادھر دیکھے۔ تمہارے ابا اس کی اتنی تعریف کرتے ہیں۔ تمہیں آخر دشمنی کیا ہے خرم سے کچھ پتہ تو چلے؟''

اماں نے پوچھا اور امامہ جواب دیئے بغیر منہ بنائے اٹھ کر اندر اپنے روم میں چلی گئی۔ کھانا وہ ختم کر چکی تھی۔ اماں نے اس کے خالی برتن اٹھائے اور بڑبڑاتے ہوئے کچن میں واپس چلی گئی۔ امامہ سے مزید کچھ کہنا فضول ہی تھا اس پر کون سا کسی بات کا اثر ہوتا تھا۔

نسرین کا رشتہ طے ہو گیا تھا بلکہ ساتھ ہی نسرین کے سسرال والوں نے منگنی کا دن بھی طے کر لیا تھا۔ منگنی کا دن طے ہونے کے بعد نسرین نے کئی بار امامہ کو بلا بھیجا مگر خرم کی وجہ سے امامہ نے ان کے گھر جانا بالکل ہی چھوڑ دیا تھا۔ اس لئے نسرین کے بلانے پر بھی نہ گئی۔ تنگ آ کر منگنی سے دو دن پہلے نسرین خود امامہ کے پاس آئی تب وہ اماں بھابی کے ساتھ صحن میں بچھے تخت پوش پر بیٹھی انار کے دانے نکال رہی تھی۔ کرن قریب ہی چیئر پر کتاب ہاتھ میں لئے بیٹھی تھی۔ نسرین نے اماں بھابی سے سلام کرنے کے بعد امامہ سے کہا۔

''ارے کتنی بار بلا بھیجا ہے میں نے تمہیں مگر مجال ہے جو تم نے آنے کی زحمت کی ہو۔ کیا میری منگنی کی خوشی نہیں ہوئی؟'' اس نے جان بوجھ کر امامہ کو تپانے کی کوشش کی۔ اماں اور بھابی اس کی بات سن کر مسکرائی اور امامہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''تم میرے کمرے میں چل کر بیٹھو میں ذرا بھابی کو انار کا جوس نکال دوں پھر بتاتی ہوں خوشی ہوئی ہے یا غم۔'' اور وہ کچن میں چلی گئی تھوڑی دیر بعد ہی وہ جوس کا گلاس لئے آئی اور بڑی محبت سے بھابی کو گلاس تھما کر نسرین سے بولی۔

''اب آؤ میرے ساتھ۔'' اور نسرین کا ہاتھ تھام کر اپنے روم میں لائی پھر دھکا دے کر چارپائی پر گراتے ہوئے غرائی۔

''کیا بکواس کر رہی تھی باہر سب کے سامنے کہ مجھے تمہاری منگنی کی خوشی نہیں ہوئی۔ اب ذرا پھر تو یہ بکواس کر کے دکھاؤ مجھے۔'' نسرین اس کی بات سن کر ہنسنے لگی پھر اٹھتے ہوئے بولی۔

''کئی بار پیغام بھیجا تھا آئی کیوں نہیں؟''

''تمہارے اس بدمعاش ماموں کی وجہ سے اور تمہارے پاؤں پر مہندی تو نہیں لگ گئی تھی جو تم خود نہ آئی یا منگنی ہونے کی وجہ سے خود کو کوئی اونچی چیز سمجھنے لگی ہو۔'' امامہ نے اس

کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

''تمہارا سر سمجھنے لگی ہوں۔ امی کے ساتھ منگنی کی شاپنگ میں مصروف رہی اور کل مجھے فیشل کے لئے پارلر جانا ہے اور تمہارا ساتھ ہونا بے حد ضروری ہے۔ جانتی ہو پرسوں تو رسم ہے اب صرف کل ہی کا دن باقی ہے اور یہ تمہاری سزا ہے کہ کل تم کالج نہیں جاؤں گی بلکہ میرے ساتھ پارلر چلو گی تین چار گھنٹے تو لازمی وہاں لگیں گے اور تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ تمہارے علاوہ میری کوئی سہیلی نہیں اور نہ ہی کوئی چھوٹی یا بڑی بہن ہے جس کو ساتھ لے جاؤں بس ایک تم ہو اور تمہارے نخرے بھی آسمانوں سے باتیں کرتے ہیں۔'' نسرین نے شکوہ کیا۔

''اچھا یار بکواس بند کر چلی جاؤں گی میں تمہارے ساتھ مگر کالج سے آنے کے بعد۔ اب ذرا تم اپنے منگیتر کا بتاؤ کیسا ہے اور کیا کرتا ہے؟'' امامہ نے پوچھا تو نسرین نے پرس میں ہاتھ ڈال کر تصویر نکال کر اس کو دی اور کہا۔

''خود ہی دیکھ لو کیسا ہے؟ باقی رہا کیا کرتا ہے تو اس کی اپنی دکان ہے۔'' امامہ نے تصویر دیکھی اور کتنی دیر دیکھتی ہی رہی۔ یہ ایک ستائیس برس کا گندمی رنگت والا خوبصورت نوجوان تھا۔

''دیکھنے میں تو خوبصورت ہے۔'' امامہ نے تعریف کی پھر پوچھا۔

''کتنے بھائی ہیں؟''

''تین بہنیں اور دو بھائی اور میرے والا سب سے بڑا ہے۔ ماں باپ دونوں زندہ ہیں اور بے حد اچھے لوگ ہیں۔ جانتی ہو کہتے ہیں وقاص پانچ وقت کا نمازی ہے۔ چھٹی والے دن مسجد میں پانچ وقت کی اذان دیتا ہے۔'' نسرین فخر سے بتا رہی تھی۔

''اور تم نے شاید کبھی صبح کی نماز نہیں پڑھی۔'' امامہ نے چھیڑا۔

''میں نہیں پڑھتی تو تم کون سی پڑھتی ہو۔'' نسرین نے برا مان کر کہا۔

''جب کالج جاتی ہوں تو لازمی پڑھتی ہوں۔ خیر چھوڑو یہ بتاؤ منگنی میں کھانا کیا دے رہے ہو اور ادھر سے کتنے لوگ آ جا رہے ہیں اور کیا کیا لا رہے ہیں؟'' امامہ نے پوچھا۔

''وہ صرف گھر کے لوگ ہی آ رہے ہیں۔ سادگی سے رسم ہو گی اور کیا کیا لا رہے ہیں یہ تو ان کے لانے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔ ارے ہاں لڑکے کی نانی بھی ساتھ ہو گی۔ امی

نے سب کو سوٹ دینے کا فیصلہ کیا ہے اور کھانا گھر پر ہی دو چار ڈشز بنا لیں گے۔ تم بھی آنا میرا اور بھابی کا ہاتھ بٹانے کو۔ وہ لوگ تو رسم کے لئے رات کو آئیں گے اور تمہارا اس وقت میرے پاس ہونا بے حد ضروری ہے۔"

"یار! تمہارے بدمعاش ماموں کی وجہ سے مجھے منگنی کی رسم میں نہیں آنا۔ ہاں کل تمہارے ساتھ ضرور چلوں گی۔" اماں نے صاف انکار کیا تو نسرین بولی۔

امامہ! منگنی والے دن تو سب ہی لوگ گھر پر موجود ہوں گے۔ ماموں تمہیں کچھ بھی نہیں کہیں گے۔ دیکھو یہ میری زندگی کی اہم خوشی ہے پلیز ماموں کو بھول جاؤ۔ دیکھو تم ہی تو میری اکلوتی سہیلی ہو۔"

"اچھا ٹھیک ہے آجاؤں گی۔ باقی اب تمہارے ماموں مجھے کچھ کہہ کر تو دیکھیں کس کر تھپڑ ماردوں گی اس کے منہ پر اور آنکھیں نکال لوں گی۔" امامہ نے غصے سے کہا۔

"او کے او کے۔ تم ماموں کے ساتھ جو بھی سلوک کرو یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے مگر آنا ضرور۔" نسرین نے اس کو آنے کی مزید تاکید کی پھر وہ کتنی دیر بیٹھی اپنے منگیتر کی باتیں کرتی رہی یہاں تک کہ شام دھرتی پر اتر آئی تھی جب وہ اپنے گھر گئی اور امامہ وہیں بیٹھی اس شخص کے بارے میں سوچنے لگی جس کے ساتھ اس کی اپنی شادی ہونا تھی۔ وہ نجانے کیسا ہوگا؟ اماں نے عابد بھائی کی شادی کے بعد رشتے کرانے والی سے اگرچہ امامہ کے رشتے کا کہہ دیا تھا مگر وہ ابھی تک کوئی رشتہ نہیں لائی تھی۔ امامہ یہی سب سوچتے سوچتے سوگئی۔ اگلے روز کالج سے واپسی پر کھانا کھا کے وعدے کے مطابق نسرین کے گھر آئی۔ نسرین بالکل تیار بیٹھی تھی۔ وہ اس کو ساتھ لے کر بیوٹی پارلر گئی تقریباً تین چار گھنٹے بعد فارغ ہو کر گھر آئیں تو خالہ میراں باہر دروازے پر کھڑی تھیں۔ امامہ ان کو سلام کر کے اپنے گھر کی جانب بڑھی تو انہوں نے کہا۔

"اب آئی ہو تو اندر آجاؤ اور منگنی میں دینے والے سوٹ تو دیکھتی جاؤ۔" امامہ نے خرم کا سوچتے ہوئے انکار کرنا چاہا تو نسرین نے آہستگی سے کہا۔

"آجاؤ یار! ماموں تو رات نو بجے آتے ہیں اور امامہ بادل نخواستہ اندر چلی آئی۔

خالہ میراں نے نا صرف سارے سوٹ دکھائے ساتھ ساتھ یہ بھی بتاتی رہیں یہ دو سوٹ ساس کے ہیں، دو ہی سسر کے۔ ایک ایک نندوں کا ایک ہی دیور کا۔ ہاں نانی بھی ساتھ آرہی ہیں اس کو بھی سوٹ دینا ہے۔ باقی لڑکے کے لئے پانچ سوٹ ہیں۔ ایک تولے کی انگوٹھی جوتا اور

جو دوسری ضروریات کی چیزیں ہوتی ہیں وہ آج تمہارے منیر بھائی لے آئیں گے۔ ارے ہاں ساتھ گیارہ کلو مٹھائی بھی کل لڑکے والوں کو دیں گے۔ سب کچھ ہی بہت اچھا تھا۔ امامہ نے تعریف کرنے کے بعد جانے کی اجازت چاہی تو نسرین نے کہا۔

"تم بیٹھو میں تمہیں مزے کی چائے بنا کر پلاتی ہوں۔"

"ابھی فیشل کرا کے آئی ہو آگ کے سامنے کھڑا ہونا اچھا نہیں۔ تم بیٹھو میں چائے بنا لاتی ہوں۔" خالہ میراں نے بیٹی سے کہا تو امامہ کو بے حد شرم آئی اور اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"خالہ! آپ اور نسرین بیٹھیں۔ چائے آج میں آپ کو بنا کر پلاتی ہوں۔" اور کمرے سے نکل کر کچن میں چلی گئی۔ نسرین نے کہا۔

"آتے ہوئے کیک فریج میں رکھا ہے وہ بھی چائے کے ساتھ لے آنا۔" جواب میں امامہ نے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ چائے بنانے کے بعد اس نے کپوں میں ڈالی پھر تینوں کپ ٹرے میں رکھے۔ کیک وہ بھول چکی تھی۔ وہ آخری کپ پرچ میں رکھ رہی تھی جب محسوس ہوا جیسے کوئی پیچھے آیا ہے۔ امامہ سمجھی نسرین ہے اس لئے وہ ٹرے اٹھاتے ہوئے بولی۔

"میں بس آنے ہی لگی تھی۔" اور جیسے ہی مڑی پیچھے خرم کھڑا شرارت سے مسکرا رہا تھا۔ امامہ کا اس کو دیکھتے ہی موڈ آف ہو گیا اور اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"دیکھو چھونا نہیں۔ آج تم نے مجھے چھونے کی کوشش کی تو یاد رکھنا یہ ساری چائے تمہارے اوپر گرا دوں گی۔"

"اگر یہ ارادے ہیں تو چلو آزما کر دیکھتا ہوں۔"

خرم نے بجائے ڈرنے کے مسکرا کر کہا اور انگلی نرمی سے اس کے بالوں پر پھیری۔ دوسرے ہی لمحے امامہ نے چائے والی ٹرے اس کے پیروں پر الٹ دی۔ خرم کے ساتھ ساتھ امامہ کے اپنے پاؤں پر بھی گری کہ وہ بھی قریب ہی تو کھڑی تھی۔ ہاں البتہ خرم کے پاؤں پر زیادہ گری تھی بلکہ پاؤں کے ساتھ ساتھ کچھ کچھ ٹانگوں پر بھی گری تھی۔ خرم کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ ایسے کر گزرے گی مگر ایسا ہو چکا تھا۔ خرم نے ایک نظر جلے ہوئے پیروں پر اور ڈالی اور مسکرا دیا۔ ادھر امامہ کے پاؤں پر اگرچہ چائے کم گری اس کے باوجود تکلیف برداشت نہ ہوئی اور منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔ اس کی چیخ سن کر خالہ میراں اور نسرین

ایک ساتھ دوڑی آئیں۔

''کیا ہوا امامہ کو؟'' اور کچن میں امامہ کے ساتھ خرم کو دیکھ کر نسرین سمجھ گئی کہ یہ ماموں کی کوئی شرارت ہے جب کہ خالہ میراں کے پوچھنے پر امامہ تو چپ رہی ہاں شرارت خرم کی تھی تو بات بھی خرم نے ہی سنبھالی تھی وہ بولا۔

''میں پانی پینے کچن میں داخل ہوا تو یہ چائے والی ٹرے اٹھا کر مڑیں تو مجھ سے ٹکرا گئیں۔ یوں چائے گر گئی ان پر کم کم مجھ پر زیادہ۔ آئی ایم سوری۔'' خرم نے امامہ سے کہا۔

''نسرین! تم امامہ کو اندر کمرے میں لے جاؤ۔ میں ابھی جیدی کے سٹور سے برنال لے کر آتی ہوں۔'' خالہ میراں نے کہا اور باہر چلی گئی۔ نسرین امامہ کو لے کر اندر روم میں آئی تو پیچھے پیچھے خرم بھی چلا آیا اور نسرین سے کہا۔

''تم ذرا باہر جاؤ مجھے امامہ سے ضروری بات کرنی ہے۔''

''ماموں آپ دیکھ رہے ہیں اس کے پاؤں جل گئے ہیں۔ آپ باہر جائیں قبل اس کے امی برنال لے کر آ جائیں۔'' نسرین نے کچھ برا مان کر کہا۔

''سہیلی کا خیال ہے ماموں کا نہیں۔ جب کہ میرے پیر امامہ سے زیادہ جلے ہیں اور کچھ کچھ ٹانگیں بھی اور سنو چائے تمہاری سہیلی نے جان بوجھ کر مجھ پر گرائی تھی پاس چونکہ خود بھی کھڑی تھی اس لئے یہ بھی جل گئی۔'' خرم نے بات ختم کر کے اس کو دیکھا۔ وہ جلن کی وجہ سے بچوں کی طرح رو رہی تھی۔ سچی بات تو یہ ہے امامہ کو روتے دیکھ کر وہ اپنی تکلیف بھول گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایسا کیا کرے کہ امامہ کی یہ جلن اور تکلیف یا تو فوری طور پر ختم ہو جائے یا اس کے اپنے وجود کا حصہ بن جائے یا نسرین ہی ادھر ادھر ہو جائے تو وہ اس کے پاس جا کر بہلائے۔

''امامہ! تم نے جان بوجھ کر ماموں پر چائے گرائی تھی؟'' نسرین نے تاسف سے اس کو دیکھا۔ امامہ چپ رہی اور نسرین نے خرم سے پوچھا۔

''آپ تو رات نو بجے آتے ہیں آج جلدی کیسے آ گئے؟''

''امامہ سے بات کرنے کے لئے صبح خالہ نے کہا تھا خرم گاڑی لے کر آنا سہ پہر میں امامہ اور نسرین نے بیوٹی پارلر جانا ہے تو تم نے فوراً مجھے منع کر دیا کہ گاڑی کی ضرورت نہیں تم لوگ رکشے میں چلی جاؤ گی۔ میں نے سوچا ہو سکتا ہے آج امامہ سے بات کرنے کا موقع مل

جائے اب تم باہر جاؤ چلو شاباش جلدی کرو مجھے امامہ سے ضروری بات کرنی ہے۔'' خرم نے کہا تو نسرین بولی۔

''میں اس حالت میں امامہ کو اکیلی نہیں چھوڑ سکتی اور پھر امی بھی آ سکتی ہیں۔ آپ یہیں میرے سامنے بات کریں۔ اگر بہت ضروری بات ہے ورنہ اس کی حالت تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔''

''امامہ! میں نے تم سے جو کہا تھا مجھے اس کا جواب چاہئے۔'' خرم نے مزید وقت ضائع کرنے کی بجائے پوچھ ہی لیا۔

''میں نے کھل کر پوری وضاحت سے بتا دیا تھا۔'' امامہ نے چیخ کر کہا۔

''میں نے ایک بار پھر سوچنے کا کہا تھا۔'' خرم نے نرمی سے کہا۔

''میں سو بار بھی سوچوں گی تو میرا جواب یہی ہو گا۔ بہتر ہے کہ تم میرا پیچھا چھوڑ دو۔ مجھے تم سے نفرت ہے شدید نفرت۔'' وہ روتے روتے بولی۔

''تمہارا پیچھا تو میں اب مرنے کے بعد بھی چھوڑنے والا نہیں۔ دیکھو آخری موقع دے رہا ہوں۔ ایک بار پھر سوچو اور مجھے جواب دو گر زیادہ وقت ضائع نہیں کرنا۔'' خالہ میراں کو آتا دیکھ کر وہ کمرے سے باہر نکلا تو خالہ نے کہا۔

''تمہارے پاؤں زیادہ جلے ہیں لاؤ تمہیں بھی برنال لگا دوں۔''

''آپ پہلے ان کو لگائیں مجھے رہنے دیں۔'' کہتے ہوئے وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گیا۔ اماں بستر پر لیٹی تھیں۔ خرم کو اس وقت دیکھ کر حیران ہوئیں اور خرم نے بتایا۔

''کام نہیں تھا اس لئے جلدی آ گیا ہوں۔'' پھر دوسری چارپائی پر خود بھی لیٹ گیا اور امامہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس کا باپ میکینک ہے، بھائی میکینک ہے اور اس کے خیالات آسمان کو چھو رہے ہیں۔ کیا کمی ہے اس میں؟ جوان ہے، خوبصورت ہے، میٹرک تک تعلیم بھی حاصل کی تھی عزت کی روٹی کما رہا ہے مگر وہ ایک ہی ضد پکڑے ہوئے تھی۔

''تم مجھے نہیں جانتی امامہ کہ میں کتنا ضدی ہوں اور اب تمہاری یہ ضد توڑ کر ہی چھوڑوں گا۔'' اس نے سوچا پھر اماں کی آواز سن کر چونکا۔ اماں اس کے قریب کھڑی پوچھ رہی تھی۔

''چائے بنا کر لاؤں تمہارے لئے؟''

"بنا لائیں۔" خرم کو چائے کی طلب ہو رہی تھی۔ اماں کے باہر جاتے ہی نسرین برنال لئے کمرے میں داخل ہوئی۔ خرم نے اس کو دیکھا پھر پوچھا۔

"امامہ! چلی گئی۔"

"جی وہ چلی گئی۔ لائیں اب آپ کے پاؤں پر بھی برنال لگا دوں۔" نسرین نے پاؤں کی جانب بڑھتے ہوئے کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں۔ اس نے پاؤں جلائے ہیں تو اس جلن کو برداشت کروں گا۔" خرم نے پاؤں سکیڑ کر کہا۔

"بچے نہ بنیں۔ برنال لگانے دیں مجھے۔ آپ سے میں نے کہا بھی ہے وہ کہتی ہے اب مجھے چھونے کی کوشش کی تو کس کر تھپڑ ماروں گی۔ آپ پھر بھی باز نہیں آئے۔ آپ نے ضرور کچھ کیا ہوگا جو اس نے چائے گرائی ورنہ اس کا دماغ خراب نہیں تھا کہ وہ یوں ہی بغیر کسی وجہ کے آپ کو جلاتی اور ساتھ خود بھی جل جاتی۔" نسرین کو امامہ سے محبت تھی اور ماموں سے بھی۔ خرم اگرچہ اس سے چار سال بڑا تھا مگر وہ اس کو نہ صرف ماموں کہتی تھی بلکہ سگا ماموں سمجھتی بھی تھی۔ اس کی باتیں سن کر خرم نے کہا۔

"میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا تھا۔" خرم صاف مکر گیا۔

"مجھے دیکھتے ہی اس نے کہا میرے قریب ہوئے تو اچھا نہیں ہوگا۔ میں نے کہا اگر یہ بات ہے تو چلو ہو کر دیکھتا ہوں۔" اور اس سنگ دل لڑکی نے میرے ساتھ ساتھ اپنے پاؤں بھی جلا لئے بے وقوف۔"

"چلیں جو ہو گیا سو ہو گیا۔ اب مجھے برنال لگانے دیں۔" نسرین کی ضد دیکھ خرم نے کہا۔

"لاؤ مجھے دے جاؤ۔ سونے سے پہلے لگا لوں گا۔" نسرین برنال دے کر چلی گئی تو اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"یہ جلن تو اس کی طرف سے محبت کا پہلا تحفہ ہے میں برنال لگا کر اس جلن کو ختم نہیں کروں گا جب تک یہ خود ہی نہ ختم ہو جائے۔ جلن اور زخم ہی سہی محبت میں کچھ عطا تو ہوا۔ کچھ دیا تو سہی اس ضدی لڑکی نے۔" اتنے میں ماں چائے لے کر آ گئی۔ اس نے چائے کا مگ تھام لیا اور چائے پیتے ہوئے بھی وہ امامہ کے بارے میں سوچتا رہا۔

☆......☆......☆

منگنی کی رسم تو طے شدہ پروگرام کے مطابق اگلے روز ہو گئی مگر امامہ اس میں شامل نہیں ہوئی تھی بلکہ پاؤں کی تکلیف کی وجہ سے ایک ہفتہ کالج بھی نہ جا سکی تھی۔ کبھی کبھی سوچتی مجھے اتنی تکلیف ہے اس کو کتنی ہوئی ہو گی جس کے سارے پاؤں جلا ڈالے پھر سر جھٹک کر سوچتی وہ اس سزا کا مستحق ہے مجھے چھونے کے علاوہ جیسے دنیا میں کوئی کام نہیں رہ گیا۔ پھر بھی ایسا ڈھیٹ انسان ہے مانتا ہی نہیں۔ اب مزا آیا ہو گا مجھے چھونے کا۔ آئندہ دور رہ کر ہی بات کرے گا۔

منگنی کو دو ہفتے ہو چکے تھے جب وہ نسرین کو مبارک باد کہنے آئی کہ منگنی کی رسم میں شامل نہ ہونے پر وہ امامہ سے سخت خفا تھی۔ وہ آئی تو شبانہ بھابی کچن میں کھانا بنا رہی تھی جبکہ خالہ میراں پوتا گود میں لئے بیٹھی تھیں۔ قریب ہی منیر بھائی اور نسرین کے والد بیٹھے باتوں میں مصروف تھے۔ امامہ نے سب کو سلام کیا تو منیر بھائی نے پوچھا۔

"اب تمہارے پاؤں کیسے ہیں؟ امی بتا رہی تھیں چائے گرنے سے جل گئے تھے اس لئے تم منگنی میں شامل نہیں ہوئیں۔ میں بھی حیران تھا نسرین کی ایک ہی سہیلی اور وہ بھی اس کی خوشی میں شامل نہ ہو یہ ہو ہی نہیں سکتا۔"

"اب ٹھیک ہوں بھائی۔" پھر خالہ میراں سے نسرین کا پوچھا۔

"اپنے کمرے میں ہو گی اور کہاں جانا ہے اسے۔" خالہ نے کہا اور وہ سیدھی نسرین کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ اپنی چارپائی پر بیٹھی منگنی کی تصویروں والا البم دیکھ رہی تھی۔ امامہ کو دیکھتے ہی البم بند کر کے تکیے کے نیچے رکھتے ہوئے ناراضی سے بولی۔

"اب بھی آنے کیا کیا ضرورت تھی۔ دو قدم پر گھر تھا پاؤں اب اتنے زیادہ بھی نہیں جلے تھے کہ تم نہ آ سکتیں۔ یہ کہو کہ نہ آنے کے لئے تمہیں معقول بہانہ مل گیا۔"

"تمہارے پاؤں جلتے تو معلوم ہوتا۔ جوتے تو پہنے نہیں جا رہے تھے پھر آتی کیسے۔ لاؤ منگنی کی تصویریں مجھے بھی دکھاؤ۔" امامہ نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا تو نسرین تنک کر بولی۔

"ماموں کے پاؤں تو تم سے زیادہ جلے تھے اس کے باوجود وہ بھائیوں کے ساتھ مل کر سارا کام کرتے رہے اور امامہ! تم نے کتنی بے رحمی سے ماموں کے پاؤں جلائے ہیں اور

انہوں نے شاید برنال بھی نہیں لگائی۔ تمہاری محبت کی نشانی سمجھ کر پتہ نہیں کیسے چلتے پھرتے تھے۔''

''میں نے اس کو وارننگ دی تھی کہ آج مجھے چھونے کی کوشش کی تو یہ ساری چائے تم پر گرادوں گی مگر وہ پھر بھی باز نہ آیا۔ وہ قریب آیا تو میں نے بھی چائے گرادی۔ یہ تو کچھ بھی نہیں اب اگر اس نے مجھے چھونے کی کوشش کی تو اپنے لمبے لمبے ناخنوں سے نہ صرف اس کے چہرے پر خراشیں ڈال دوں گی بلکہ اندھا بھی کردوں گی اور سنو! تم نے اگر ماموں' ماموں ہی کرنا ہے تو میں اٹھ کر چلی جاتی ہوں۔'' امامہ نے دھمکی دی تو نسرین جلدی سے بولی۔

''ارے نہیں، نہیں۔ اب اگر آئی ہو تو بیٹھو۔'' اور امامہ نے کہا۔

''بیٹھ تو چکی ہوں اور جانتی ہو چھٹی والے دن میں اس لئے آئی ہوں کہ سب بھائی اور خالو بھی گھر پر ہوں گے ان سب کی موجودگی میں وہ بدمعاش مجھ سے بات کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ چھونا تو دور کی بات ہے اب لاؤ فنکشن کی تصویریں مجھے بھی دکھاؤ اور تمہارے سسرال والے تمہارے لئے کیا کیا لائے ہیں؟ یہ بھی بتاؤ اور ساری چیزیں مجھے دکھاؤ۔'' نسرین اس کی بات سن کر اٹھی اور سسرال کی طرف سے آنے والا بیگ اٹھا لائی اور پھر زپ کھول کر ایک ایک چیز دکھاتے ہوئے بولی۔

''صرف ایک ہی سوٹ اور انگوٹھی لائے ہیں اور ساتھ ضروریات کی دوسری چیزیں اور میک اپ کٹ۔'' سب کچھ دیکھنے کے بعد امامہ تعریف کرتے ہوئے رازداری سے بولی۔

''جانتی ہو عابد بھائی کی شادی کے بعد اماں نے رشتہ کروانے والی سے کہہ دیا تھا جب کوئی اچھا رشتہ ملے تو امامہ کے لئے بھی لے آنا۔ اب کل کچھ لوگ مجھے دیکھنے آ رہے ہیں۔ لڑکا ان کا امریکہ میں ڈاکٹر ہے۔ چار بھائی دو بہنیں ہیں۔ تمہارے والا سب سے بڑا ہے تو وہ گھر میں سب سے چھوٹا ہے۔ باقی سب بہن بھائیوں کی شادیاں ہو چکی ہیں بس اب یہی ایک رہتا ہے۔ یہ دیکھو میں تمہیں دکھانے کو تصویر لائی ہوں کتنا خوبصورت ہے۔'' امامہ نے تصویر اس کو دی۔

نسرین نے تصویر دیکھی اچھی تھی۔ اندر ہی اندر ماموں کا سوچ کر دل کو کچھ ہوا اچھی طرح جانتی تھی ماموں دل کی گہرائیوں سے امامہ کو چاہتے ہیں۔ اس لئے دبے دبے لہجے میں کہا۔

''امامہ! ماموں میں کیا کمی ہے اور وہ تم سے محبت بھی کرتے ہیں۔''

''ارے وہ بدمعاش دو ٹکے کا معمولی موٹر مکینک، تعلیم میٹرک، گھر کرائے کا اور یہ امریکہ میں ڈاکٹر اقبال ٹاؤن میں کوٹھی ہے ان کی اپنی اور وہ بھی ایک کنال کی۔ اس کی ساری فیملی پڑھی لکھی ہے۔ بے حد امیر لوگ اور یہ فقیر لوگ۔ دوبارہ کبھی اس بدمعاش کے حوالے سے بات نہیں کرنا۔'' خرم کے ذکر سے امامہ کا موڈ آف ہو گیا تھا اور وہ بولی۔

''اب میں جاتی ہوں۔''

''ارے اب آئی ہو تو چائے تو پی لو۔'' نسرین نے روکنا چاہا مگر وہ اٹھ گئی۔ تاہم وہ ابھی دروازے کے قریب ہی پہنچی تھی کہ شبانہ بھابی کھانے کی ٹرے لئے اندر داخل ہوئیں۔ امامہ نے دیکھا تو کہا۔

''بھابی۔ میں تو گھر جا رہی ہوں۔''

''ارے اب آئی ہو تو بیٹھو۔ میں نے بریانی بنائی ہے ذرا کھا کر بتاؤ تو سہی کیسی بنی ہے۔'' بھابی نے کہا تو امامہ واپس نسرین کے پاس آ بیٹھی۔ پھر کھانا تو کیا چائے بھی وہیں پی تھی جو نسرین خود اس کے لئے بنا کر لائی تھی۔ پھر اجازت لے کر باہر آئی دروازے سے نکلنے سے پہلے اس نے یوں ہی اوپر دیکھا۔ خرم کھڑا نیچے دیکھ رہا تھا۔ امامہ سے نظر ملتے ہی مسکرا دیا اور امامہ نے تپ کر سوچا اس نے اوپر دیکھا ہی کیوں؟ گھر آ کر وہ سیدھی اپنے کمرے میں آئی اور کرسی پر بیٹھ کر تصویر دیکھنے لگی۔

یہ ایک ستائیس اٹھائیس برس کا خوبصورت نوجوان تھا جس کے ہونٹوں پر ہلکی مسکراہٹ میں بھی جو شرارت نمایاں تھی وہ یہ بتانے کو کافی تھی کہ وہ ایک بے حد شوخ و شریر نوجوان ہے۔ بلیک جینز شرٹ پر اس نے بلیک ہی جیکٹ پہن رکھی تھی اور اس لباس اور رنگ میں وہ بے حد اچھا لگ رہا تھا۔ چہرے سے ہی پتا چل رہا تھا کہ کسی بہت پڑھے لکھے اور بڑے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ امامہ نے سوچا نسرین نے کہا تھا انسان کو حقیقت پسند ہونا چاہئے۔ یہ بھی حقیقت ہے جو کل بن جائے گی مجھ میں ایسی کوئی کمی نہیں کہ وہ لوگ مجھے ریجیکٹ کر دیں۔ اس نے تکبر سے سوچا۔ انہیں خوش کن خیالات میں گم وہ سوئی تھی۔ صبح اس نے کالج جاتے ہی سب کو بتا دیا تھا کہ آج کچھ لوگ اسے دیکھنے آ رہے ہیں۔ سب نے ہی اس کے لئے نیک خواہشات کا اظہار کیا اور ساتھ ساتھ مشورہ بھی دیا کہ ان کے سامنے جانے سے پہلے

پارلر سے فیشل ضرور کروا لینا اور امامہ ان کا مشورہ مان کر سیدھی پارلر چلی گئی۔ فیشل کے بعد گھر آئی تو فوزیہ بھابی نے مسکرا کر کہا۔

''ارے میری نند اتنی خوبصورت ہے کہ فیشل نہ بھی کرواتی پھر بھی وہ لوگ پسند کر لیتے۔''

''ہاں آپ کو جیسے ان لوگوں نے بتا دیا ہے۔'' امامہ شرما کر بولی۔

''شام کو خود ہی دیکھ لینا۔ انہوں نے اٹھنے سے پہلے ہی کہہ دینا ہے کہ ہماری طرف سے بات پکی سمجھیں۔'' امامہ، بھابی کی بات پر شرماتی ہوئی اپنے روم میں آئی پھر دیوار گیر آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر خود پر ایک تنقیدی نظر ڈالی اور مسکرا دی۔

شام کے وقت وہ لوگ آ ہی گئے۔ امامہ نے بھابی کے ساتھ چائے کی ٹرالی دھکیلتی ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر سب کو سلام کرنے کے بعد چائے اور کیک پیش کیا اور پھر ان کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ وہ تعداد میں کل چار تھے۔ لڑکے کی ماں، بڑی بھابی، بڑی بہن اور بڑا بھائی۔ ان سب کو امامہ بے حد پسند آئی تھی۔ لڑکے کی بہن نے صاف صاف کہہ دیا۔

''چھ ماہ ہو گئے بھائی کے لئے لڑکی تلاش کرتے ہوئے۔ بہت ساری لڑکیاں دیکھیں مگر سب چھوٹے قد کی تھیں جب کہ ہمارا بیٹا دراز قد ہے۔ شکر ہے خدا کا ہماری تلاش ختم ہوئی۔ ہمیں سرو قد لڑکی مل گئی۔ اپنے بیٹے کے لئے ہماری طرف سے بات پکی سمجھیں۔ آپ کو لڑکے کے بارے میں جو کچھ بھی معلوم کرنا ہے جہاں سے بھی پتہ کرنا ہے کر لیں تا کہ منگنی کی رسم ادا کی جا سکے۔'' اس نے بات ختم کر کے امامہ کو محبت سے دیکھا۔

''آپ لڑکے کا ایڈریس موبائل نمبر اور ای میل وغیرہ دے جائیں ہم پتہ کرنے کے بعد آپ کو فون کر دیں گے۔'' فوزیہ بھابی نے کہا تو اماں خاموش رہیں اور وہ لوگ یہ سب دے کر چلے گئے تھے۔ فوزیہ کی بات سن کر لڑکے کے بڑے بھائی نے یہ سب لکھ کر فوزیہ کے حوالے کیا اور جلدی کرنے کی تاکید کر کے چلے گئے کہ دو ماہ بعد لڑکا شادی کرنے پاکستان آ رہا تھا۔ ان کے جاتے ہی فوزیہ بھابی نے کہا۔

''کیوں امامہ۔ میں نہ کہتی تھی میری نند ہے ہی اتنی پیاری کہ پہلی نظر میں ہی پسند کر لی جائے گی۔'' اور امامہ شرما کر رہ گئی۔ اماں بھی بے حد خوش تھیں۔ رات ابا کو بتایا تو وہ بولے صبح تم مجھے لڑکے کا ایڈریس ای میل وغیرہ یاد سے دے دینا میں جلد ہی سارا پتا کر لوں گا۔ اور

پتہ کرنے پر سب نے یہی کہا۔

نہ صرف لڑکا بلکہ پورا خاندان ہی اچھا ہے۔ آپ فوراً ہاں کر دیں یوں ادھر سے ہاں ہوتے ہی منگنی کا دن طے ہو گیا۔ امامہ یہ رشتہ طے ہونے پر بے حد خوش تھی۔ اپنی پسند کا میوزک سنتے اور منگیتر کی تصویر دیکھتے ہوئے امامہ بھول چکی تھی کہ سہ پہر کی چائے کا ٹائم ہو چکا ہے۔ وہ تو اماں نے کرن کو بھیجا۔

''آپی! آج چائے نہیں بنانی اماں پوچھ رہی ہیں؟'' کرن نے اچانک کمرے میں داخل ہو کر پوچھا پھر اس کے ہاتھ میں تصویر دیکھ کر بولی۔

''آپی! آپ بہت خوش قسمت ہیں۔ بھائی جان کتنے خوبصورت ہیں۔'' امامہ اس کی بات سن کر مسکرا دی پھر کچن میں آئی۔ بھابی کے لئے جوس نکالنا تھا اور باقی سب گھر والوں کے لئے چائے بلکہ ساتھ پکوڑے بھی بنانے تھے۔ ایک تو اس لئے کہ چھٹی والے دن سہ پہر کی چائے پر یہ اہتمام لازمی ہوتا تھا کہ اس دن ابا جی گھر پر ہوتے تھے دوسرے یہ کہ آج تو بڑی خالہ بھی آئی ہوئی تھیں۔ دوپہر کے کھانے کے بعد وہ پکوڑوں کا سامان بنا کر اپنے کمرے میں گئی تھی تا کہ پکوڑے تلنے تک بیسن تھوڑا خمیر پکڑ لے۔ اب امامہ نے جلدی سے ایک چولہے پر چائے کے لئے پانی رکھا اور دوسرے پر تیل والی کڑاہی چڑھا کر پکوڑے تلنے لگی تب ہی کرن کچن میں داخل ہوئی اور بڑے ادب سے پوچھا۔

''آپی۔ میری مدد کی ضرورت تو نہیں۔''

''نہیں۔'' امامہ نے کڑاہی سے پکوڑے نکالتے ہوئے اسے محبت سے دیکھ کر کہا تو کرن ایک پکوڑا اٹھا کر تھوڑا سا توڑ کر منہ میں رکھتے ہوئے بولی۔

''فنگر چپس بھی بنا رہی ہیں یا نہیں؟''

''بنا رہی ہوں مجھے معلوم ہے تم شوق سے کھاتی ہو۔ یہ دیکھو آلو کاٹ کر پانی میں ڈال رکھے ہیں۔'' امامہ نے ہنستے ہوئے آلو دکھائے تو کرن بھی ہنسنے لگی۔ پھر تین چار پکوڑے کھا کر وہ باہر چلی گئی اور امامہ پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

سب کچھ تیار کرنے کے بعد اس نے بڑے سلیقے سے تمام چیزیں ٹرالی میں رکھیں اور آخر میں برتن رکھنے کے بعد ٹرالی دھکیلتی بڑے کمرے میں آئی کہ اس وقت سارے وہیں بیٹھے تھے۔

امامہ نے سب سے پہلے بھابی کو جوس والا گلاس تھمایا پھر باقی سب کو چائے اور پکوڑے پیش کرنے لگی اور اماں کی باتیں بھی سننے لگی جو وہ بڑی خالہ سے کر رہی تھیں۔

''جب سے فوزیہ کا عابد سے رشتہ طے ہوا تب سے یہ گھر خوشیوں سے مہکنے لگا ہے۔ رشتہ طے ہونے کے باوجود عابد خوش نہیں تھا مگر میری بیماری کا سن کر اور سب کے مجبور کرنے پر وہ شادی کے لئے آ گیا اور اب شادی کے بعد وہ کتنا خوش ہے آپا! میں آپ کو کیا بتاؤں دس سال میرا بیٹا اس آوارہ لڑکی کے لئے خود بھی بے سکون رہا اور ہمیں بھی پریشان رکھا۔ محض فوزیہ کی وجہ سے میں نے اپنے بیٹے کی شکل دس سال بعد دیکھی اور شادی کے بعد اللہ نے فوزیہ کو امید سے کر دیا۔ یہ خوشی بھی کوئی چھوٹی خوشی نہیں۔''

اماں نے خاموش ہو کر چائے کے دو تین گھونٹ بھرے پھر کہا۔

''اب امامہ کا رشتہ ایک اونچے خاندان میں طے ہوا ہے۔ یہ سب فوزیہ کے پاؤں کی برکت سے ہوا ہے۔ ورنہ آج کل تو اچھا رشتہ تلاش کرتے کرتے سال دو سال لگ جاتے ہیں پریشانی الگ اور آنے جانے والوں کی کھلائی پلائی کا خرچہ الگ مگر امامہ کو پہلی بار ہی آنے والوں نے پسند کر لیا اس سے نہ صرف فالتو خرچوں کی بچت ہو گئی بلکہ پریشانی بھی ختم ہوئی۔ اے لو آپا آپ کو یہ بتانا بھول گئی ہوں۔ اگلے ماہ عابد پکا پکا پاکستان آ جائے گا۔'' انہوں نے پاس بیٹھی فوزیہ کی پیشانی چومی پھر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''ہر ماں یہی چاہتی ہے کہ اس کا بیٹا اس کی آنکھوں کے سامنے رہے۔ بیٹے ماؤں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتے ہیں مگر مجبوریاں رزق کی تلاش میں انسان کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہیں۔ شکر ہے خدا کا اب اٹھتے بیٹھتے بیٹے کو جی بھر کر دیکھا کروں گی۔'' اماں چپ ہوئیں تو امامہ نے خالہ سے کہا۔ ''آتے ہوئے نازش کو بھی ساتھ لے آتیں۔''

''اے لو۔ ابھی تو عابد کی شادی پر اتنے دن رہ کر گئی ہے۔ اب منگنی کے بعد تم خود آنا کتنے ماہ ہو گئے ہیں تمہیں ہمارے یہاں آئے ہوئے۔'' خالہ نے شفقت سے مسکرا کر کہا۔ امامہ جواب میں کچھ نہ بولی۔ سب نے چائے پی لی تو وہ برتن ٹرالی میں رکھے باہر چلی آئی پھر برتن دھوتے کچن کی صفائی کرتے ہی شام ہو گئی تھی۔ خالہ بھی جا چکی تھیں امامہ رات کا کھانا سب کو کھلا کر فارغ ہو کر اپنے روم میں آئی تھی۔

یہ منگنی سے دو دن پہلے کی بات ہے جب وہ کالج سے واپسی پر گھر میں داخل ہوئی تو

خرم گھر کے داخلی دروازے کے قریب ہی کھڑا گویا اسی کا منتظر تھا۔ اس کو اچھی طرح معلوم تھا امامہ کب کالج سے آتی ہے۔ اس کو دیکھ کر پہلے تو امامہ ڈر گئی پھر یہ سوچ کر یہ میرا گھر ہے وہ آگے بڑھنے لگی تو خرم نے سامنے آتے ہوئے راستہ روک لیا۔ امامہ نے دیکھا وہ بے حد پریشان اور نڈھال تھا اور کہہ رہا تھا۔

''امامہ۔ مجھے تو آج ہی پتہ چلا کہ پرسوں تمہاری منگنی ہے وہ بھی ایسے کہ استاد بڑے استاد کو بتا رہے تھے کہ میں نے بھی سن لیا۔ تم نہیں جانتی تب سے میری کیا حالت ہے۔''

''ہاں ہو رہی ہے میری منگنی مگر تمہیں کیا تکلیف ہے؟'' امامہ نے اس کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''پھر یہ کہ امامہ تم یہ منگنی نہیں کرو گی۔ تمہیں معلوم ہے نا امامہ میں تم سے محبت کرتا ہوں پلیز انکار کر دو۔ تم میری ہو صرف میری۔ اس لئے کسی اور کے نام کی انگوٹھی مت پہنو۔''

''کیوں انکار کروں؟ میں تو بہت خوش ہوں۔ اتنے بڑے اور امیر خاندان میں رشتہ طے ہوا ہے۔ باقی رہی محبت تو تمہیں مجھ سے محبت ہے مجھے تو تم سے محبت نہیں۔'' امامہ نے بے رخی سے کہا تو خرم نے گھور کر اس کو دیکھا اور چہرے پر موجود پریشانی کی جگہ غصے نے لے لی اور اس نے سرد لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے تمہیں مجھ سے محبت نہیں مگر مجھے تو ہے اس لئے جیسے کہہ رہا ہوں ویسا کرو تو اچھی رہو گی ورنہ دوسری صورت میں منگنی کروا لو پھر انجام دیکھ لو ابھی خود انکار کر دو گی تو عزت رہ جائے گی ورنہ بعد میں جب منگنی ٹوٹی تو تمہاری بہت رسوائی ہو گی کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہو گی۔''

''تم ایسا نہیں کر سکتے میرے ابا کو جانتے ہو۔'' امامہ نے غصے سے کہا۔

''بے شک میں ایسا ہی کروں گا۔ تم منگنی کروا کر دیکھ لو۔ باقی رہے تمہارے ابا تو وہ بعد میں دیکھی جائے گی۔'' اس نے امامہ کا ہاتھ تھام کر نرمی سے دبایا پھر جھک کر دیوار کے قریب رکھا روٹی والا ٹفن اٹھایا اور باہر نکل گیا۔ امامہ کا مارے غصے کے برا حال تھا مگر کہتی تو کس کو۔ اماں ابا تو اس کو سارے جہان کا شریف لڑکا سمجھتے تھے اور وہ کتنی بے خوفی سے اس کے گھر میں کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا کہ اس کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اس وقت بھابی اپنے کمرے میں ہوتی ہیں اور اماں کچن میں جبکہ کرن ٹیوشن لینے کی وجہ سے آتی ہی لیٹ تھی۔ وہ اپنے روم

میں آئی اور چینج کرتے ہوئے اس مصیبت کا حل سوچنے لگی اور جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو بڑبڑائی۔

''اس کمینے کو یہ جرأت ہو ہی نہیں سکتی جو کہہ کر گیا ہے وہ سب کر گزرے۔ صرف مجھے دھمکا ڈرا رہا ہے۔ ہاں یہی بات ہے۔'' امامہ نے سوچا اور پرسکون ہوگئی۔

منگنی کی رسم خوب دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ ادھر سے پچاس لوگ آئے تھے جبکہ ادھر سے امامہ کی تینوں بڑی بہنیں اپنے شوہروں اور بچوں کے ساتھ موجود تھیں۔ فوزیہ کے گھر کے چند لوگ یا پھر نسرین کی پوری فیملی موجود تھی۔ خاندان میں اماں نے اور کسی کو خود ہی نہیں بلایا تھا۔ بچت کے خیال سے۔ امامہ کے سسرال والے اس کے لئے گیارہ سوٹ لائے تھے جو ایک سے بڑھ کر ایک تھا۔ ہر سوٹ کے ساتھ میچنگ جوتا۔ سونے کے دو سیٹ اور چھ چوڑیاں اور اس کے علاوہ ضرورت کی بہت سی چیزیں اور سوا من مٹھائی، امامہ کی ساس نے پچاس ہزار سلامی اس کو دی تھی لڑکے کے سب بہن بھائیوں نے دس دس اور ساتھ آنے والے مہمانوں نے بھی پانچ پانچ ہزار سے کم تو کسی نے بھی نہیں دیا تھا۔ دونوں طرف کے لوگ بے حد خوش تھے خاص کر امامہ۔ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ سب بہنیں بھی امامہ کی قسمت پر رشک کر رہی تھیں کرن بھی بہن کی خوشی میں خوش تھی اور اس نے ابھی سے پروگرام بنانا شروع کر دیا تھا کہ مہندی پر کون سا سوٹ بنانا ہے اور بارات پر کون سا کہ وہ اکلوتی چھوٹی سالی تھی اور دودھ پلائی کی رسم تو اس نے ہی ادا کرنی تھی۔

امامہ کے سسرال سے سب کچھ اگر شاندار آیا تھا تو ادھر سے بھی سب کچھ شاندار ہی کیا گیا تھا۔ کھانے میں کئی ڈشز تھیں۔ لڑکے کے گھر کے ہر فرد کو سوٹ دیئے گئے تھے۔ خاص کر لڑکے کی ماں کو اماں نے ان کی حیثیت سے مرعوب ہو کر تین سوٹ دیئے تھے بلکہ ساتھ تین تولے کے کڑے بھی دیئے تھے اور رخصتی کا پروگرام ساس کو لاکٹ سیٹ پہنانے کا تھا۔ اماں نے لڑکے والوں کو خوش کرنے کے لئے ہر کام اپنی حیثیت سے بڑھ کر کیا تھا۔ یوں سب کچھ اچھے طریقے سے ہو گیا تھا اور لڑکے کی ماں بھی اچھی عورت تھی اس نے جانے سے پہلے کہہ دیا تھا۔

''بہن۔ ہمیں جہیز کی ضرورت نہیں بس زیور کپڑے جتنے چاہو دے دینا۔ شادی کے بعد لڑکی فوراً امریکہ اپنے شوہر کے پاس چلی جائے گی۔ سامان کی دیکھ بھال کون کرے

گا۔ ویسے بھی اللہ کے فضل سے ہمارے گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں۔''

سب لوگ ہی خوش تھے رات گئے منگنی پر آنے والے سامان کی باتیں ہوتی رہیں امامہ نے تو خوشی کے مارے ساری رات جاگ کر ہی گزار دی تھی مگر یہ خوشی ایک دن اور ایک رات کی تھی۔

دوسرے دن شام کے قریب رشتہ کروانے والی عورت آئی۔ اماں نے عابد کا رشتہ فوزیہ سے ہونے پر اس کو تین ہزار روپے دیئے تھے اور اب فوزیہ سے اماں نے کہا تھا کہ وہ امامہ کا رشتہ اونچے خاندان میں طے کروانے پر اس کو پانچ ہزار دے گی۔ رشتہ کروانے والی کا نام ''اشرف'' تھا سب اس کو ماسی اشرف کہتے تھے۔ اماں نے دیکھتے ہی بہو کو آواز دی۔

''فوزیہ اپنی خالہ کے لئے پانچ ہزار لانا اور ساتھ سوٹ بھی۔'' پھر رشتہ کروانے والی سے کہا۔

''اچھا ہوا تم خود ہی آگئیں ورنہ میں نے کل خود ہی تمہارے گھر آنا تھا۔ آج کا دن تو منگنی کی تھکن اتارتے ہوئے ہی گزر گیا۔ اب کل ہی خاندان میں مٹھائی دینے جاؤں گی۔''

اتنے میں فوزیہ پیسے اور سوٹ لے کر آ گئی۔ خالہ اشرف نے ہاتھ سے سوٹ اور پیسے پرے کرتے ہوئے دکھی لہجے میں کہا۔

''پیسے سوٹ کی تو کوئی بات ہی نہیں کاش کہ میں جو کہنے آئی ہوں وہ نہ کہتی مگر مجبوری ہے اس لئے کہنا تو پڑے گا۔''

''کیا بات ہے اشرف؟'' اماں نے پہلی بار محسوس کیا وہ کچھ پریشان ہے۔

''آپا۔ کہتے ہوئے زبان جلتی ہے پر کہنا ہی پڑے گا۔ لڑکے والوں نے منگنی ختم کر دی ہے اور اپنی چیزیں واپس مانگی ہیں۔'' خالہ اشرف نے یہ کہہ کر گویا اماں کے سر پر بم مار دیا۔

☆......☆......☆

"کیا کہہ رہی ہو اشرف؟" اماں کو جیسے کسی نے بم مار دیا تھا۔ کتنی ناقابل یقین بات تھی۔ کل منگنی ہوئی' آج ختم کی جارہی تھی' وہ تو تھکن کی وجہ سے ابھی خاندان میں مٹھائی دینے بھی نہیں گئی تھی کہ منگنی ختم ہونے کی اطلاع مل گئی تھی......

"ٹھیک کہہ رہی ہوں آپا۔" ماسی اشرف نے کہا تو اماں نے خود کو سنبھالنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

"مگر منگنی ختم کیوں کررہے ہیں وہ لوگ؟ وجہ بھی تو بتائی ہوگی ان لوگوں نے؟"

"کہتے ہیں فون پر لڑکی کے بارے میں کسی نے کچھ ایسی باتیں کی ہیں جو ہم بتانا نہیں چاہتے کہ ہم بھی بیٹیوں والے ہیں۔ لڑکی جو بھی ہے' جیسا بھی اس کا کردار ہے' ہم اس پر تبصرہ نہیں کرنا چاہتے۔ جب منگنی ہی ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے پھر مزید کچھ کہنا فضول ہی ہے۔" ماسی اشرف خود بھی دکھی لگ رہی تھیں۔ جب اماں کو یقین ہوگیا کہ منگنی واقعی ختم کی جارہی ہے تو انہوں نے بھڑک کر کہا۔

"ارے ایسے ہی بیٹیوں والے تھے تو منگنی ختم نہ کرتے۔ پہلے ہم سے بھی ہماری بیٹی کے بارے میں پوچھتے' انہوں نے ایک ہی فون پر منگنی ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا اور وہ کون ہے جس نے میری بیٹی کو رسوا کیا' اللہ کرے کتے کی موت مرے' اے اشرف! ہم سے بھی کچھ لوگوں نے کہا...... کہ لڑکا کافی عمر کا ہے مگر ہم نے یہ سوچ کر یقین نہ کیا کہ کچھ لوگ دنیا میں بغیر کسی وجہ کے حسد کرنے والے ہوتے ہیں۔ منگنی ہی ختم کردی کمینے لوگوں نے اور سنو اشرف منگنی میں آنے والا سامان لینے آئی ہو' ارے جو کفن ہم نے ان کے پورے خاندان کو دیا وہ کہاں ہے' وہ بھی لے کر آنا تھا۔ میرے شوہر اور بیٹے کی حق حلال کی کمائی ہے' ان امیر لوگوں کی طرح حرام کی نہیں۔"

"آپا! آپ کا سامان بھی ساتھ ہی بھیجا ہے ان لوگوں نے' باہر گاڑی میں پڑا ہے ڈرائیور جب اپنا سامان اندر سے لینے آئے گا تو ساتھ وہ بھی لیتا آئے گا۔ آپ بھی اپنی ایک ایک چیز گن لیجئے گا۔ ویسے میں خود بھی گن کر لائی ہوں۔" ماسی اشرف نے کہا تو اماں بولیں۔

"سامان میں خود ہی کیسے دے دوں' اشرف! پہلے مردوں میں بات ہوگی' ان کو اس شخص کا نام بتانا ہوگا جس نے فون کرکے ان کو گمراہ کیا۔ پھر ان کے کھانے پینے پر جو بھی ہمارا خرچہ پانی ہوا وہ سب کاٹ کر باقی کے پیسے ان کو دے دیں گے اور سامان بھی۔" اماں نے کہا۔

"آپا! جب ساری بات ہی ان لوگوں نے منٹ بھر میں ختم کردی تو پھر یہ سب کرنے کا فائدہ؟ میں تو کہتی ہوں سارا فیصلہ ہی خدا پر چھوڑیں۔ وہ آپ کا صبر ان لوگوں پر ضرور ڈالے گا۔" ماسی اشرف نے نہ جانے کس اندیشے کے پیش نظر کہا۔

"ارے خدا پر بھی چھوڑیں گے' پر خود بھی پوچھ کچھ ضرور کریں گے۔ جاؤ فوزیہ! اپنے سسر کو فون کرکے بلاؤ مگر سنو' وہاں فون پر ان کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ بولو فوراً گھر آئیں اماں کہتی ہے اور ہاں جابر' عامر اور سیف کو بھی فون کرکے ان کو بتا دینا کہ کیا بات ہے۔" اماں نے اپنے تینوں دامادوں کے نام لئے پھر کہا۔ "ارے سنو! امامہ کو ابھی کسی بات کا پتہ نہیں چلنا چاہئے ہوسکتا ہے خدا کچھ بہتر کردے۔"

"جی اماں۔" کہہ کر فوزیہ اٹھی تو اماں نے ماسی اشرف سے کہا۔

"تم آؤ میرے کمرے میں ساری بات چیت وہیں ہوگی۔" اور اشرف کو ساتھ لئے ہال کمرے میں چلی آئیں۔ نگاہوں کے سامنے امامہ کا رات والا خوشی سے چمکتا چہرہ آرہا تھا۔ ہائے کسی منحوس کی نظر کھا گئی میری بیٹی کی خوشیوں کو۔ کیسے دیکھوں گی اس کا سوگوار چہرہ اور رشتے داروں' محلے داروں سے کیا کہیں گے' منہ پر لوگ کچھ کہتے ہیں' پیٹھ پیچھے کچھ' کیا کیا نہ باتیں ہوں گی۔"

فوزیہ نے ابا جی کو فون کرکے گھر آنے کا کہا تو انہوں نے پوچھا "خیریت فوزیہ بیٹی؟"

"خیریت ہوتی ابا جی تو میں بے وقت آپ کو فون کرکے گھر آنے کا نہ کہتی۔"

فوزیہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تو اباجی نے فکرمندی سے پوچھا۔

''کیا بات ہے فوزیہ کچھ پتہ تو چلے۔''

''اباجی! اماں نے فون پر کچھ بھی بتانے سے منع کیا ہے بس آپ فوراً آجائیں۔'' فوزیہ نے کہا تو اباجی بولے۔''اچھا ٹھیک ہے' میں آرہا ہوں۔'' اور فون بند کردیا۔

وہ گھر آئے تو ابھی ٹھیک سے بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ ان کے تینوں داماد بھی چلے آئے۔ اباجی نے حیران ہوکر ان کو دیکھا اور دل میں سوچا یقیناً کوئی بڑی بات ہوچکی ہے جو یہ تینوں بھی آئے ہیں۔ پھر ان تینوں کے سلام کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے اماں کے پاس بیٹھی ماسی اشرف کو نظرانداز کرتے ہوئے بیوی سے پوچھا۔

''کیا مسئلہ ہے؟'' تو اماں نے ایک ہی سانس میں ساری کہانی سنا دی اور یہ سب سنتے ہی اباجی کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ گو کہ اباجی ٹھنڈے مزاج کے آدمی تھے مگر یہ بات ہی ایسی تھی کہ وہ برداشت نہ کرسکے اور اٹھتے ہوئے بولے۔

''ان کی جرأت کیسے ہوئی کہ میری پاک دامن بیٹی پر الزام رکھیں۔ ابھی چل کر بات کرتا ہوں' کیسے ختم کرتے ہیں وہ یہ منگنی۔''

''صبر سے اباجی!'' جابر نے ان کا ہاتھ تھام کر ان کو دوبارہ بٹھاتے ہوئے کہا۔''وہ لوگ اپنی طرف سے منگنی ختم کرنے کا فیصلہ کرچکے ہیں جو ماسی اشرف کو سامان لینے اور ہمارا دیا ہوا سامان دینے بھیجا ہے۔ جب شروع ہی سے ایسی غلط فہمی اور بدگمانی ہوجائے تو پھر دوبارہ وہاں رشتہ جوڑنا بیٹی کی زندگی تباہ کرنے کے مترادف ہے۔ رشتہ تو اب وہ ہمارے پاؤں پر گر کر بھی مانگیں تب بھی نہیں دینا۔ تاہم یہ پوچھنا بے حد ضروری ہے کہ وہ کون ہے جس نے فون کرکے ان کو گمراہ کیا ہے۔ میں ابھی خود لڑکے کے بڑے بھائی کامران سے بات کرتا ہوں' پھر سب جاتے ہیں۔'' یہ کہہ کر جابر بھائی باہر لاؤنج میں آئے اور کامران کو فون کیا۔ مگر فون کرنے سے بھی کچھ حاصل نہ ہوا۔ کامران نے کہا۔

''آپ آنا چاہتے ہیں سو بار آئیں مگر منگنی کو مکمل طور پر ختم ہی سمجھئے گا جو باتیں ماسی اشرف سے کہی ہیں وہی آپ سے بھی کہہ دیں گے۔ نہ کم نہ زیادہ کی امید رکھئے گا۔ باقی رہی فون کرنے والے کا نام بتانے کی بات تو نام کا جب ہمیں خود پتہ نہیں تو آپ کو کیسے بتائیں گے۔ صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں بغیر کسی وجہ کے کوئی خوامخواہ یہ سب نہیں کہتا جو ہم سے کہا گیا۔

اب آگے آپ کی مرضی اگر اب بھی آپ آنا چاہتے ہیں تو آجائیں مگر آنے سے پہلے فون ضرور کردینا تاکہ ہم بھی چار بندے اکٹھے کرکے رکھیں بات کرنے کو۔'' اور فون بند کردیا۔

جابر بھائی کی پیشانی شکن آلود ہوگئی مگر اب کیا ہوسکتا تھا۔ ایک انہونی جو ہوچکی تھی اس کے اثر سے بچنا ناممکن تھا۔

وہ کچھ دیر فون کے قریب ہی کھڑے کچھ سوچتے رہے پھر ایک طویل سانس لے کر واپس بڑے کمرے میں آئے اور کامران سے ہونے والی بات چیت بتا کر کہا''میرے اپنے خیال میں تو ہمارا وہاں جانا اب مناسب نہیں کہ رشتے محبت سے بنتے ہیں' زبردستی نہیں جوڑے جاسکتے۔ یہ بھی شکر ہے کہ شادی سے پہلے ہی یہ سب ہوگیا بعد میں ہوتا تو ہم کیا کرسکتے تھے۔'' جابر نے کہا۔ جب کہ عامر اور سیف جب سے آئے تھے خاموش ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ جابر کی باتیں سن کر اباجی نے کہا۔

''ٹھیک کہتے ہو' رشتے محبت سے طے ہوتے ہیں زبردستی نہیں' مگر کاش یہ سب میری بیٹی کے ساتھ نہ ہوتا۔'' ان کے چہرے پر شدید دکھ کا احساس تھا اور اس وقت وہ اپنی عمر سے اور بھی بڑے نظر آرہے تھے۔ یہ دیکھ کر جابر نے ان کو تسلی دی۔

''اباجی خدا جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔ خاندان ایسا جلد باز ہے تو لڑکا خود پتا نہیں کیسا ہوگا' مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ خدا یقیناً امامہ کا مقدر بہت اچھا لکھے گا۔'' پھر اماں سے کہا۔''اماں آپ جائیں اور امامہ سے منگنی والا سامان لے کر آئیں۔ میں جب تک کھانے کے خرچے وغیرہ کا حساب کرتا ہوں۔'' یہ سن کر اماں نے کہا۔

''میرا تو حوصلہ ہی نہیں پڑتا کہ میں جاکر بیٹی کو یہ منحوس خبر سناؤں۔ فوزیہ بیٹی تم ہی جاؤ اور امامہ سے سب سامان لے کر آؤ۔ ہائے میری بیٹی کو رسوا کرنے والے کی قبر میں کیڑے پڑیں اور ان لوگوں کے بیٹے کو بھی اپنی خوشی کیلئے وطن آنا نصیب نہ ہو۔ ہائے ہائے کوئی ایسے بھی کرتا ہے جیسا ان لوگوں نے کیا۔ آج منگنی کی اور کل ختم۔ بیڑا غرق ہو ان لوگوں کا۔'' اماں کوسنے دینے لگیں ان لوگوں کو اور فوزیہ بھابی امامہ سے سامان لینے چلی گئیں۔

امامہ کو اپنی خوش نصیبی کا یقین نہیں آرہا تھا..... ایک شخص جو بے حد خوب صورت تھا' پڑھا لکھا بھی اور بہت امیر بھی' وہ اسکی ہوچکی تھی۔ اس کے نام کی انگوٹھی اس کی انگلی میں چمک رہی تھی۔ اس نے جو خواب دیکھے تھے وہ سب پورے ہوچکے تھے۔ منگنی پر آیا سامان وہ رات کو

کئی بار دیکھ چکی تھی اور سوچ رہی تھی وہ لوگ منگنی پر اتنا کچھ لائے ہیں شادی پر کیا نہیں لائیں گے۔ رات اپنے گھر جانے سے پہلے نسرین نے بھی اس کو کہا تھا مبارک باد دیتے ہوئے۔

''امامہ! تمہاری قسم تمہاری خواہش اور خواب پورے ہونے پر میں بے حد خوش ہوں تم نے جو سوچا وہ ہوگیا۔ جو چاہا اس کو پالیا۔ خدا تمہیں یونہی خوشیوں سے نوازتا رہے اور خوش رکھے۔'' نسرین کی باتیں سن کر مارے فخر کے وہ مسکرائی تھی اور کہا تھا۔

''یہی دعائیں میری طرف سے تمہارے لئے بھی ہیں۔ اب تم خود ہی سوچو تمہارا وہ فقیر ماموں میرے لئے یہ سب لاسکتا تھا۔ وہ تو شاید اپنی شادی پر بھی نہ اتنا لاسکتا۔'' نسرین نے کوئی جواب نہ دیا۔ اجازت لے کر چلی گئی کہ دل امامہ کے بجائے ماموں کے ساتھ تھا اور تب سے امامہ تھی اور منگیتر کا تصور۔

اس وقت بھی وہ انہی خیالات میں گم اپنی چارپائی پر لیٹی تھی۔ ہاتھوں میں منگیتر کی تصویر تھی اور سماعتوں میں ساس کی باتوں کی بازگشت ......

انہو نے رات ہی امامہ سے کہہ دیا تھا شادی کے فوراً بعد امریکہ جاتے ہی وہ تمہارے کاغذات مکمل کر کے تمہیں بھی اپنے پاس وہیں بلا لے گا۔ یہ آخری فرض ہے میرا' میں بھی ادا کر کے فارغ ہو جاؤں گی۔ پھر میرا جہاں جی چاہے رہوں' کبھی امریکہ تو کبھی پاکستان۔ وہ انہی خیالوں میں گم تھی کہ فوزیہ بھابی کمرے میں داخل ہوئیں مگر امامہ کو اپنے آس پاس کا ہوش ہی کب تھا۔ وہ بے لفظی زبان میں ہاتھ میں پکڑی منگیتر کی تصویر سے باتوں میں محو تھی۔

فوزیہ نے اس کے ہاتھ میں تصویر دیکھ لی تھی۔ اس لئے اس کو حوصلہ ہی نہ ہوا کہ امامہ کو منگنی ختم ہونے کی اطلاع دے۔ روتی ہوئی واپس بڑے کمرے میں آئی اور کہا۔

''اماں اس کا مسکراتا چہرہ دیکھ کر میرا تو حوصلہ ہی نہیں کہ یہ بری خبر اس کو سناؤں۔ آپ خود ہی جائیں۔'' فوزیہ کی بات سن کر کچھ دیر اماں سوچتی رہیں پھر اٹھتے ہوئے بولیں۔ ''آؤ تم بھی میرے ساتھ۔'' پھر وہ دونوں ایک ساتھ امامہ کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ ان کے پیچھے رشتے کرانے والی ماسی اشرف بھی تھیں۔ امامہ ان سب کو ایک ساتھ دیکھ کر چونکی پھر تصویر تکئے کے نیچے رکھتے ہوئے جلدی سے اٹھ بیٹھی۔ اماں اس کے پاس ہی بیٹھ گئیں پھر آہستگی سے کہا۔

''میری بات غور سے سنو بیٹی! خدا جو بھی کرتا ہے بہتر ہی کرتا ہے۔ شکر ہے شروع

میں ہی پتہ چل گیا گندے لوگوں کا۔ اگر شادی کے بعد یہ سب ہوتا تب بھی ہم ان لوگوں کا کیا بگاڑ لیتے۔'' انہوں نے رک کر کہا اور امامہ کا چہرہ دیکھا۔ اور امامہ جیسے کچھ نہ سمجھی تھی اور اماں نے اب کے اس کو سمجھانے کی بجائے فوزیہ سے کہا۔

''فوزیہ یہ منگنی میں آنے والی سب چیزیں گن کر اپنی ماسی اشرف کو دے دو۔ دھیان سے' کچھ رہ نہ جائے ان کمینے لوگوں کا۔''

''مگر کیوں اماں؟'' اب کے امامہ نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''بیٹا ان لوگوں نے بغیر کوئی وجہ بتائے منگنی ختم کر دی ہے۔ تمہاری ماسی اشرف منگنی میں آنے والا سامان لینے آئی ہیں۔ باہر ان لوگوں کا ڈرائیور گاڑی لئے کھڑا ہے۔ پتا نہیں کس کی نظر لگ گئی ہماری تمہاری خوشیوں کو۔'' بات ختم کرتے ہی امامہ کو سینے سے لگا لیا اور فوزیہ ایک ایک چیز گن کر دینے لگی اور امامہ گم صم اماں کے سینے میں منہ چھپا کر رونے لگی' بے آواز۔ اماں نے ساری چیزیں دینے کے بعد کہا۔ ''مٹھائی باہر برآمدے میں رکھی ہے وہ بھی ڈرائیور سے کہئے گا اٹھا لے جائے۔ باقی سب تو پورا ہے۔'' انہوں نے یاد آنے پر امامہ کی انگلی سے انگوٹھی اتار کر ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا مگر مٹھائی ہم لوگوں نے تھوڑی سی استعمال کی ہے۔''

''مٹھائی تم لوگ رکھ لو' وہ لوگ کہتے تھے مٹھائی لانے کی ضرورت نہیں۔'' ماسی اشرف نے بتایا۔

''اسے کوئی ضرورت نہیں ہے ان گندے لوگوں کی مٹھائی رکھنے کی...... ہاں جو ہمارے منگنی پر دیئے گئے کھانے پر خرچ ہوئے ان کا حساب کتاب میرا داماد کر رہا ہے انہوں نے سلامی کی صورت میں جو کیش امامہ کو دیا ان میں سے کاٹ کر باقی پیسے بھی تمہارے حوالے کرتے ہیں۔'' ماسی اشرف سارا سامان باہر دے آئی تو اماں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''غم نہیں کرنا امامہ! خدا اس سے بھی اچھا مقدر کھولے گا تمہارا۔'' اور فوزیہ کو وہیں رکنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود ماسی اشرف کے ساتھ باہر چلی گئیں تو امامہ نے اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔

''بھابی یہاں میرے قریب آ کر بیٹھیں۔'' اور جب فوزیہ آ بیٹھی تو امامہ نے پوچھا۔ ''مجھے یہ تو بتا دیں منگنی کیا کہہ کر ختم کی گئی ہے؟''

"کہتے ہیں لڑکی کے بارے میں فون پر کسی نے چند ایسی باتیں کہیں جو ہم آپ کو بتانا نہیں چاہتے کہ ہم بھی بیٹیوں والے ہیں۔" فوزیہ نے بتایا پھر تسلی دیتے ہوئے کہا "امامہ! غم نہیں۔ کرنا تمہارے بھائی سے شادی ہونے سے پہلے میری دو منگنیاں ختم ہوئی تھیں۔ دیکھو خدا نے مجھے کتنا اچھا محبت کرنے والا شوہر دیا ہے۔ اچھا سسرال دیا ہے' سب مجھ سے کتنا پیار کرتے ہیں۔ یقین کرو اللہ تمہارا مقدر اس سے بھی اچھا کھولے گا۔" انہوں نے بات ختم کی تو امامہ نے کہا۔

"پلیز اب آپ بھی جائیں میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔" اور فوزیہ بھابی بھی کمرے سے چلی گئیں تو امامہ نے تصویر نکال کر دیکھی اور پھر اسے پھاڑتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہوا تھا' کیسے ہوا تھا۔

معاً امامہ کا دھیان خرم کی طرف گیا اور اس نے سوچا کیا اس نے یہ سب کیا ہے اور اس کے ساتھ ہی ذہن میں چھناکا ہوا۔ اس میں تو شک وشبہ کی گنجائش تھی ہی نہیں۔ اس نے فیس ٹو فیس امامہ سے کہا تھا ابھی وقت ہے منگنی سے انکار کر دو بعد میں کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہو گی اور وہی کیا بھی تھا جو کہا تھا۔ ارے یہ واقعی اس گھٹیا انسان نے کیا ہے تو میں اس کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔

"او کمینے انسان! یہ کیا کیا تم نے؟" اور بھی شدت سے وہ رونے لگی تھی۔ تبھی کرن روم میں داخل ہوئی امامہ کے قریب آئی اور اس کے اپنے ہاتھوں سے آنسو پونچھتی ہوئی محبت بھرے لہجے میں کاہ۔

"ان گھٹیا لوگوں کیلئے یہ آنسو بڑے افسوس کی بات ہے۔ یہ ٹھیک ہے جو ہوا اچھا نہیں ہوا مگر اتنا برا بھی نہیں ہوا کہ شادی سے پہلے یہ ہو گیا۔ بعد میں ہوتا تو زیادہ نقصان دہ ہوتا۔ زیادہ ذلت آمیز ہوتا اب آپ نہیں روئیں گی بلکہ حوصلے سے کام لیں گی۔" امامہ جواباً کچھ نہ بولی۔

کرن ہی اس کے پاس بیٹھ کر اس کا دل بہلانے کو بے مقصد ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔

پھر رات ہوتے ہوتے بڑی باجی' چھوٹی باجی' آپا سب ہی کو فون کر کے بتا دیا گیا

تھا' وہ بھی آ گئیں گھر کا ہر فرد دکھی تھا۔

مگر مسئلہ یہ تھا کہ اب کچھ بھی ان کے اختیار میں نہیں تھا یہ ایک تلخ ترین حقیقت تھی کہ منگنی ٹوٹ چکی تھی اور اب اس حقیقت کو بدلا نہیں جا سکتا تھا...... اس کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے بہنیں بھی رو دھو کر افسوس کرتے ہوئے رات گئے اپنے گھروں کو واپس چلی گئیں۔

☆......☆......☆

وہ خود ایک ہفتہ کالج نہ جا سکی کہ سہیلیوں سے کیا کہے گی۔ ابھی تو اس کو نسرین کی چبھتی ہوئی نگاہوں کا سامنا کرنا تھا۔ جو اس کی منگنی کی صبح اپنی چھوٹی خالہ کے ہاں فیصل آباد جا چکی تھی اور ابھی تک واپس نہ آئی تھی۔ امامہ نے آنکھیں بے رحمی سے صاف کرتے ہوئے سوچا اس سے بہتر تو یہی تھا کہ یہ منگنی ہوتی ہی نہیں۔ اس ایک کمینے انسان نے محض اپنی خوشی کیلئے کتنے لوگوں کو دکھی کیا ہے۔ رات اماں کہہ رہی تھیں تمہارے ابا بتا رہے تھے خرم بے حد غصے میں ہے وہ کہتا ہے اگر مجھے اس ذلیل انسان کا پتہ مل جائے جس نے میرے استاد کو دکھی کیا تکلیف پہنچائی ہے تو میں اپنے ہاتھوں سے اس کو جان سے مار ڈالوں۔ وہ سب سن کر چپ رہی دل میں سوچا اب تم مجھے اکیلے مل جاؤ پھر دیکھو میں تمہارا کیا حشر کرتی ہوں۔

اس دن بھابی کے کہنے پر وہ کالج چلی گئی۔ واپس آئی تو خرم، خالہ میراں کے گھر داخل ہو رہا تھا۔ وہ شاید کھانا لینے آیا تھا۔ امامہ اپنے گھر جانے کے بجائے خالہ میراں کے گھر چلی آئی۔ وہ یہ بھول چکی تھی خرم کو دیکھ کر کہ نسرین گھر پر نہیں۔ وہ اندر آئی تو خرم سامنے والے کمرے میں کھڑا نسرین سے بات کر رہا تھا۔ یہ محض اتفاق تھا' نہ پاس بھابی تھی نہ خالہ میراں خود نسرین شاید شام یعنی رات کو واپس آئی تھی۔ اس کو دیکھتے ہی اٹھی جب کہ خرم کی دروازے کی طرف پشت تھی۔

"ارے امامہ تم۔" خرم اس کا نام سنتے ہی مڑا اور اس پر نظر پڑتے ہی اپنی کامیابی پر مسکرانے لگا۔ وہ اندر کمرے میں آئی تو نسرین کو خرم نے کہا۔

"بھانجی تم ذرا سی دیر کیلئے باہر جاؤ۔"

"جی نہیں پہلے ہی امامہ آپ کی وجہ سے مجھ سے ناراض ہوتی ہے۔ کمرے سے باہر اب آپ جائیں گے۔" نسرین نے اپنے قریب امامہ کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خرم سے کہا تو امامہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "مجھے نہیں بیٹھنا' تم باہر جاؤ۔ آج میں تمہارے ماموں

سے صاف صاف بات کر ہی لوں۔'' نسرین نے حیران ہوکر اس کو دیکھا پھر چپ چاپ باہر چلی گئی تو امامہ نے خرم کو دیکھا۔ وہ آنکھوں میں شرارت لئے اس کو دیکھتے ہوئے اب بھی مسکرا رہا تھا۔ ذرا سی بھی ندامت اس کے چہرے پر نہیں تھی۔ نسرین کے باہر نکلتے ہی اس نے دروازہ بند کر دیا۔ پھر امامہ سے بولا ''اب کہو کیا بات ہے۔ زہے نصیب کہ تم خود مجھ سے کچھ کہو۔''

''میری منگنی تم نے ختم کروائی ہے؟''

امامہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''بے شک میں نے ہی ختم کروائی ہے۔'' خرم نے بغیر کسی ڈر کے اعتراف کیا' پھر کہا۔ ''مگر اس کا ذمہ دار میں نہیں تم خود ہو۔ میں نے تمہیں منع کیا تھا۔ اگر تم نے میرا کہا مان لیا ہوتا تو مجھے یہ سب نہ کرنا پڑتا۔ جب میں نے کہہ دیا تم صرف میری ہو تو پھر......''

''او کمینے انسان! اپنی اوقات دیکھو' حیثیت دیکھو' تمہارے پاس تو خود اپنے پہننے کیلئے اچھا لباس موجود نہیں' مجھے کیا پہناؤ گے۔'' امامہ نے رک کر ایک حقارت بھری نگاہ اس پر ڈالی پھر کہا۔'' وہ لوگ جو کچھ منگنی پر میرے لئے لائے ہیں تم تو اتنا کچھ شادی پر بھی لانے کے قابل نہیں ہو۔'' امامہ کے لہجے میں ہی نہیں آنکھوں میں بھی شدید نفرت تھی۔

''اوہ' تو تمہیں محبت نہیں زیور کپڑا چاہئے۔'' خرم نے بھی زہر خند سے کہا۔

''اماں کہتی ہیں یہاں کوئی کسی سے محبت نہیں کرتا۔'' امامہ نے بتانا ضروری سمجھا۔ یہ سن کر خرم نے کہا۔

''یہ تمہاری اماں کا ذاتی تجربہ ہوسکتا ہے دوسروں کے بارے میں انہیں ایسا کہنے کا کوئی حق نہیں۔ مجھے تم سے محبت ہے اور جب تک زندہ ہوں دیکھ لینا صرف تمہی سے محبت کروں گا۔ جیسا چاہو ثبوت لے لو۔''

''مگر مجھے تم سے محبت نہیں ہے اور نہ ہی کبھی ہوگی۔ مجھے تم سے شدید نفرت ہے۔ تم نے یہ سب کر کے اچھا نہیں کیا۔ کیا ملا تمہیں مجھے رسوا کر کے۔''

بات ختم کر کے وہ رونے لگی۔ خرم نے پہلی بار بغور اس کا چہرہ دیکھا۔ رو رو کر چہرے کا حشر کر لیا تھا۔ منگنی ختم ہونے کے بعد شاید یہ سارے دن روتے ہوئے ہی گزرے تھے۔ وہ اس کو برا بھلا کہنے کے بعد اب بھی رو رہی تھی۔ خرم چند لمحے اس کو دیکھتا رہا پھر آہستگی

سے کہنے لگا۔

''وہ شخص جس کو تم نے دیکھا تک نہیں، تمہارا شوہر نہیں' منگیتر بھی نہیں رہا اور محبوب بھی نہیں اس کیلئے یہ پریشانی' یہ رونا' یہ حالت۔'' وہ رکا پھر کہا۔

''جب کہ مجھے تم سے شدید محبت ہے۔ اتنی زیادہ کہ ہر پل تمہیں ہی سوچتے گزرتا ہے۔ کان کھول کر سن لو امامہ! تم اگر میری نہ ہوسکیں تو تمہاری محبت کی قسم میں تمہیں کسی اور کی بھی نہیں ہونے دوں گا۔ اتنا کمزور نہیں ہوں میں کہ کوئی مجھ سے میری محبت چھین لے۔'' خرم نے ٹھوس لہجے میں کہا' تو امامہ چڑ کر بولی۔

''محبت' محبت' تم کیا رانجھا ہو' یہ سب پرانے زمانے کی باتیں ہیں۔ تمہیں اپنے گناہ کا احساس تک نہیں' تمہیں اندازہ نہیں کہ تم نے ایک شریف لڑکی کو تباہ کر ڈالا۔ کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں چھوڑا۔'' وہ روتے روتے سسکی تو خرم نے بجائے اس پر ترس کھانے کے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔

''رانجھا ایک گھٹیا عاشق تھا جو پہلے نوکر بنا پھر جوگی۔ مجھے نا تو تمہارے گھر والوں کا نوکر بننے کا شوق ہے اور نہ ہی تمہاری محبت میں جوگی۔ ہاں ایسا ویسا وقت آیا تو مرزا بن کر تمہیں لے کر اڑ جاؤں گا اور تم چاہو تو صاحبہ بن کر مجھے مار دینا یا مروا دینا مگر شادی میں تمہیں کسی اور سے نہیں کرنے دوں گا۔ دیکھو! اب بھی وقت ہے میری محبت پر یقین کر لو۔''

''نہ کروں تو؟'' امامہ نے روتے روتے آنکھیں نکال کر اس کو دیکھا۔

''وہی بتا رہا ہوں۔ دوسری صورت حال اب یہ ہے امامہ ڈیئر کہ اب اگر تم نے منگنی کروانے کی کوشش کی تو میں تمہاری منگنی ختم کرنے کی کوشش ہرگز نہیں کروں گا بلکہ بارات والے دن کا انتظار کروں گا اور اس دن تمہارے ہونے والے دولہا کو شوٹ کر کے خود کو پولیس کے حوالے کر دوں گا۔ یہ کہہ کر کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور تمہیں بھی مجھ سے محبت ہے۔ یہ شادی تمہارے گھر والے زبردستی کر رہے تھے اس لئے میں نے دولہا کو مار ڈالا۔ تم ذاتی طور پر گھر والوں سے کچھ بھی کہنا' کوئی تمہارا یقین نہیں کرے گا۔ اور اگر میں جیل سے جلدی چھوٹ گیا تو پھر واپس آ کر تم سے شادی کر لوں گا اور......''

''میں تھوک دوں گی تمہارے منہ پر' ذلیل انسان!'' وہ روتے روتے چلائی۔ تم مجھ سے کبھی شادی نہ کر سکو گے۔ میں کسی سے بھی شادی کر لوں گی مگر تم جیسے فقیر سے ہرگز شادی

نہیں کروں گی۔''

میں تمہیں شادی کرنے دوں گا تو تم شادی کرو گی۔ اپنا سارا پروگرام تو بتا دیا ہے میں نے تمہیں۔ یقین کرو صرف میں ہی تم سے شادی کروں گا۔'' وہ پورے یقین سے مسکرایا تو امامہ نے کہا۔

''اگر یہ بات ہے اور تمہیں یہی خوش فہمی ہے تو تم بھی کان کھول کر سن لو' تم سے شادی کرنے کے بجائے میں عمر بھر کنواری بیٹھنا پسند کروں گی۔ اونہہ مجھ سے شادی......'' وہ روتے ہوئے واپس چل دی۔

دروازے کی سمت مڑی خرم نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر سخت اور سفاک لہجے میں کہا۔

''امامہ! میرا ایک ایک لفظ یاد رکھنا اور دوبارہ منگنی جیسی غلطی کر کے نہ خود تباہ ہونا نہ اپنے خاندان والوں کو رسوا کرنا۔ ورنہ میں وہی کروں گا جو کہہ چکا ہوں۔ باقی رہی تمہاری یہ بات کہ مجھ سے شادی کرنے کے بجائے تم عمر بھر کنواری بیٹھنا پسند کرو گی تو ٹھیک ہے میں بھی تمہارے ساتھ کنوارہ بیٹھوں گا مگر یہ طے ہے کہ تمہیں کسی اور کی نہ ہونے دوں گا۔''

اپنی بات ختم کر کے اس نے جھک کر امامہ کا ہاتھ پکڑ لیا پھر کہا۔''بھانجی بتا رہی تھی اس دن تم نے اپنی یونیفارم پھاڑ دی تھی۔ اس لئے آج میں نے صرف ہاتھ پکڑنے پر ہی اکتفا کیا۔ تم کہتی ہو چھونا نہیں اور میں کہتا ہوں میں ہر ہر ملاقات میں تمہیں چھوتا رہوں گا کہ تمہیں چھونے کا حق صرف مجھی کو تو ہے۔'' اور پھر خدا حافظ کہہ کر خرم نے نا صرف ہاتھ چھوڑ دیا بلکہ آگے بڑھ کر دروازہ بھی کھول دیا۔

امامہ آنسو صاف کرتے ہوئے باہر نکلی۔ نسرین صحن میں ایک طرف کھڑی تھی مگر وہ نسرین سے بات کئے بغیر گھر چلی آئی۔

یونیفارم بدل کر بے دلی سے کھانا کھایا پھر اپنے روم میں آ گئی۔ اپنے کمرے میں بیٹھی وہ اپنے منگیتر کو یاد کر کے روتی رہی۔ امریکہ میں نا صرف ڈاکٹر تھا' خوبصورت تھا بلکہ نوجوان اور ایک امیر خاندان کا بیٹا۔ وہ کتنا خوش ہوئی تھی منگنی ہونے پر۔ مگر خرم نے پل بھر میں ساری خوشیاں محض اپنی خوشی کیلئے خاک میں ملا دی تھیں۔ کیا محبت اسی کو کہتے ہیں۔ محبت میں تو دوسروں کیلئے قربانی دی جاتی ہے۔ وہ گھر میں کسی کو اس کی اس حرکت کے بارے میں بتا

بھی نہیں سکتی تھی۔ بتاتی بھی تو یقین کون کرتا۔ سب سے پہلے تو اماں ہی کہتیں وہ بے حد شریف لڑکا ہے۔ تم تو شروع دن سے ہی کھاتی ہو اس سے خار'' صبر اور خاموشی کے علاوہ کوئی یارانہ تھا۔ وہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ اچانک نسرین روم میں داخل ہوئی۔

امامہ نے اس کو دیکھا پھر سر جھکا لیا اور نسرین نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کو گلے سے لگایا تو وہ اور بھی شدت سے رونے لگی۔ نسرین کی اپنی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

اور اس نے کہا۔''میں تو کل رات ہی آئی تھی۔ خالہ کا بیٹا چھوڑنے آیا تھا۔ رات تو سب اس کے ساتھ باتوں میں لگے رہے' صبح وہ ناشتہ کر کے چلا گیا۔ تو امی' بھابی نے منگنی ٹوٹنے کی بات بتائی۔ مجھے بہت دکھ ہوا۔ میں اسی وقت تمہارے گھر آئی تو بھابی نے بتایا تم آج پہلے دن ہی منگنی ٹوٹنے کے بعد کالج گئی ہو۔''

یہ سب تمہارے ماموں کی وجہ سے ہوا۔'' امامہ نے روتے ہوئے کہا۔

''نہیں امامہ! ماموں ایسے نہیں۔'' نسرین نے جلدی سے کہا' تو امامہ الگ ہوتے ہوئے بولی۔

''اس کمینے نے ابھی ابھی خود تمہارے گھر اعتراف کیا ہے۔ مجھے ہی تمہیں بتانا یاد نہ رہا۔ اس نے منگنی ہونے سے پہلے ہی مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے یہ منگنی کروائی تو وہ ختم کروا دے گا اور اس نے وہی کیا جو کہا تھا۔ پتہ نہیں لڑکے والوں سے کیا کہا ہوگا جو انہوں نے فوراً منگنی ختم کر دی۔ یہی کہا ہوگا نا کہ لڑکی خراب ہے۔ اس پر دعویٰ کہ مجھ سے محبت ہے۔'' امامہ چپ ہوئی تو نسرین نے کہا۔

''اگر یہ بات ہے تو میں ماموں سے ضرور پوچھوں گی۔'' پھر وہ امامہ کو مزید تسلی دے کر چلی گئی۔ گو کہ امامہ کی منگنی ٹوٹنے پر سب ہی افسردہ تھے۔ مگر اب یہ افسردگی ختم ہو چکی تھی۔ گھر میں سبھی ہنسنے بولنے لگے تھے' سوائے امامہ کے۔ اس کو اپنے منگیتر سے محبت نہیں تھی مگر وہ سوچتی تھی پتہ نہیں دوبارہ ایسا رشتہ ملے گا بھی یا نہیں مگر ہوا یہ کہ منگنی ختم ہوئے ابھی ایک ماہ ہی گزرا تھا کہ ماسی اشرف اس کیلئے ایک اور اچھا رشتہ لے کر چلی آئی۔ شاید اس کے اپنے دل پر بھی یہ رشتہ ٹوٹنے پر چوٹ پڑی تھی۔ یہ بھی کوئی بات تھی کہ آج منگنی کی اور کل ختم کر دی۔

انہوں نے آتے ہی اماں سے کہا۔''آپا یہ رشتہ ان لوگوں سے بھی اچھا ہے لڑکا ہے

بھی ڈاکٹر ہی مگر اہم بات یہ ہے کہ اکلوتا ہے' بے حد امیر خاندان اور لڑکا ہے بھی پاکستان میں۔ آپ مٹی ڈالیں ان لوگوں پر اور میرے ساتھ لڑکا دیکھنے چلیں۔'' اماں تو کیا جواب دیتیں' خرم کے خوف کی وجہ سے امامہ نے خود ہی فی الحال شادی کرنے سے انکار کردیا۔ اچھی طرح جانتی تھی خرم نے جو کہا ہے وہ کر گزرے گا۔ ابھی تو صرف میری رسوائی ہوئی ہے پھر سارے خاندان کی ہوگی۔ بہتر ہے شادی سے ابھی انکار کردیا جائے۔ مگر گھر میں کسی نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا۔ یہ سوچ کر کہ ابھی زخم تازہ ہے زیادہ زور دینا مناسب نہیں اور پھر ابھی عمر ہی کتنی ہے صرف 19 سال ہی تو ہے کچھ عرصہ بعد جب بہل جائے گی تو پھر شادی کی بات کریں گے یوں امامہ کا مسئلہ بغیر کسی پریشانی کے وقتی طور پر حل ہوگیا۔

☆......☆......☆

نسرین کی شادی کی تیاریاں ان دنوں عروج پر تھیں۔ اب تو امامہ بھی مکمل طور پر اپنا منگنی والا صدمہ بھول کر پوری طرح اپنی پڑھائی کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ نسرین ہی کبھی اپنی شادی کی مصروفیات سے ٹائم نکال کر اس کو ملنے آجاتی تھی کہ خرم نے نسرین کے پوچھنے پر منگنی ختم کروانے کا اقبال جرم کرلیا تھا اور کہا تھا کہ وہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھا اور یہ کہ اس نے ان لوگوں کے سامنے امامہ کو خراب لڑکی نہیں کہا تھا بلکہ یہ کہا تھا کہ وہ امامہ سے محبت کرتا ہے اور امامہ بھی اس سے محبت کرتی ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ آپ یہ منگنی ختم کردیں دوسری صورت میں بارات والے دن میں دولہا کو شوٹ کردوں گا اور وہ لوگ اتنے بزدل تھے کہ بغیر سوچے سمجھے فوراً منگنی ختم کردی۔'' نسرین کو یہ سب سن کر بے حد افسوس ہوا تھا مگر اب ماموں سے کچھ کہنا بے کار ہی تھا کہ جو کام ہونا تھا وہ تو ہو چکا تھا اس لئے اب وہ خود بھی امامہ کو اپنے گھر آنے کو نہیں کہتی تھی۔

اور رہا خرم تو وہ اپنی اس حرکت پر ذرا سا بھی شرمندہ نہیں تھا۔ بلکہ اتنی جلدی آسانی سے مل جانے والی اپنی کامیابی پر خوش تھا۔ وہ جب استاد کی روٹی لینے آتا اور ایسے میں کبھی اتفاق سے امامہ سے سامنا ہوجاتا تو وہ اس کے سامنے آنے سے گریز کرتی تھی۔

نسرین کی شادی کی ڈیٹ فکس ہوگئی تھی اپنی شادی سے چند روز پہلے وہ بطور خاص دوست ہونے کے ناطے امامہ کو خود انوائٹ کرنے آئی اور امامہ کو کارڈ دینے اور چند ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

''امامہ! اب تم نے ماموں کے بارے میں کیا سوچا ہے؟''

''کیا مطلب؟'' امامہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

''یار ماموں میں کمی ہی کیا ہے؟ تم سے سچی محبت کرتے ہیں۔ انہوں نے جو بھی کیا تمہاری منگنی کے حوالے سے اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر۔'' مگر امامہ، نسرین کو بات مکمل کرنے کی مہلت دیئے بغیر غرائی۔

''اگر اپنے ماموں کے بارے میں مزید بکواس کی تو تمہاری شادی پر نہیں آؤں گی۔ اس کمینے نے پہلے میری منگنی ختم کروادی اور اب مجھ پر شادی نہ کرنے کا حکم لگا رہا ہے۔ بے وقوف اپنی اوقات بھول چکا ہے۔ خدا کرے مر جائے وہ بھی بہت بری موت تا کہ اس عذاب سے میری جان چھوٹ جائے۔'' امامہ نے بددعا دی۔

''ایسا نہ کہو امامہ! اپنی ماں کا اکلوتا سہارا ہے۔'' نسرین نے تڑپ کر کہا۔

''اگر یہ بات ہے تو اس کا ذکر دوبارہ میرے سامنے کبھی نہ کرنا۔'' امامہ نے کہا تو نسرین نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔ پھر اجازت لے کر چلی آئی۔ وہ جب امامہ کے پاس آ رہی تھی تو خرم نے خود اس کو کہا تھا وہ اپنے طور پر خود اس کے حوالے سے امامہ سے بات کر کے دیکھے گھر آنے کے بعد نسرین نے خرم کو بتا دیا۔

''ماموں! وہ آپ کا ذکر سننا بھی پسند نہیں کرتی۔ آپ بھی اپنے دل سے اس کا خیال نکال دیں۔ آپ کیلئے لڑکیوں کی کمی تو نہیں۔''

''لڑکیوں کی کمی تو نہیں بھانجی مگر یہ دل نہیں مانتا۔'' خرم نے جواب دیا پھر بہت سوچنے کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ وہ آخری بار امامہ سے بات کر کے دیکھے گا مگر مشکل یہ تھی کہ منگنی ختم ہونے والی لڑائی لڑنے کے بعد وہ نسرین کے گھر آنا بالکل چھوڑ چکی تھی۔ خرم نے سوچا اب نسرین کی شادی پر ہی بات کرنے کا موقع مل سکتا ہے اور وہ بڑی بے چینی سے شادی کا انتظار کرنے لگا مگر ہوا یہ کہ مایوں تو کیا مہندی کی رسم بھی ہوگزری مگر اپنی ہزار کوششوں کے باوجود امامہ سے ملنا تو دور کی بات وہ اس کو جی بھر کر دیکھ بھی نہ سکا۔ وہ ہوا کے جھونکے کی طرح اس کے سامنے سے گزر جاتی تھی جس گاڑی کو خرم چلاتا وہ اس گاڑی میں بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتی تھی۔ مایوں پر آف وائٹ کلر کے سوٹ میں فل میک اپ کے ساتھ اونچی ہیل کی جوتی میں اس کے گورے گورے پاؤں اور وہ خود کتنی پیاری لگ رہی تھی۔ خرم کا دل اس کو اپنی

بانہوں میں بھرنے کو مچل مچل گیا مگر وہ اس کو زیادہ دیر دیکھ بھی نہ سکا۔ پھر مہندی والی رات بھی یہی ہوا۔ مہندی کلر کے لہنگے میں وہ مایوں والے دن سے بھی زیادہ پیاری لگ رہی تھی۔ بالکل گڑیا سی ہنستی مسکراتی' کھلکھلاتی مگر یہ سب خرم کیلئے نہیں تھا۔

اس کے گھر کے اندر اس کے قریب ہونے کا موقع ملا نہ باہر اور تھک ہار کر خرم نے سوچا اگر بارات والا دن بھی یونہی گزر گیا تو پھر شاید کبھی بھی بات کرنے کا موقع نہ ملے۔ شادی کے بعد تو نسرین کو بھی اپنے سسرال ہی رہنا تھا یہی وجہ تھی بڑی کوشش سے اس نے یہ موقع حاصل کر ہی لیا۔ جب مہمانوں کے لئے کھانا کھولا گیا اور سب لوگ کھانے پر ٹوٹ پڑے تو وہ اوپر آیا کہ نسرین کو دلہن بن کر اوپر کمرے ہی میں بیٹھنا تھا۔

وہ جلدی جلدی اوپر آیا کہ اب مسئلہ بھانجی کا ہے اگر کمرے کے اندر جا کر اس کو باہر جانے کا کہا تو وہ مانے گی نہیں۔ آخرکار اس نے نسرین کو کمرے سے باہر لانے کی ترکیب سوچ ہی لی اور پھر اپنی ترکیب پر خود ہی مسکرا دیا وہ اوپر آیا کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور دروازے کے سامنے ہی لگائے گئے صوفے پر امامہ دلہن بنی نسرین کے پاس بیٹھی باتوں میں مصروف تھی وہ اس کو بے تابی سے دیکھنے لگا۔ آج اس نے فیروزی کلر کے سادہ چوڑی دار پاجامے اور قمیض کے ساتھ بھاری کام والا دوپٹہ کاندھے پر ڈال رکھا تھا اور پاؤں میں ہم رنگ کھسہ پہن رکھا تھا۔ اس نے خرم کو دیکھتے ہی نگاہیں جھکا لیں اور خرم نے صحن میں کھڑے کھڑے جیب سے اپنا والٹ نکالا پھر اس میں سے ایک ہزار روپے کا نوٹ نکال کر نسرین کو آواز دی۔ نسرین ہزار کا نوٹ دیکھ کر سمجھی ماموں اس کو شاید سلامی دینے آئے ہیں اس لئے خوشی خوشی اپنا بھاری کام والا لہنگا سنبھالتی باہر صحن میں خرم کے قریب آئی اور اس کے اپنے قریب آتے ہی خرم نے کمرے کی جانب دوڑ لگا دی اور اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر لیا۔ نسرین ہکا بکا دیکھتی رہ گئی۔ پھر جلدی سے سیڑھیوں کی جانب لپکی اور نیچے جھانکا کہ کوئی اور تو اوپر نہیں آ رہا اور دل میں سوچا اگر ایسے میں کوئی اور آ جائے تو کتنی بدنامی ہوگی۔ نا صرف امامہ کی بلکہ ساتھ میری بھی۔ یا خدا اب عزت رکھنا اور پھر شاید زندگی میں پہلی بار اس نے سوچا۔

امامہ ٹھیک ہی کہتی ہے تمہارا ماموں پکا بدمعاش ہے۔ اف خدایا اب کیا کروں۔ بات کرنے دوں یا دروازہ ناک کردوں۔ پھر اس نے سوچا اب اگر ماموں نے یہ سب محنت کی ہے تو بات کر ہی لیں اور ایک طرف کھڑی ہوگئی۔ امامہ یہی سمجھی تھی کہ خرم نے نسرین کو پیسے

دینے کیلئے بلایا ہے لیکن جب نسرین کے باہر جاتے ہی وہ دوڑ کر کمرے میں داخل ہوا اور پھر دروازہ لاک کر کے اس کی جانب مڑا تو وہ مارے غصے اور خوف سے کھڑی ہوگئی بلکہ آپے سے باہر ہوگئی کہ اس کمینے انسان کو اپنی خواہش عزیز تھی دوسرے کی عزت کا خیال تک نہیں، خاک میں ملتی ہے تو مل جائے۔ یہی وجہ ہے اپنی جانب بڑھتے ہوئے خرم سے سخت لہجے میں کہا۔

''او ذلیل! بے غیرت انسان! میرے قریب مت آنا' چھونا نہیں مجھے اور اگلے ہی لمحے اسکے منہ سے سسکی نکل گئی۔ کچھ اتنے ہی زور سے تھپڑ مارا تھا خرم نے اسکے نرم و نازک گال پر پھر دھاڑا۔

''کیا بے غیرتی اور ذلالت کرتے دیکھا ہے؟ تم نے کس حوالے سے مجھے بے غیرت کہا؟ عزت لوٹ لی ہے تمہاری میں نے یا چوری کرتا ہوں' ڈاکے ڈالتا ہوں' چرس فروخت کرتا ہوں یا ہیروئن پیتا ہوں۔'' خرم اس کے مایوں اور مہندی والی رات والے رویئے سے تپا ہوا تھا اس لئے خود کو کنٹرول نہ کر سکا اور اس کا ہاتھ اٹھ گیا اور امامہ سہم کر دیوار سے جا لگی۔ اسکا وحشی والا یہ روپ تو آج پہلی بار سامنے آیا تھا۔ وہ اب بھی سامنے کھڑا اس کو گھور رہا تھا۔ امامہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنی ہی کہہ رہا تھا۔ ''میں دیکھنے کو ترس ترس جاتا ہوں' بات کرنے کو تڑپتا رہتا ہوں اور تم نے مجھے مزید تڑپانے کیلئے خود کو گھر کے اندر قید کر رکھا ہے۔ نسرین کے پاس آنا بالکل چھوڑ دیا۔ تم کیا سمجھتی ہو تمہارے ایسا کرنے سے میں تمہیں بھول جاؤں گا یا تمہارا پیچھا چھوڑ دوں گا۔ کبھی نہیں۔'' اس نے خاموش ہو کر اسے دیکھا اور پھر کہا۔

''آج آخری بار پوچھ رہا ہوں پھر کیا فیصلہ کیا ہے تم نے میرے بارے میں؟''

''میں بھی آخری بار کہہ رہی ہوں کہ مجھ سے سو بار بھی پوچھو گے تو میرا جواب یہی ہوگا تم جیسے فقیر سے شادی کرنے کے بجائے میں عمر بھر کنواری رہنا پسند کروں گی۔'' امامہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے شدید نفرت سے کہا۔ اسکا جواب سن کر خرم کے ماتھے پر کئی بل پڑ گئے۔ وہ چند پل امامہ کو گھورتا رہا پھر کہا۔

''کنواری نہیں بیٹھنے دوں گا میں تمہیں کچھ نہ کچھ انتظام کر ہی لوں گا میں تمہارا۔'' وہ رکا ایک سیکنڈ کو پھر بولا۔ ''کیا کہا تھا ابھی تم نے چھونا نہیں میں چھونے لگا ہوں تم روک سکتی ہو تو روک لو۔'' بات ختم کرتے ہی خرم نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ بھرا اور اسکی پیشانی پر اپنی

محبت کی مہر ثبت کردی۔

جبکہ باہر کھڑی نسرین نے جب دیکھا کافی ٹائم ہوگیا ہے مگر دروازہ کھلنے میں نہیں آرہا اور نیچے سے اب کوئی بھی اوپر آسکتا ہے تو دونوں ہاتھوں سے دروازہ پیٹتے ہوئے زور سے چیخی۔

''ماموں خدا کیلئے اب بس کریں اور دروازہ کھول دیں۔اپنی نہیں تو بھانجی کی عزت کا خیال کریں۔''

نسرین کی آواز سن کر خرم نے چونک کر چہرہ اٹھایا۔ پھر امامہ کو چھوڑ کر الگ ہوگیا بلکہ دو قدم پیچھے ہٹ کر اس کو دیکھا۔امامہ نے فوراً نگاہیں جھکالیں اور خرم نے ہاتھ بڑھا کر اس کی ٹھوڑی پکڑ کر چہرہ اوپر اٹھایا پھر سفاک لہجے میں کہا۔

''یاد رکھنا' آج سے تم میری امانت ہو' میں تمہیں چھو چکا ہوں۔کوئی دوسرا یہ جرأت نہیں کرسکتا۔''

چند پل اس کو گھورنے والے انداز میں دیکھتا رہا پھر غرایا۔

''شادی نہیں کرنا امامہ! شادی نہیں کرنا۔ یہ سن کر ہی میں پاگل ہوجاؤں گا کہ تم میری نہیں رہیں۔ تباہ کر ڈالوں گا' رسوا کر ڈالوں گا' پھر میں تمہیں اور تمہارے خاندان کو۔ مجھ سے کسی نرمی یا معافی کی امید کبھی نہ رکھنا۔کتنی بار پوچھا ہے مگر ایک ہی جواب ایک ہی ضد ہے کہ تمہیں موٹر میکینک سے شادی نہیں کرنا' تم آج بھی اپنی ضد پر قائم ہو تو ٹھیک ہے۔اب مجھے صرف پانچ برس دے دو' پانچ برس بعد میں تمہارے معیار کے مطابق بن کر تمہارے پاس چلا آؤں گا اور سنو بی اے کرنے کے بعد تمہیں مزید آگے پڑھنے کی ضرورت نہیں کہ تعلیم میری میٹرک ہی رہے گی۔ تمہیں اپنے بی اے پر اتنا فخر ہے ایم اے کرلیا تو ساری زندگی میری عذاب بنادو گی۔اب میں تم سے صرف اس وقت بات کروں گا جب تمہارے معیار کے مطابق بن کر تمہارے سامنے آؤں گا۔''

اس نے آخری بار بغور اس کو دیکھا پھر دروازے کی سمت بڑھا اور کھول کر باہر نکلا۔

دروازے کے قریب ہی نسرین پریشان کھڑی تھی۔ خرم ایک نظر اس پر ڈال کر سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔خرم نے رک کر اندر دیکھا امامہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے اونچی آواز میں رو رہی تھی وہ سر جھٹک کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا اور زیر لب کہا۔

''بے سکون اگر مجھے کیا ہے تو سکون سے اب تمہیں بھی نہیں رہنے دوں گا اور نہ ہی بی اے کے بعد پڑھنے دوں گا اور نہ ہی شادی کرنے دوں گا۔تم میری ہو صرف میری۔'' یہ کہتے ہوئے سیڑھیاں اتر گیا۔ وہ نیچے آیا تو ابھی کھانا چل رہا تھا وہ منیر اور چھوٹے نذیر سے باتیں کرنے لگا مگر دھیان سارے کا سارا روتی ہوئی امامہ کی طرف تھا۔ پھر باقی رسموں کی ادائیگی کے بعد نسرین کی رخصتی کا وقت بھی آپہنچا۔ وہ نسرین کے بھائیوں کے ساتھ اندر آیا نسرین نیچے امامہ کے پاس آچکی تھی امامہ اس کے پاس تھی مگر روئی روئی اور یہ کوئی معیوب بات نہیں تھی کہ اس کی عزیز سہیلی جدا ہورہی تھی۔ رونا تو تھا ہی اسے تاہم وہ میک اپ پھر سے کرچکی تھی نسرین کے رخصت ہوتے ہی وہ بھی اپنے گھر چلی گئی۔

امامہ نسرین سے خفا تھی مگر یہ بھی جانتی تھی کہ وہ دھوکے سے اندر آیا تھا۔ تاہم اس نے نسرین سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ تمہارے بدمعاش ماموں کی وجہ سے اب میں تمہارے ولیمے میں شامل نہیں ہوں گی۔ بڑی مشکل سے نسرین نے اس کو ولیمے پر آنے کیلئے راضی کیا تھا۔

ولیمے والے دن اس کے گھر کے سب لوگ گاڑیوں میں بیٹھ چکے تھے جب خالہ میداں اس کو خود لینے آئی تھیں کہ نسرین ان کو اس بات کی تاکید کرکے گئی تھی کہ جب سب گاڑیوں میں بیٹھ جائیں تو وہ خود جاکر امامہ کو لے کر آئیں ورنہ وہ نہیں آئے گی۔ امامہ خالہ میداں کے ساتھ باہر آئی تو خرم ان کے گھر کے دروازے کے سامنے ہی کھڑا تھا۔ امامہ کو دیکھتے ہی ایک بھرپور نظر اس پر ڈالی تو امامہ نے نگاہیں جھکالیں۔ اس نے سفید رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی جس پر جامنی ستاروں سے کام بنا ہوا تھا۔ میک اپ بھی روز کی طرح فل کر رکھا تھا۔ بال ہلکے جوڑے کی شکل میں لپیٹ کر پیچھے گردن پر ڈال رکھے تھے ساتھ فل ہیل کی دو کلر کی ہی جامنی اور سفید جوتی پہن رکھی تھی خرم سب سے لاپروا تب تک اس کو دیکھتا رہا جب تک وہ منیر بھائی کی گاڑی میں بیٹھ نہیں گئی اور دل میں اپنے مستقبل کا سوچتا رہا۔''انجام جو بھی ہو اب جو سوچا ہے وہ اب کر ڈالوں گا ماں مانے۔ یا نہ مانے۔'' اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا اور پھر اس گاڑی کی جانب بڑھ گیا جو اسے خود ڈرائیو کرنی تھی۔

نسرین کی شادی کو ابھی ایک ماہ ہی ہوا تھا۔ اس دن چھٹی تھی اور وہ حسب معمول چائے کے ساتھ سہ پہر کے ٹائم پکوڑے تل رہی تھی جب ابا کی آواز آئی وہ سامنے لاؤنج میں

اماں کے ساتھ صوفے پر بیٹھے تھے اور کہہ رہے تھے۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ خرم کو ماں کی تنہائی کا خیال کرنا چاہئے تھا۔ میں نے خود بھی اس کو سمجھایا تھا مگر پھر اسکی ایک ہی بات نے مجھے خاموش کردیا۔ خرم نے کہا ''استاد ہمارا گھر نہیں' اس تنخواہ میں گھر بن بھی نہیں سکتا۔ آپ اپنے گھر کے مالک ہیں اس لئے نہیں جانتے دو ٹکے کے کرائے دار کو تو کوئی اپنی بیٹی کا رشتہ دینا بھی پسند نہیں کرتا۔ میں پیسہ کمانے باہر جانا چاہتا ہوں مگر آپ کی اجازت سے کہ میں آپ کو اپنا استاد ہی نہیں اپنے والد کی جگہ سمجھتا ہوں۔'' اور میں نے اجازت دیدی اور پرسوں وہ دبئی چلا گیا ہے۔ خدا اس نیک بچے کو کشادہ رزق دے۔ وہ جس مقصد کیلئے گیا ہے اللہ اس میں اسے کامیاب کرے۔''

''آمین!'' اماں نے جلدی سے کہا۔ ابا اور بھی اس کے بارے میں بہت کچھ کہتے رہے جو ظاہر ہے خرم کی تعریف ہی تھی۔ اس نے جلدی جلدی سب کو چائے پکوڑے دیئے پھر اپنا چائے والا مگ لئے اپنے روم میں آئی۔ دل یہ سوچ کر ہی خوشی سے جھوم اٹھا تھا کہ آج سے وہ بھی آزاد تھی۔ اونہہ نیک بچہ' کتنا بڑا بدمعاش ہے۔ یہ صرف میں جانتی ہوں امامہ نے نفرت سے سوچا۔ اپنے روم میں ٹہلتے ہوئے خرم کو برا بھلا کہتی رہی۔ اس نے اپنی چائے ختم کی اور پھر مگ ایک طرف رکھ کر خود سکون کی ایک گہری سانس لے کر بستر پر لیٹ گئی۔ بہت بے چین کرنے والی راتوں کے بعد وہ آج ایک پرسکون نیند سونے لگی تھی۔

آج سے نہ وہ کسی کی نگاہوں کی زد میں تھی نہ نگرانی میں۔

شادی کے بعد نسرین پہلی بار اس کو ملنے آئی تو بے حد اداس تھی۔ امامہ نے اداسی کی وجہ پوچھی تو نسرین بولی۔

''تمہیں شاید معلوم نہیں ماموں ملک چھوڑ گئے ہیں۔ تمہاری وجہ سے پیسہ کمانے کیلئے اپنا گھر بنانے کیلئے تم نے انہیں دو ٹکے کا کرائے دار کہا تھا نا۔''

''فضول ہے اس کا جانا' اگر وہ میرے لئے گیا ہے تو اس کو نہیں جانا چاہئے تھا کہ وہ کتنا بھی پیسہ کمالے تعلیم تو اسکی میٹرک ہی رہے گی۔ وہ امیر ہو جائے گا۔ اپنا گھر خرید لے گا۔ مگر رہے گا تو معمولی موٹر مکینک۔'' امامہ کے لہجے میں حقارت ہی حقارت تھی۔ یہ دیکھ کر نسرین نے کہا

''اب تو ایسا نہ کہو امامہ! ماموں صرف تمہاری وجہ سے گئے ہیں۔ وہ تم سے سچی محبت

کرتے ہیں تمہارے معیار پر پورا اترنے کیلئے وہ......'' مگر امامہ نے غصے سے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''بکواس بند کرو' کچی محبت کرتا ہے' اماں کہتی ہے یہاں کوئی کسی سے محبت نہیں کرتا۔ ویسے بھی وہ مجھ سے لاکھ محبت کر لے مجھے تو اس ذلیل کمینے سے شدید نفرت ہے۔ کمینے نے محض اپنی خوشی کیلئے میری منگنی ختم کروا کے مجھے رسوا کیا' تمہاری بارات والے دن اس نے اتنی زور سے مجھے تھپڑ مارا۔ جو کچھ اب تک اس نے میرے ساتھ کیا ہے اس کے بعد محبت کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ میں اس ذلیل کمینے بلکہ بدمعاش سے شدید نفرت کرتی ہوں۔ تمہاری منگنی کے بعد شادی بھی ہوگئی اور میری منگنی ہی اس نے ختم کروادی اور اوپر سے دھمکی ہے نہ پڑھنا نہ شادی کرنی ہے۔ محبت کرنے والے یہ سب نہیں کرتے' جو کچھ اس نے کیا صاف سیدھی بات ہے کہ وہ کچھ بھی بن جائے سونے کا مالک بھی بن جائے میں اس سے شادی کرنے کے بجائے ساری عمر کنواری بیٹھنا پسند کروں گی۔ مجھے تمہارے ماموں سے شدید نفرت ہے اور یہ نفرت ہمیشہ رہے گی۔'' یہ سب سن کر نسرین کو دل ہی دل میں بے حد غصہ آیا اور اس نے بھی کہہ دیا۔

''امامہ! تم خیر کچھ بھی کہو' ماموں اپنی ضد پوری کر کے ہی رہیں گے وہ جو کہہ گئے ہیں ویسا ہی کرنا۔ یقیناً وہ تمہاری نگرانی کا کوئی معقول بندوبست کر کے گئے ہوں گے۔ ان کی مرضی کیخلاف کچھ کر کے رسوا مت ہونا۔'' اور پھر فوراً چلی گی کہ درحقیقت پہلی بار اس کو ماموں کے حوالے سے امامہ کا لہجہ برا لگا تھا۔ ایک شخص اس کی محبت پانے کیلئے بوڑھی ماں کو تنہا چھوڑ گیا تھا اور اس کے نخرے ابھی تک ختم نہیں ہوئے تھے۔

خرم کی لگائی ہوئی پابندیوں کا سوچ کر امامہ سارا وقت کڑھتی رہتی مگر کوئی حل سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ خاص کر فارغ وقت بہت مشکل سے گزرتا تھا مگر پھر اس کو دل بہلانے والا کھلونا مل گیا سارا ہی گھر خوشیوں سے بھر گیا تھا گھر کا ہر فرد خوش تھا کہ بھابی کے ہاں پیارا سا بیٹا ہوا تھا ننھے منے زین کا وجود سارے گھر کا دل بہلانے والا کھلونا تھا۔ امامہ کالج سے واپسی پر کھانا کھانے کے بعد سارا وقت زین کے ساتھ کھیلتی اور خوش رہتی اب خرم کا خیال اور اس پر غصہ کم ہی آتا تھا۔

عابد بھائی بھی جاب چھوڑ کر مستقل پاکستان واپس آچکے تھے اور ابو کے ساتھ مل کر اپنی ذاتی ورکشاپ کھول لی تھی جو کہ خوب چل نکلی تھی اور گھر میں روپے پیسے کی مزید فراوانی

ہوگئی تھی اماں اس کے جہیز کیلئے قیمتی قیمتی سامان خرید کر رکھ رہی تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ خرم کے خوف کی وجہ سے امامہ فی الحال شادی کیلئے ہاں نہیں کر رہی تھی اور اماں اس کی اس بات سے بہت پریشان تھی۔ ان کو پریشان دیکھ کر امامہ نے کہا۔

''اماں آپ کو ابھی سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اب آپ پہلے مجھے بی اے کرنے دیں، یہ سب بعد میں دیکھا جائے گا اور اماں چپ ہوگئی۔ اور پھر یہ ہوا کہ اس نے بی اے بھی پاس کرلیا تو اماں بھابی نے شادی کا کہا تو پہلی بار امامہ نے مصنوعی غصے سے چیختے ہوئے کہا۔

''شادی' شادی۔ اس کے علاوہ جیسے اور کوئی بات رہ نہیں گئی اس گھر میں کرنے کو پہلے میرے ساتھ جو ہو چکا ہے وہ کم تو نہیں جو آپ پھر سے میری رسوائی کروانا چاہتے ہیں۔'' اماں نے حیران ہو کر اسے دیکھا' پھر نرمی سے کہا۔

''اکثر لڑکیوں کے ساتھ ایسے ہو جاتا ہے اور وہ بھول بھی جاتی ہیں تم تو ایک بات پکڑ کے ہی بیٹھ گئی ہو کیا ضروری ہے کہ ہر بار ایسا ہی ہو۔ سبھی ان بے غیرت لوگوں کی طرح نہیں ہوتے۔ چلو پہلے تو تمہاری پڑھائی کا مسئلہ تھا مگر اب تو تم بی اے کر چکی ہو۔ اب کیا مسئلہ ہے۔''

'مسئلہ سبھی لوگوں کا نہیں۔ مسئلہ صرف ایک بے غیرت فرد کا ہے۔' امامہ نے دل ہی دل میں دانت پیستے ہوئے کہا اور سوچا۔

''مان جاؤ امامہ! لاڈلی! دیکھنا اب کی بار ایسا نہیں ہوگا۔ میرا رب اب میری بیٹی کا مقدر بہت اچھا کھولے گا۔ میں ہر نماز پڑھ کر تمہارے لئے دعا مانگتی ہوں۔ ہاں کردو بیٹی میں تمہارے لئے بہت پریشان ہوں۔'' اماں نے اس کو پیار کرتے ہوئے کہا اور امامہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور اس نے سوچا۔

مجھے تکلیف دینے والے! مجھے بے سکون کرنے والے! رسوا کرنے والے اور میرے خاندان کو پریشان کرنے والے! تمہیں عمر بھر خوشی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہو، اور اماں سے کہا۔

''اماں ابھی میرا دل نہیں مانتا۔ جب یہ مان گیا تو میں خود ہی آپ سے کہہ دوں گی لیکن ابھی آپ اس ٹاپک پر مجھ سے بات ہی نہ کریں تو بہتر ہے۔'' اور اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تو اماں اس کے رویے پر فوزیہ سے بات کرنے لگی۔ فوزیہ یہ سنتی رہی' خود منہ سے ایک لفظ بھی نہ کہا پھر زین کے رونے کی آواز سن کر وہ اٹھ گئی۔

کرن میٹرک کے بعد کالج چلی گئی تھی جب کہ امامہ نے اماں' ابا اور عابد بھائی سے بمشکل اجازت حاصل کر کے ایک سکول میں جاب کرلی تھی۔ اس طرح وقت بزی ہوگیا تھا۔ یہ تو طے تھا کہ اس کو خرم سے شادی نہیں کرنی تھی مگر خرم کے ہوتے ہوئے وہ اپنی مرضی سے باہر بھی شادی نہیں کرسکتی تھی اور ایسے میں گھر بیٹھ کر فارغ وقت میں سوچ سوچ کر پاگل ہونے سے بہتر تھا کہ وہ کچھ کرلے۔

خرم کو ملک سے باہر گئے ہوئے تین برس ہو گئے تھے۔ اس دوران اس نے امامہ کو فون کیا تھا نہ ہی کبھی خط لکھا تھا۔ ہاں خرم کی ماں اس کے بارے میں بات کرتی رہتی تھی یا پھر نسرین جب آتی ''ماموں خط میں تمہارا ذکر نہیں کرتے کہ کوئی اور نہ پڑھ لے مگر فون وہ مجھے صرف تمہاری خیریت معلوم کرنے کیلئے کرتے ہیں پوچھتے ہیں۔ تمہاری سہیلی اب کیسی ہے؟ غصے میں رہتی ہے یا کبھی مسکراتی بھی ہے۔ صحت اب کیسی ہے، پہلے جیسی سمارٹ یا عمر بڑھنے کے ساتھ وزن بھی کچھ بڑھ گیا ہے اور ماموں کہتے تھے امامہ سے پوچھو اگر اجازت دے تو کبھی کبھی فون کرلیا کروں۔ اب بولو کیا کہوں؟'' ماموں سے نسرین نے بات ختم کر کے اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''کتنی بار کہا ہے جب میرے پاس آؤ تو صرف اپنی باتیں کیا کرو۔'' امامہ نے غصے سے کہا مگر نسرین پھر بھی باز نہ آتی۔ شادی کے بعد وہ بھی نڈر ہو چکی تھی۔ اب وہ امامہ سے ذرا کم ہی ڈرتی تھی۔ ورنہ شادی سے پہلے اس کو اس بات کا خوف رہتا تھا کہیں ماموں کی وجہ سے اس کی امامہ سے دوستی نہ ختم ہو جائے۔ نسرین چلی گئی تو امامہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ ان گزرتے تین سالوں میں کتنا کچھ بدل گیا تھا۔ نسرین دو خوبصورت بچوں کی ماں بن چکی تھی ایک بیٹا اور ایک بیٹی اور منیر بھائی کے بعد نسرین کے دو اور بھائیوں کی بھی شادی ہوگئی تھی۔ ادھر فوزیہ بھابی زین کے بعد ایک اور پیارے پیارے ٹومی بیٹے کی ماں بن چکی تھیں۔ اماں کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ ان کو ایک بیٹا دے کر خدا نے پانچ بیٹیاں دے دی تھیں جب کہ بہو نے آتے ہی ایک کے بعد ان کو دوسرے پوتے کی دادی بنا دیا تھا مگر اسما آپا کی گود ابھی بھی خالی تھی اس کے باوجود سب ہی خوش تھے مگر وہ خود کہاں تھی؟ نہ حال اس کا اپنا تھا نہ مستقبل۔ بغیر نکاح کے وہ اس کا مالک بن بیٹھا تھا اور وہ محض اپنے خاندان کی عزت بچانے کیلئے اس کی بات ماننے پر مجبور تھی۔ اب تو نسرین بھی ماموں کی فیور میں بولنے لگی تھی بظاہر وہ بھی سب کے

ساتھ خوش تھی مگر اندر ہی اندر جو اس کی حالت تھی وہ صرف وہی جانتی تھی۔ بہت سوچنے کے باوجود اس مسئلے کا کوئی حل اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا تو زندگی میں کچھ مسئلے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا کوئی حل نہیں ہوتا۔ ایسے مسئلے وقت کے سپرد کر دینے چاہئیں کہ شاید گزرتا وقت ہی کوئی حل ڈھونڈ نکالے۔ امامہ نے بھی خرم والا مسئلہ حالات کے سپرد کر دیا تھا۔

اور انہیں دنوں ایک اچھا رشتہ اس کیلئے آ گیا۔

سب گھر والے خوش تھے کہ رشتہ ایک بہت ہی اونچے خاندان کا تھا۔ بھابی نے صاف صاف امامہ سے کہہ دیا۔

''امامہ! اب تمہارا انکار کوئی نہیں سنے گا۔ تین چار سال ہوگئے تمہیں اپنی من مانی کرتے' اب تمہیں ہاں کرنی ہی پڑے گی۔ دیکھو اماں تمہاری وجہ سے کتنی پریشان رہنے لگی ہیں۔ بولو اب کیا کہتی ہو؟'' امامہ ابھی انہیں جواب دے بھی نہ پائی تھی کہ خرم کی ماں افسردہ افسردہ سی چلی آئیں۔ سب ہی امامہ کو بھول کر ان کی طرف متوجہ ہوگئے کہ وہ خرم کے جانے کے بعد امامہ کے ابو کی منہ بولی بہن بن گئی تھیں اور امامہ کو چھوڑ کر باقی سب گھر والے ان کی بے حد عزت کرتے تھے۔ وہ اب اکثر ان کے گھر آتی رہتی تھیں اور ایسے میں امامہ کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ خرم کا سارا غصہ ان پر نکال کر دھکے مار کر باہر نکال دے مگر اماں آپا کی وجہ سے وہ اسے کچھ بھی کہنے سے گریز کرتی تھی۔ مگر اسکی آنکھوں سے چھلکتی نفرت سب گھر والے تو کیا خرم کی ماں بھی محسوس کرتی تھی اور دل میں سوچتی یہ لڑکی اپنے خاندان والوں سے الگ لگتی ہیم۔ مجھے نہ جانے کیوں گھورتی رہتی ہے۔ بھلا میں نے اس کا کیا بگاڑا ہے؟ یہی وجہ ہے وہ خود بھی امامہ سے کم ہی بات کرتی تھیں۔ مگر آج وہ امامہ کیلئے خوشی لے کر آئی تھیں۔ اماں نے افسردگی کی وجہ پوچھی تو وہ بولیں چھ ماہ ہوگئے نہ خرم نے فون کیا نہ خط لکھا نہ ہی پیسے بھیجے۔''

''ہاں ہاں' آپ نے بتایا تو تھا مجھے پر اب کیا ہوا؟'' اماں نے بڑی بے صبری سے پوچھا کہ ان کو لوگوں کی سٹوریاں سننے کا بڑا شوق تھا۔

کل خرم کا ایک دوست آیا تھا۔ وہ بتا کر گیا ہے کہ خرم نے وہاں شادی کرلی ہے۔

بات ختم کرتے ہی وہ رونے لگیں جب کہ امامہ کا دل خوشی سے جھوم اٹھا تھا۔ یہ تو ظاہری سی بات تھی کہ اگر اس نے خود شادی کر لی ہے تو پھر امامہ کو اب اپنے آپ شادی کرنے کا حق ہے۔ ''او میرے خدا تو نے میری آخر سن ہی لی۔'' اس نے دل ہی دل میں خوش ہوتے ہوئے

سوچا جب کہ خرم کی ماں کہہ رہی تھیں۔

''ابھی میری گود میں کھیلتا تھا جب اس کا باپ فوت ہوگیا میں نے دیور کے گھر نوکروں جیسی زندگی گزار کر اس کی پرورش کی مگر اس نے کچھ خیال نہ کیا۔ بے شک اپنی پسند سے شادی کر لیتا مگر مجھے بتا تو دیتا۔ مجھے کیا کہنا تھا۔ اس کی خوشی ہی میری خوشی ہے مگر اس نے کچھ بھی نہ سوچا۔ بے شک میرا دیور میری عزت کرتا تھا مگر میری دیورانی بہت تیز عورت تھی۔ سو سو باتیں بناتی رہتی تھی۔''

''بہن! ہوسکتا ہے کسی نے آپ سے غلط کہا ہو۔ خرم ایسا بچہ لگتا تو نہیں۔'' اماں کو تو خرم سارے جہاں کا شریف لڑکا نظر آتا تھا۔ امامہ کو اماں کی بات سن کر بے حد غصہ آیا مگر وہ چپ رہی۔

''آپا کسی کو کیا پڑی ہے بیوہ ماں کا دل دکھانے کی؟ بات ہو تو کوئی کرتا ہے۔'' وہ پھر سے رونے لگی۔

''چلو بہن جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اب آپ صبر کریں۔'' اماں نے ان کو تسلی دی پھر امامہ سے کہا۔ ''جاؤ امامہ! خالہ کیلئے چائے بنا کر لاؤ۔'' اچھی طرح جانتی تھی امامہ ان کی آمد کو پسند نہیں کرتی' کہیں انکار نہ کردے تاہم دل ہی دل میں وہ کبھی کبھی ضرور سوچتیں اماں کہ نہ جانے امامہ کو دونوں ماں بیٹے سے کیا دشمنی ہے؟ ادھر خرم کی ماں جو پہلے خوشی خوشی چائے پی لیتی تھیں بلکہ اکثر کھانا بھی کھا لیتی تھیں انکار کرتے ہوئے بولیں۔

''چائے رہنے دیں آپا میں نے تو کل سے روٹی بھی نہیں کھائی۔ جی نہیں چاہتا کچھ کھانے کو۔ کوئی ایسا بھی کرتا ہے جیسا خرم نے میرے ساتھ کیا ہے۔ وہ روتے ہوئے اٹھنے لگیں تو امامہ کو ان پر ڈھیروں ترس آگیا۔ اس نے دل میں سوچا اس کمینے انسان کو صرف اپنی خوشی عزیز ہے۔ دوسروں کے جذبات کا کوئی احساس نہیں۔ اس نے خرم کی ماں کا ہاتھ تھام کر دوبارہ بٹھاتے ہوئے ان کو پہلی بار محبت اور نرمی سے کہا۔

''خالہ جی! بیٹھیں آپ میں ابھی آپ کیلئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' اور کچن میں چلی گئی۔ اماں اور بھابی نے حیران ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا اور اس وقت مزید حیران ہوئیں جب امامہ نے کھانے کی ٹرے ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''اماں! آپ پہلے کھانا کھائیں تب تک میں چائے بنا کر لاتی ہوں اور پھر کچن

میں چلی گئی پھر خرم کی ماں کیلئے دودھ پتی بناتے ہوئے اس نے خود کلامی کی۔

''آپ میرے لئے نئی زندگی کا پیغام لے کر آئی ہیں۔ اب انعام میں یہ کھانا اور چائے حاضر ہے۔'' اور مسکرا دی کہ اماں اور بھابی کی حیرت ان کے چہروں پر لکھی ہوئی تھی۔ اس کو خرم کی ماں کیلئے کھانا لاتے ہوئے دیکھ کر وہ مزید حیران ہوئی تھیں۔ خرم کی ماں نے کھانا کھانے کے بعد چائے بھی پی لی اور مزید کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد یہ کہہ کر چلی گئیں کہ اب وہ چند روز تک گاؤں واپس چلی جائے گی۔ اپنے دیور کے پاس۔ یہاں رہ کر اب مجھے کرنا ہی کیا ہے۔ وہاں سب رشتے دار ہیں اور پھر میری سہیلیاں بھی وہاں ہیں دل بہل ہی جائے گا۔ یہاں تو آج کل میرا دل گھبرانے لگا ہے۔

ان کے جانے کے بعد بھی اماں اور بھابی کا خرم کی شادی پر تبصرہ جاری تھا۔ اماں کا ووٹ اب بھی خرم کے حق میں تھا۔ وہ کہہ رہی تھیں نہ جانے ایسی کیا بات ہوئی جو خرم نے شادی کر لی ورنہ لڑکا ایسا نہیں تھا۔ اب وہ پاکستان آئے تو پتہ چلے اصل بات کیا ہے۔'' ان ساس بہو کو خرم کی باتوں سے فرصت نہیں تھی جب کہ امامہ چاہتی تھی وہ ایک بار پھر اس رشتے کیلئے پوچھیں تاکہ وہ ہاں کر کے ان کو خوش کر سکے مگر جب اماں خرم کو بے گناہ ثابت کرنے میں لگی رہیں تو وہ بھی بے دلی سے اٹھ گئی اور اس کو اٹھتا دیکھ کر اماں کو جیسے کچھ یاد آ گیا اور انہوں نے محبت سے پوچھا۔

''امامہ! رات کو تمہاری خالہ اشرف کو فون کر کے پوچھنا ہے پھر کیا کہیں اس کو یہ اب بتاتی جاؤ۔''

''ہاں کہہ دیں''...... کہہ کر امامہ مارے شرم کے ان کے پاس رکی نہیں تھی اور اس کی بات ہاں میں سن کر اماں، بھابی اور کرن نے بھی حیران ہو کر جاتی ہوئی امامہ کو دیکھا۔ پھر ایک دوسرے کو کچھ توقف رہا پھر اماں نے کہا۔

''رب کا شکر ہے یہ لڑکی مان گئی۔ چل کرن ابھی ماسی اشرف کو فون کر کے کہہ دو کو وہ کل ہی لڑکے والوں کو لے کر آ جائے۔ اب دیر کرنا مناسب نہیں۔''

''اماں! اس وقت ماسی گھر پر نہیں ہوتی، آپ بھول گئی ہیں فون تو رات ہی کو ہوگا۔'' کرن نے بتایا تو اماں بولیں۔

''فوزیہ! اب منگنی وغیرہ کے چکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں ہوتے ہی فوراً

شادی کا کہہ دیں گے اور شادی سے پہلے خاندان محلے میں کسی کو کچھ بتانے کی بھی ضرورت نہیں پتہ نہیں وہ کون کمینہ ہے جس نے میری معصوم بچی کی منگنی ختم کروا کر اس کو تکلیف دی۔ کوشش کے باوجود اس کا پتہ نہیں چلا اس لئے اس بار شادی ہونے تک کسی کو کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں۔

''جی امی! آپ ٹھیک کہتی ہیں۔'' فوزیہ نے امی کی بات سے کبھی انکار کیا ہی نہ تھا۔ باقی رہی پاس بیٹھی کرن تو وہ بہت کم گو تھی صرف سنتی ہی تھی، کہتی کم ہی تھی۔ رات کرن نے نمبر ملا کر دیئے۔ اماں نے ماسی اشرف سے خود بات کی اور کہا۔

''اشرف! کل ہی ان لوگوں کو لے کر آ جاؤ، پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے۔''

''میں ابھی ان سے بات کر کے دیکھتی ہوں پھر جو ٹائم اور دن وہ بتائیں گے وہ میں آپ کو بتا دوں گی۔'' کہہ کر ماسی اشرف نے فون بند کر دیا۔ مگر چند منٹ بعد ہی ان کا فون پھر آ گیا اور ماسی اشرف نے کہا ''وہ لوگ اتوار کو آئیں گے اور سنو آپا ان کو پہلی امامہ کی منگنی کا بتانے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

''اے لو ہمارا کیا دماغ خراب ہے جو پہلی منگنی کا ذکر کریں گے مگر اشرف اتوار تو ابھی بہت دور ہے۔'' اماں نے کہہ دیا۔

''اتنی بھی دور نہیں ہے۔ آج بدھ ہے۔ باقی چار دن ہیں جہاں اتنا انتظار کیا ہے وہاں یہ بھی کریں۔'' ماسی اشرف نے ہنستے ہوئے کہا۔ جانتی تھیں پہلی منگنی ختم ہونے پر لڑکی متنفر ہو گئی تھی شادی سے۔

''اچھا ٹھیک ہے جیسا تم کہو مگر اس بار ذرا دیکھ بھال کر لانا ان لوگوں کو۔'' اماں نے کہا۔

''اے اماں کیسی باتیں کرتی ہوں۔ امامہ میری اپنی بیٹی ہے میں اس کیلئے بہت اچھا رشتہ لا رہی ہوں اور اماں نے فون بند کر دیا۔

امامہ نے شادی کیلئے ہاں کر کے ان کے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا تھا۔

کل امامہ کو دیکھنے کیلئے لڑکے والے آ رہے تھے اور بہت عرصہ بعد وہ بہت خوش تھی۔ اس نے سوچا چلو شکر ہے کمینے نے خود شادی کر لی تو مجھے بھی اپنے آپ شادی کرنے کا اب حق مل گیا۔ اچھا ہے ذلیل انسان سے میری جان چھوٹ گئی او نہہ کہتا تھا مجھے تم سے سچی

محبت ہے اور یہ کہ کنواری نہیں بیٹھنے دوں گا میں تمہیں' کچھ نہ کچھ کر ہی لوں گا اور اب خود ہی شادی کر کے بیٹھ گیا۔ اماں ٹھیک ہی کہتی ہیں یہاں کوئی کسی سے محبت نہیں کرتا۔ سب گھر والے سو چکے تھے مگر اس کو مارے خوشی کے نیند نہیں آ رہی تھی معاً فون کی رنگ ہونے لگی۔

فون کا ایک سیٹ اس کے اپنے روم میں تھا تو دوسرا باہر لاؤنج میں سب کے سننے کیلئے امامہ نے جلدی ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا اور اگلے ہی لمحے ساری خوشی خاک میں ملتی ہوئی نظر آئی کہ دوسری سمت خرم تھا۔

''امامہ! یہ تم ہونا'' وہ تھکی تھکی آواز میں پوچھ رہا تھا۔ امامہ نے جواب دینے کے بجائے ریسیور جلدی سے واپس رکھ دیا۔ فوری طور پر خرم سے بچنے کا یہی ایک حل اس کی سمجھ میں آیا تھا۔

چند سیکنڈ بعد بیل پھر ہونے لگی۔ مارے مجبوری کے اس کو پھر سے ریسیور اٹھانا پڑا کہ سب ہی گھر والے سو رہے تھے۔

ریسیور اٹھا کر ابھی اس نے ہیلو کہا بھی نہ تھا کہ خرم نے تیز لہجے میں کہا۔ ''امامہ اب کے میری بات سنے بغیر فون بند کیا تو اچھا نہیں ہوگا۔ میں صبح تک تمہیں فون کرتا رہوں گا۔ جانتی ہو نا اچھی طرح مجھے؟''

ہاں خوب جانتی ہوں۔ بدمعاشی کے سوا کچھ اور آتا بھی نہیں ہے تمہیں۔'' امامہ نے دل میں سوچا' منہ سے چپ رہی خرم کیلئے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ اس کی بات سننے کے لئے مان گئی تھی اس لئے فوراً بولا۔

''امامہ! اتنی جلدی بھول گئیں جو میں تم سے کہہ کر آیا تھا۔''

''کیا کہہ کر گئے تھے؟'' امامہ نے بن کر پوچھا۔ ورنہ اسکا اشارہ تو وہ بہت اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔

''میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ میں ساری باتیں ریپیٹ کرسکوں صرف اتنا پوچھتا ہوں کل تمہیں دیکھنے لڑکے والے آ رہے ہیں۔'' اور سنتے ہی امامہ مارے غصے کے پھٹ پڑی اور تیزی سے کہا۔

''ہاں آ رہے ہیں مجھے لڑکے والے دیکھنے مگر تمہیں کیا تکلیف ہے۔''

''امامہ! تم ہوش میں تو ہو۔'' وہ غرایا۔

''پوری طرح ہوش میں ہوں۔ خود وہاں نہ جانے کب سے شادی کر کے اپنا گھر بسا کر بیٹھ چکے ہیں تو پھر مجھے بھی شادی کرنے کا حق حاصل ہے یا دو دو شادیاں کرنے کا پروگرام بنا رکھا ہے۔'' امامہ نے غصے سے پوچھا۔

''میں نے شادی کرلی ہے یہ تم سے کس نے کہا؟'' خرم نے گویا حیرانی سے پوچھا تو امامہ نے کہا۔

''تمہاری اماں نے کہا ہے اور کس نے کہنا تھا۔ وہ بتا رہی تھیں چھ ماہ ہوگئے ہیں تم نے ان کو پیسے نہیں بھیجے اور تین ماہ ہوگئے ہیں نہ تم نے فون کیا اور نہ ہی خط لکھا۔ اب تمہارے پاکستان آنے والے کسی دوست نے بتایا ہے کہ تم نے وہاں شادی کرلی ہے۔ اور اگر یہ بات سچ ہے تو مجھے بھی شادی کرنے دیں۔'' امامہ نے مارے غصے کے اور جوش کے ایک ہی سانس میں بات مکمل کی۔ اس کی بات کے جواب میں دوسری سمت مکمل خاموشی تھی یہ دیکھ کر امامہ نے کہا۔ ''تم کیا سمجھتے تھے کہ میں تمہاری شادی سے بے خبر رہوں گی' پکڑی گئی نا آخر تمہاری چوری۔''

''کیسی شادی اور کیسی چوری۔ پتہ نہیں تم کیا کہہ رہی ہو۔''

؟؟ اتنے سیدھے نہیں ہیں کہ میری بات کی سمجھ نہ آسکے۔'' امامہ نے نفرت سے کہا تو خرم ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں کہنے لگا۔

''میری بات غور سے سنو امامہ! تمہارے معیار پر پورا اترنے کیلئے میں تو دن رات کا فرق بھول کر صرف پیسہ کمانے میں مصروف ہوں۔ رات گئے جب تھکا تھکا گھر آتا ہوں تو میرے ساتھ صرف تم ہوتی ہو۔ تمہیں ساتھ لئے بستر میں آتا ہوں اور بازوؤں میں لے کر سو جاتا ہوں۔ میں اسی صورت کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہوں اور تم کہتی ہو میں نے یہاں شادی کرلی ہے۔ اپنا گھر بسا کر بیٹھ گیا ہوں۔ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میری شادی ہوگی تو صرف تم سے۔ یاد رکھنا آج پھر کہہ رہا ہوں میری شادی صرف اور صرف تم سے ہوگی۔''

وہ گویا سانس لینے کو رکا پھر کہا۔ ''باقی رہی ماں کو چھ ماہ سے پیسے نہ بھیجنے کی وجہ تو ماں کو میں ہمیشہ تین ماہ کے اکٹھے پیسے بھیجتا ہوں۔ تین ماہ کے ختم ہوتے ہی میرا ایکسیڈنٹ ہوگیا۔ اس لئے ماں کو چھ ماہ تک پیسے نہ جاسکے۔ اب انشاء اللہ ان کو ایک دو دن میں پیسے مل جائیں گے اور رہی فون نہ کرنے اور خط نہ لکھنے کی وجہ تو خط لکھنا تو دور کی بات میں تو فون کرنے کے بھی

قابل نہیں رہا تھا۔ اتنا شدید ایکسیڈنٹ ہوا تھا میرا۔ آج ہی گھر آیا ہوں اور ابھی بھی بیڈ ریسٹ پر ہوں۔ تم سن رہی ہو۔'' امامہ کو خاموش دیکھ کر خرم نے کہا۔ ''جی۔'' امامہ کو اپنی آواز کہیں دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی اس کی جی سن کر خرم نے کہا۔

''تم کیا سمجھتی ہو میں تمہاری طرف سے بے خبر ہوں یا میں نے پاکستان میں تمہیں تنہا چھوڑ رکھا ہے تو ایسا ہرگز نہیں۔ میں تمہاری نگرانی کا کام اپنے ایک قریبی دوست کے سپرد کر کے آیا تھا۔ اس لئے کہ امامہ محبت تو مجھے صرف تم سے ہے تمہیں تو مجھ سے شدید نفرت ہے۔ ہاں تو آج میرے اس دوست کا فون آیا تھا یہی وجہ ہے مجھے تم کو فون کرنا پڑا۔ امامہ! میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کسی اور کے نام کی انگوٹھی نہیں پہننا مگر تم نے پہن لی اور پھر انجام بھی دیکھ لیا اب پھر کہتا ہوں سنو امامہ! کل تم مہمانوں کے سامنے نہیں جاؤ گی۔ یہ میرا حکم ہے۔ سمجھیں؟ یاد رکھنا اگر تم نے میرے کہنے کے خلاف کیا تو پھر اس انجام کیلئے تیار رہنا جو میں تم کو بتا کر آیا تھا تم سمجھتی کیوں نہیں ہو؟ مجھے تم سے سچی محبت ہے۔ نہیں دیکھ سکتا میں تمہیں کسی اور کے ساتھ۔ تم صرف میری ہو' کیوں پردیس میں بھی مجھے پریشان کرتی ہو جہاں تین سال انتظار کیا ہے وہاں دو سال مزید انتظار کرلو۔ پانچ سال مانگے تھے میں نے تم سے اور اپنے وعدے کے مطابق پانچ سال مکمل ہوتے ہی میں تمہارے پاس موجود ہوں گا تم سن رہی ہونا' امامہ!'' اس کی جانب سے گہری خاموشی پا کر خرم نے ایک بار پھر پوچھا۔

''جی۔'' امامہ کے منہ سے ایک بار پھر بمشکل آواز نکلی تھی۔

''اب اپنی سناؤ تم کیسی ہو اور کیا کرتی ہو؟'' خرم کے لہجے میں تھکن کے ساتھ محبت در آئی۔

''میں ٹھیک ہوں اور جاب کرتی ہوں۔ نسرین نے نہیں تو میری نگرانی کرنے والے نے تم کو بتا دیا ہوگا۔'' امامہ نے دھیمی آواز میں کہا اور خرم ہنس پڑا پھر کہا۔

''ہاں مجھے معلوم ہے تم جاب کرتی ہو چلو اور دو سال کرلو وقت بڑی گزرتا ہوگا۔ فارغ گھر میں بیٹھ کر مجھے کوسنا ہی ہے اور دیکھو امامہ! ماں اکیلی ہے ماں کا خیال رکھنا اور اپنا بھی خیال رکھنا۔'' اور خدا حافظ کہہ کر خرم نے فون بند کر دیا۔

مگر امامہ یونہی ہاتھ میں ریسیور تھام کر گم صم بیٹھی تھی۔

☆......☆......☆

ساری خوشی وہ پل بھر میں خاک میں ملا گیا تھا۔

''اے کاش کہ اس ایکسیڈنٹ میں تمہیں موت آ جاتی۔ تم مر جاتے خرم!'' امامہ نے بے رحمی سے سوچا پھر واپس ریسیور رکھ کر بستر میں لیٹ کر رونے لگی۔ انکار تو اب ہر حال میں کرنا تھا۔ مگر فوری طور پر انکار کرنے کا کوئی جواز نظر نہیں آ رہا تھا۔

صبح ہونے والی تھی اور وہ سوچ سوچ کر پاگل ہو رہی تھی۔ دماغ ماؤف ہو رہا تھا مگر کوئی معقول حل سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ خود ہی ہاں کر کے خود ہی ناں کرنا کوئی آسان بات نہ تھی۔ مگر انکار تو لازمی کرنا تھا۔ اپنے لئے نہیں' اپنے خاندان کی عزت کے لئے۔ اماں خفا ہوں گی' ہوتی ہیں خفا تو ہوں۔ میں صبح ہوتے ہی انکار کر دوں گی۔ اس نے روتے ہوئے بے بسی سے سوچا اور پھر صبح اس نے پروگرام کے مطابق کمرے میں خود کو بند کر لیا تھا۔ کرن ناشتے کے لئے بلانے آئی تو امامہ نے کہا۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ مجھے ناشتہ نہیں کرنا اور نہ ہی سکول جانا ہے۔ اماں سے کہہ دو۔'' کرن نے اماں کو بہن کا پیغام دیا اور خود کالج چلی گئی تو اماں نے فوزیہ سے کہا۔

''جاؤ دیکھو اب کیا ہو گیا ہے؟ آج تو لڑکے والوں کو آنا ہے۔'' ساس کی بات سن کر فوزیہ' امامہ کے روم میں آئی تو وہ بستر میں اوندھی لیٹی تھی۔ فوزیہ بھابی نے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے محبت سے پوچھا۔

''کیا ہوا امامہ!؟ اٹھو اماں تمہیں ناشتے کے لئے بلا رہی ہیں اور آج تمہیں فیشل کے لئے پارلر بھی جانا ہے۔ شام کو لڑکے والوں کو آنا ہے۔ کیا بھول گئی ہو؟''

''مجھے ناشتہ نہیں کرنا اور نہ ہی فیشل کے لئے پارلر جانا ہے۔ آپ اماں سے کہہ دیں وہ لڑکے والوں کو آنے سے منع کر دیں۔ مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔'' امامہ نے ان کا ہاتھ سر

سے ہٹاتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو امامہ؟ تم ہوش میں تو ہو۔'' بھابی نے حیران ہو کر اس کو دیکھا۔

''خود ہی ہاں کر کے خود ہی ناں کر رہی ہو۔ کیا یہ مذاق تھا۔''

''میں ہوش میں ہوں یا نہیں اس بات کو بھول کر میں نے جو کہا ہے وہ اماں سے کہہ دو۔'' اب کے امامہ نے خشک لہجے میں کہا تو فوزیہ فوراً کمرے سے نکل گئی اور جا کر ساری بات اماں کو بتا دی۔ ساری بات سن کر اماں نے کہا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس نے خود ہی تو ہاں کی تھی۔ پھر اب کیا ہو گیا ہے؟ جا کر پوچھتی ہوں۔'' اور جب وہ امامہ کے پاس آئیں تو امامہ نے ان کو بھی کورا سا جواب دے دیا۔

''امامہ! یہ اچانک کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ کیا بھول گئی ہو تم نے خود ہی تو ہاں کی تھی۔ اب انکار کیوں کر رہی ہو۔ وجہ بھی تو بتاؤ۔'' ان کی سمجھ میں نہ آیا کیا کریں یا کیا کہیں؟

''وجہ بتانا ضروری ہے۔'' امامہ نے شکل بگاڑ کر کہا۔

''ہاں ضروری ہے۔ لڑکے والوں کو کیا کہہ کر آنے سے منع کریں؟'' اماں نے پوچھا۔

''اماں! میرا دماغ خراب نہ کریں۔ لڑکے والوں کو روک دیں۔ یہ کہہ کر کہ لڑکی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔'' امامہ نے غصے سے چیخ کر کہا۔

اماں نے حیران ہو کر اس کی شکل دیکھی۔ یہ لہجہ تو امامہ نے پہلی بار اختیار کیا تھا۔ وہ کام چور تھی۔ سست تھی مگر بدتمیز ہرگز نہیں تھی۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے نکل آئیں۔ کتنی دیر غصے سے بھری صحن میں بولتی رہیں پھر ماسی اشرف کو فون کر کے کہہ دیا۔

''وہ لڑکے والوں سے کوئی بہانہ کریں۔ امامہ نے ایک بار پھر شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے۔'' پھر فون بند کر کے اماں نے رازداری سے بہو سے کہا۔

''مگر اماں! جادو ٹونہ کرے گا کون؟ آپ کی تو ساری دنیا سے دوستی ہے۔''

''تم نے شکل اور آنکھیں دیکھی ہیں امامہ کی۔ اس لہجے میں تو اس نے ساری زندگی بات نہیں کی۔ اے فوزیہ! یہ بات رہنے دو۔ کسی کے دل میں گھس کر کس نے دیکھا ہے۔ دنیا منہ پر کچھ بعد میں کچھ۔ سوجن سو دشمن۔ کوئی بات ہے ضرور...... ارے......''

انہوں نے چونکتے ہوئے کہا۔ ''کہیں آسیب کا سایہ نہ ہو گیا ہو۔ امامہ کے سکول

میں جو بڑ کا قدیم درخت ہے کینٹین والی ماسی نے ایک بار مجھے بتایا تھا اس پر آسیب رہتا ہے۔ اور امامہ اس درخت کے نیچے لازمی بیٹھتی ہے۔ اگر یہ بات ہے تو اب امامہ کو کسی پیر سے دم وغیرہ کروانا ہوگا۔ بلکہ مکمل علاج کروانا ہوگا۔ میں کل ہی میداں کو لے کر پیر صاحب کے پاس جاؤں گی۔''

''پر امامہ کو سکول چھوڑے تو کئی سال بیت گئے۔'' فوزیہ نے عقل کی بات کہی۔

''فوزیہ! آسیب بہت دیر سے ظاہر ہوتا ہے۔ ہائے میری معصوم بچی مجھے بہت پہلے یہ کرنا چاہئے تھا۔'' ماں نے فکرمندی سے کہا۔ اب کے فوزیہ چپ ہی رہی تھی۔ امامہ نے کہا تھا لڑکے والوں سے کہہ دیں امامہ کی طبیعت ٹھیک نہیں اور پھر وہ واقعی بیمار ہو گئی۔ یہ سوچ کر کہ خرم واقعی کبھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ مگر خرم سے شادی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اس کی بیماری نے اماں کو مزید پریشان کر ڈالا۔ ڈاکٹری علاج کے ساتھ ساتھ وہ امامہ کو پیر صاحب کا دم کیا پانی پلاتیں۔ تعویذ اس کے نام کے جلاتیں۔ آہستہ آہستہ امامہ کی طبیعت سنبھلنے لگی۔ مگر انہی دنوں ایک رات اچانک اباجی کی طبیعت خراب ہوئی۔ عابد بھائی فوراً اپنی گاڑی میں ڈال کر ہسپتال لے گئے مگر اباجی کو زندہ واپس آنا نصیب نہ ہوا۔ دل کا پہلا دورہ ہی ان کیلئے جان لیوا ثابت ہوا۔ اباجی کی موت خاندان کیلئے ایک بہت بڑا صدمہ تھی۔ سارا گھر سوگ میں ڈوب گیا۔ ہر فرد دکھی تھا۔ سب ہی ابا کو یاد کرتے اور روتے۔ وقتی طور پر سب ہی امامہ کو بھول گئے کہ صدمہ ہی شدید تھا پھر آہستہ آہستہ زندگی چلنے لگی۔ سبھی سنبھلنے لگے مگر امامہ تو پہلے سے بھی زیادہ گم سم ہو کر رہ گئی تھی۔

اباجی کی وفات کا پتہ لگتے ہی خرم نے تعزیت کیلئے فون کیا تھا اور اٹھایا بھی اتفاق سے امامہ نے تھا۔ تاہم وہ اس کی آواز نہ پہچان سکی تھی۔ مگر خرم نے اس کی آواز پہچان لی تھی۔ اس لئے کہنے لگا۔

''امامہ! مجھے اباجی کی موت کا بے حد صدمہ ہوا۔ وہ تمہارے ہی نہیں میرے بھی والد تھے۔ میں نے ان سے ہمیشہ باپ کی شفقت پائی۔

امامہ یہ سنتے ہی رو پڑی اور اس کا رونا خرم کو تڑپا گیا۔ ابھی چند روز پہلے ہی تو نسرین نے بتایا تھا کہ وہ سخت بیمار ہے۔ پتہ نہیں اس کو ہوا کیا ہے؟ خرم فوراً سمجھ گیا۔ اس نے

امامہ کو فون کر کے مہمانوں کے سامنے آنے سے منع کیا تھا۔ ایک بار پھر شادی کرنے سے روک دیا تھا۔ انہی باتوں کا اثر لے کر وہ بیمار ہوگئی تھی۔ وہ چاہنے کے باوجود اسے فون نہ کر سکا اور اب ابا جی کی وفات کا سن کر کیا تو محض اتفاق تھا فون امامہ نے اٹھایا تھا۔ اس کی اپنی دلی آرزو تھی کہ فون امامہ ریسیو کرے۔ شاید قبولیت کی گھڑی تھی۔ خرم نے بے قراری سے کہا۔

''دیکھو امامہ! خود کو سنبھالو' رونا نہیں' صبر کرو۔ تمہاری طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں۔ پلیز۔''

اب امامہ نے آواز پہچان لی تھی۔ فوراً فون بند کر کے اپنے روم میں آ گئی۔ تھوڑی دیر بعد بیل پھر سے ہونے لگی۔ اب کہ عابد بھائی نے آ کر اٹھایا۔ امامہ نے سنا وہ کہہ رہے تھے۔

''بس یار! اللہ کی رضا تھی۔ دکھ تو پھر اپنوں کے جدا ہونے کا ہوتا ہی ہے۔ لیکن یہ جو زخم دیتا ہے وہی بھرتا بھی ہے۔'' کچھ دیر خاموشی رہی۔ عابد بھائی یقیناً ادھر سے ہونے والی باتیں سن رہے تھے۔ پھر عابد بھائی کی آواز آئی۔

''اماں جان! خرم کا فون ہے۔ وہ آپ کو بلا رہا ہے۔'' چند سیکنڈ خاموشی رہی پھر ماں کی آواز آئی۔ دوسری طرف سے شاید خرم نے سلام کیا جس کا جواب دینے کے بعد ماں نے ضبط کرنے کیلئے چند لمحوں کی خاموشی اختیار کی پھر کہا۔

''بس بیٹا! یہی مرضی تھی مولا کی۔ صبر تو اب آتے آتے ہی آئے گا۔ بس یہ چاہتی تھی' یہ خواہش تھی دونوں چھوٹی بیٹیوں کو رخصت کرنے کی مہلت دے دیتا۔ مگر اس کے کام میں کون دخل دے سکتا ہے۔ باقی سب تو ٹھیک ہے بس امامہ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ تم سناؤ کیسے ہو؟ تمہاری امی بتا رہی تھیں تمہارا بہت بڑا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ اب ٹھیک ہے۔ اللہ ٹھیک ہی رکھے۔

یہ بتاؤ واپس کب آ رہے ہو؟ دو سال بعد' اے بیٹا! تمہاری ماں اکیلی ہے کم از کم ان کو آ کر مل جاتے۔ اچھا جیسے تمہاری مرضی۔'' پھر خدا حافظ کہہ کر اماں نے فون بند کر دیا اور عابد سے کہا۔ ''بہت شریف اور نیک لڑکا ہے کہہ رہا تھا مجھے لگتا ہے جیسے میں دوسری بار یتیم ہوا ہوں۔ تمہارے ابا اس کو محبت بھی تو بیٹوں جیسی دیتے تھے۔'' بات ختم کر کے ماں پھر اپنے کمرے میں چلی گئیں کہ وہ اب سارا وقت ابا جی کیلئے قرآن پڑھتی رہتی تھیں۔

اور پھر ابا جی کا چہلم بھی ہوگیا اور ابا جی کے چہلم کے دوسرے دن تینوں بڑی بہنیں امامہ کو گھیر کر بیٹھ گئیں اور پوچھنے لگیں۔

''کیوں بھئی! تم شادی سے انکار کیوں کرتی ہو۔ جانتی ہو اماں تمہاری وجہ سے کتنی پریشان ہیں۔'' بڑی باجی نے پوچھا۔

''میں شادی سے انکار نہیں کرتی۔ ابھی موڈ نہیں شادی کرنے کا۔ پہلے ہی جو کچھ میرے ساتھ ہو چکا ہے اس کی وجہ سے میرا دل ڈرتا ہے۔ اگر پھر بھی سب ہوا تو۔ جب یہ ڈر میرے دل سے نکل جائے گا تو میں شادی کیلئے ہاں کر دوں گی۔'' امامہ نے ابا کی موت کی وجہ سے نرمی سے بات کی ورنہ شادی کے نام پر تو وہ ہر کسی کو کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی۔ اس کی بات سن کر چھوٹی باجی نے کہا۔

''یہ تو کوئی خاص وجہ نہ ہوئی۔ تمہیں اندازہ ہی نہیں تمہارے رویے سے کتنے لوگ پریشان ہیں۔ ابا بھی تمہاری وجہ سے پریشان تھے۔ شاید ان کو اس وجہ سے دل کا دورہ پڑا جوان کی جان لے گیا۔''

''اے خبردار جو ایسی ویسی بات کی۔'' اماں نے پاس بیٹھی امامہ کو سینے سے لگا لیا۔

''جس کی جتنی لکھی ہوتی ہے وہ اتنی پوری کر کے چلا جاتا ہے۔ تمہارے ابا کی بس اتنی لکھی تھی اور وہ پوری کر کے چلے گئے۔''

''اگر اماں' امامہ کی شادی ہو چکی ہوتی تو ابا سکون سے جاتے۔'' چھوٹی باجی نے پھر کہا۔ آپا خاموش بیٹھی تھیں۔

''جتنی خوشیاں کسی کی قسمت میں ہوتی ہیں وہ اتنی ہی دیکھ کر جاتا ہے۔ نہ کم نہ زیادہ اور ابھی میں زندہ ہوں۔ خبردار! آئندہ کسی نے امامہ کے ساتھ ایسی بات کی۔'' سب بہنیں چپ ہوگئی تھیں اور پھر اسی شام وہ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلی گئیں۔

☆......☆......☆

''اب تمہاری عمر 25 برس ہو چکی ہے۔ آج ذرا اچھی طرح سوچ کر مجھے جواب دو تمہیں شادی کرنی ہے یا نہیں؟ اب ماشاء اللہ کرن بھی جوان ہو چکی ہے۔ تمہاری وجہ سے اس کی شادی تو لیٹ نہیں کر سکتے۔''

''اماں! دوسری لڑکیوں کی ماؤں کی عادت ہوتی ہے۔ جب اپنی بیٹیوں کی عمر کی

باتیں کریں گی تو دو چار سال کم کر کے بتائیں گی اور آپ نے بیٹھے بٹھائے میری عمر میں ایک سال کا اضافہ کر دیا۔ غور سے سن لیں ابھی میں 24 برس کی بھی نہیں ہوئی۔'' امامہ نے ہنستے ہوئے وضاحت کی پھر سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولی۔ ''باقی رہی شادی کی بات سو آپ کو میری وجہ سے کرن کی شادی لیٹ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اماں آپ پہلے کرن کی شادی کر دیں' میری بعد میں بھی دیکھی جائے گی۔'' اس نے بات ختم کر کے پاس بیٹھی ہوئی کرن کو شرارت بھری نظروں سے دیکھا۔

''مجھے تو آپی ابھی معاف ہی رکھیں۔ ایم بی اے کا آخری سال شروع ہوا ہے۔ تعلیم مکمل کرنے سے پہلے میں شادی نہیں کروں گی۔'' کرن نے صاف جواب دے دیا تو اماں پھر سے امامہ کی طرف متوجہ ہوئیں اور امامہ مزید بات کرنے کے بجائے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اماں اس سے اس بات کا جواب پوچھتی تھیں جس کا جواب اس کے بجائے خرم کے پاس تھا۔ وہ اپنے روم میں چلی گئی تو اماں نے فوزیہ سے کہا۔

''اچھا رشتہ ملنے کی بھی ایک عمر ہوتی ہے۔ تم بھابی ہو ذرا پیار سے پوچھو اس کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔ یا تو شادی سے انکار کر دیتی مگر نہ ہاں کرتی ہے نہ ناں۔''

''جی امی! ضرور۔'' فوزیہ نے کہا مگر ہوا یہ کہ جو جواب امامہ نے اماں کو دیا تھا وہی فوزیہ کو بھی دے دیا اور بات ایک بار پھر ختم ہو گئی تھی۔ اماں پریشان تھیں مگر امامہ سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھیں۔

☆......☆......☆

خرم کو ملک چھوڑے پانچ سال مکمل ہو گئے تھے۔ بلکہ چند ہفتے اوپر ہی ہو گئے تھے۔ زندگی کی ایک روٹین بن گئی تھی۔ آدھا دن سکول میں گزر جاتا تھا۔ باقی آدھا دن زین' ثومی اور کرن کے ساتھ۔

مگر رات پریشان کرتی تھی۔ اپنے کمرے میں تنہا تنہا دیر تک سوچوں میں گم رہتی۔ کبھی دل بھر آتا تو رو لیتی اور کبھی سوچتی سوچتی سو جاتی۔ اب کوئی نہیں تھا جس سے دل کی بات کہتی۔ نسرین تھی وہ تیسرے بچے کے بعد اس کے پاس کم ہی آتی تھی اور اگر کبھی بھول کر آتی بھی تو اس کے بجائے خرم کی بات کرتی تھی۔ اس لئے امامہ چاہتی تھی کہ وہ نہ ہی آئے۔ اپنی تنہائیوں کے ساتھ اس نے کمپرومائز کر لیا تھا۔ یہ سوچ کر کہ رہنا تو اب ساری زندگی تنہا ہی

تھا کہ خرم سے تو شادی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہی زندگی تھی اس کی اور وہ تھی۔

اس شام وہ کچن میں کھڑی برتن صاف کر رہی تھی۔ اماں اور کرن دونوں سامنے لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔ بیل کی آواز سن کر اماں اٹھ کر گئیں پھر امامہ نے ان کی شفقت بھری آواز سنی۔

''لو بھلا بیٹا تمہیں دستک دینے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہارا اپنا گھر ہے۔ سیدھے اندر چلے آتے۔'' آنے والے نے کیا کہا امامہ سن نہ سکی کہ وہ دھیمی آواز میں بولا تھا پھر اماں آنے والے مہمان کو لئے سیدھی لاؤنج میں آ گئیں۔ امامہ نے کچن کی جالی سے بطور خاص دیکھا۔ آف وائٹ ٹو پیس سوٹ میں ملبوس وہ شخص اماں کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔

''یہ کون ہو سکتا ہے؟'' امامہ نے سوچا۔ وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ پائی تھی۔ آنے والا کرن کے سلام کا جواب دے کر اماں کی طرف متوجہ ہوا تو اماں نے کرن سے کہا۔

''جاؤ کرن' امامہ سے کہو بھائی کیلئے دودھ پتی بنا دے اور دیکھو فریج میں کیک ہے' نہیں تو میں جا کر ابھی لے آتی ہوں۔'' اماں کی آوز سنتے ہی امامہ کے ذہن میں چھناکا سا ہوا۔ اس نے غور سے دیکھا اور سوچا کیا یہ چھچھورا سا لڑکا خرم ہے۔ جس کو کپڑے پہننے کی بھی تمیز نہیں تھی۔ جو سر تیل کی کڑاہی میں ڈبو کر رکھتا تھا۔ بغور دیکھنے پر معلوم ہوا وہ خرم ہی تھا۔ مگر اس وقت اچھے لباس کے ساتھ ساتھ چہرے پر بھی سوبر پن اور سنجیدگی تھی۔

خوبصورت تو وہ پہلے ہی تھا۔ قد' ناک' ہونٹ' دانت' آنکھیں اور خاص کر اس کے چہرے پر موجود اس کی سیاہ گھنی مونچھیں اس کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کرتی تھیں۔ رنگ اس کا امامہ کے اپنے رنگ سے بھی گورا تھا۔ آج اس کے بالوں میں تیل بھی نہیں تھا۔ وہ پہلے والا خرم کہیں سے بھی نہیں لگ رہا تھا۔ وہ شاید اس کیلئے ہی یہ خاص تیاری کر کے آیا تھا کہ آخری ملاقات میں اس نے امامہ سے کہا تھا۔ اب تمہارے سامنے اس وقت آؤں گا جب تمہارے معیار کے مطابق بن جاؤں گا اور اب وہ اس کے معیار کے مطابق بن کر آیا تھا۔ امامہ اس کو دیکھتی رہی۔

اس نے چائے پینے سے انکار کر دیا تھا اور اماں کے ساتھ ساتھ کرن سے بھی باتوں میں مصروف تھا۔ ابھی تک اس نے نظر اٹھا کر بھی ادھر ادھر نہیں دیکھا تھا۔ اور تو اور امامہ کے کمرے کی طرف بھی نہیں دیکھا تھا۔ امامہ کچن میں اپنا کام ختم کر چکی تھی مگر محض اس کی وجہ سے

باہر نہیں جارہی تھی۔ وہ اس کا سامنا کرنا نہیں چاہتی تھی جس نے اس کی زندگی تباہ کر رکھی تھی مگر اسی وقت فون کی بیل ہونے لگی۔ کرن نے اٹھ کر سنا پھر آواز دی۔

''آپی آپ کا فون ہے۔''

امامہ کا جی چاہا کہہ دے بند کردو مگر یہ ایک نامناسب بات تھی۔ وہ کچن سے نکل کر لاؤنج میں آئی اور خرم سے بچنے کیلئے بڑی تیزی سے اپنے روم کی طرف بڑھی ہی تھی کہ اماں نے پکارا۔

''امامہ! ادھر آؤ دیکھو بھائی آیا ہے' سلام کرو۔'' اماں بھول چکی تھیں کہ اس کو خرم سے کتنی چڑ تھی اور اب اس ذلیل انسان کو سلام کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ جہاں تھی وہاں رک گئی' ماتھے پر بل پڑ گئے۔

خرم اس کے گریز کو سمجھ رہا تھا۔ جانتا تھا اس وقت اس کو ناگہانی طور پر اپنے گھر میں دیکھ کر شدید غصے میں ہوگی۔ اب اماں کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا کہ وہ خرم سے شدید نفرت کرتی تھی اور ہمیشہ اس کو ایک بدمعاش لڑکا کہتی تھی اور اب اسی بدمعاش لڑکے کو سلام کرنے کا اماں اس کو کہہ چکی تھیں اور اب خرم کی عزت تو رکھنی تھی اس لئے اس کو رکتے دیکھ کر کہا۔

''امامہ سلام کرو' بھائی کتنے سالوں بعد آیا ہے۔'' وہ مارے مجبوری کے نگاہیں جھکائے خرم کے پاس آئی اور سلام کیا۔ خرم نے ایک سرسری نگاہ اس پر ڈالی۔ اس کے باوجود شکن آلودہ پیشانی چھپی نہ رہ سکی۔ پھر سلام کا جواب دینے کے بعد بڑے ادب سے پوچھا۔

''کیسی ہیں آپ؟''

''ٹھیک ہوں۔'' کہہ کر امامہ فوراً مڑی اور اپنے کمرے میں چلی آئی۔ دل میں اس کو پانچ سال بعد دیکھ کر نفرت کا طوفان امڈ آیا تھا۔ اندر آ کر اس نے بے دلی سے فون سنا پھر بستر پر لیٹ گئی۔ خرم کو دیکھ کر گزرا ہوا زمانہ پھر سے یاد آ گیا تھا اور اس نے سوچا' تو یہ ہے وہ شخص جو بغیر نکاح کے اس کا مالک بنا بیٹھا ہے جس نے پانچ چھ سال سے اس کو ذہنی طور پر ٹارچر اور بے سکون کر رکھا ہے۔ اپنی خوشی کے لئے میری منگنی تڑوا کے مجھے رسوا کیا۔ بہت بے آرام بے سکون رہی میں مگر اب اس کی باری ہے۔ وہ اس خوشی میں مبتلا ہے کہ وہ چار پیسے کما کر میرے معیار کے مطابق بن گیا ہے اور اب میں اس کو ٹھکرا کر بتا دوں گی کہ میرے لئے نہ

پہلے اس کی اہمیت تھی اور نہ اب ہے اور نہ ہی کبھی ہوگی۔ کہتا تھا کہ کنواری نہیں بیٹھے دوں گا تمہیں۔ کچھ نہ کچھ کردوں گا میں۔ اب دیکھتی ہوں کیا کرتا ہے۔ میرے انکار کے بعد' کیا زبردستی اٹھا کر لے جائے گا اور یہ اماں اچھی طرح جانتی ہیں کہ مجھے اس کمینے سے سخت نفرت ہے پھر بھی کہہ دیا بھائی کو سلام کرو' نہ سلام کرتی تو کیا عزت رہ جاتی اماں کی اور ساتھ ساتھ خرم کی بھی۔ بڑا بن ٹھن کر آیا ہے' وہ مسلسل خرم کے ہی بارے میں سوچ رہی تھی کہ کرن اندر آئی اور کہا۔

''آپی! آپ کو اماں بلا رہی ہیں۔''

''مجھے نہیں جانا اس کے سامنے۔'' امامہ نے ناگواری سے کہا۔

''کس کے سامنے؟'' کرن نے حیرانی سے پوچھا۔

''وہی جو اماں کے پاس بیٹھا ہے۔'' امامہ چاہنے کے باوجود اندر کی نفرت نہ چھپا سکی تو کرن نے بتایا۔

''آپی! خرم بھائی تو آپ کے کمرے میں آتے ہی چلے گئے تھے۔'' یہ سن کر وہ اٹھ کر باہر آئی تو اماں اکیلی بیٹھی تھیں۔ بھابی بچوں کو لے کر میکے گئی ہوئی تھیں۔

امامہ آ کر اماں کے پاس بیٹھی تو اماں نے کہا۔ ''کتنی بری بات ہے امامہ! میں نے اگر بھول کر تم کو سلام کرنے کا کہہ ہی دیا تو تم جہاں تھیں وہاں رک گئیں۔ منت کرنے پر سلام کرنے آئیں۔ پتہ نہیں تمہاری کیا دشمنی ہے خرم سے جو پانچ سال بعد بھی یہ نفرت ختم نہیں ہوئی۔'' امامہ نے چپ رہنا ہی مناسب سمجھا اور اماں نے پھر کہا۔

''چند روز پہلے مجھے خرم کی ماں نے بتایا تھا کہ خرم مستقل پاکستان آ رہا ہے۔ اب وہ پاکستان میں اپنا ذاتی کاروبار کرے گا اور اب خرم بھی آج ہی تو آیا ہے۔ دیکھا کتنا نیک بچہ ہے آتے ہی مجھ سے ملنے اور سلام کرنے چلا آیا ہے۔''

اونہہ نیک' ایک نمبر کا بدمعاش بچہ ہے۔ امامہ نے دل میں کہا۔ منہ سے چپ رہی پھر سوچا اونہہ اپنا کاروبار کرے گا۔ جیسے عابد بھائی نے اپنی ورکشاپ کھول لی تھی ویسے یہ بھی اپنی ورکشاپ کھول لے گا۔ موٹر میکینک اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔ اس کو سوچوں میں دیکھ کر اماں بھی سمجھ گئیں وہ خرم کا ذکر پسند نہیں کر رہی۔ اس لئے خرم کو چھوڑ کر بھائی اور بچوں کی باتیں کرنے لگیں کہ بچوں کے جانے سے گھر میں رونق نہیں رہی۔ وہ چپ چاپ بیٹھی سنتی رہی'

دھیان اب بھی خرم کی طرف تھا۔

''وہ یقیناً اب مجھ سے اکیلے میں ملنے کے چکر میں رہے گا۔ مگر مل نہیں سکے گا کہ خالہ میداں کے گھر تو میں جاتی نہیں ہوں اسے کون سا روز ہمارے گھر آتا ہے۔ اب میں بھی اس کے سامنے نہیں آؤں گی اور آئی بھی تو بات نہیں کروں گی۔ لیکن اگر اس نے بات کی تو جواب تو دینا ہی ہوگا۔ ظاہر ہے وہ ملک سے باہر میرے لئے گیا تھا پھر بھلا مجھ سے بات کیوں نہیں کرے گا۔ ٹھیک سے بات کرے گا تو جواب وہی پہلے والا ملے گا اور اب اگر اس نے مجھے چھونے کی کوشش کی تو ایسا مزا چکھاؤں گی کہ ساری زندگی یاد رکھے گا۔

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسلسل خرم ہی کے بارے میں سوچے جا رہی تھی۔ مگر اس نے جو سوچا تھا ویسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ اس نے امامہ سے تنہائی میں ملنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ملنا تو دور کی بات وہ اس شام کے بعد اس کو کہیں نظر بھی نہیں آیا تھا اور یہ بات امامہ کیلئے حیرت کا باعث تھی۔ سکول سے آنے کے بعد وہ کھانا کھا کر سکول سے ساتھ لائی ہوئی ہوم ورک والی کاپیاں چیک کر رہی تھی جب اماں نے آواز دی۔

''امامہ! جلدی سے باہر آؤ۔'' اماں کی طبیعت بھی اس دن ٹھیک نہیں تھی۔ بی پی لو تھا۔ وہ بھاگ کر باہر آئی تو اماں کے پاس خرم کی ماں کھڑی تھیں۔ انہوں نے آج بے حد اچھے کپڑے پہن رکھے تھے۔ اماں نے امامہ کو دیکھتے ہی کہا۔

''امامہ تمہاری خالہ کے گھر آج محفل میلاد ہے۔ تمہاری خالہ کل مجھے کہہ کر گئی تھیں مگر مجھے ہی تمہیں بتانا یاد نہیں رہا۔ تمہاری بھابی تو بچوں کی وجہ سے جا ہی نہیں سکتی۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں، تم دیکھ ہی رہی ہو۔''

''تو کرن کو بھیج دیں۔'' امامہ نے اماں کی بات کاٹ کر کہا۔ ''کرن چلی جاتی مگر اسے پڑھنا نہیں۔'' امامہ اماں کی بات کا مطلب سمجھ کر چپ رہی اور اماں نے پھر کہا۔

''امامہ! خرم نے اپنے دوست کے ساتھ مل کر......''

''نئی ورکشاپ کھولی ہوگی۔ رہنہ [illegible] ٹکے کا موٹر مکینک پہلے ورکشاپ میں نوکر تھا اب ورکشاپ کا مالک بن گیا ہے۔ کام تو وہی رہا۔'' اس نے دل میں سوچا پھر اماں کی آواز سن کر چونک پڑی۔

''ہاں تو میں کہہ رہی تھی خرم نے اپنے دوست کے ساتھ مل کر نئی گاڑیوں کا شوروم

کھولا ہے۔ تمہاری خالہ شکرانے کے طور پر اور کاروبار میں برکت کے لئے محفل میلاد کروا رہی ہیں تم ان کے ساتھ جاؤ۔ معلوم ہے نہ قرآن کا ختم بھی ہے اور قرآن پڑھنے سے انکار پر کتنا بڑا گناہ ہے۔'' اماں نے اس کے تیور دیکھتے ہوئے وضاحت سے کہا۔

''جی اچھا۔'' امامہ نے اماں کی بات مان لی پھر خرم کی والدہ سے کہا۔ ''چلئے خالہ جی!''

''اے لو کیا اب ان کپڑوں میں جاؤ گی۔ محفل میلاد ہے۔ جاؤ پہلے لباس بدل کر آؤ۔'' اور وہ اپنے روم میں آئی جلدی سے کپڑے چینج کر کے باہر آئی اور خرم کی ماں اس کو ساتھ لئے اپنے گھر چلی آئی۔

سردی کا موسم تھا اس لئے انتظام اوپر چھت پر نرم نرم دھوپ میں کیا گیا تھا۔ نسرین اس کو دیکھتے ہی چہکی۔ ''میں لینے جاتی تو تم کبھی نہ آتیں اس لئے نانو کو لینے بھیجا۔ گو نانو تمہیں زیادہ پسند نہیں کرتیں مگر میرے کہنے پر چلی گئیں۔ ویسے گھبراؤ نہیں ایک تو ماموں گھر پر نہیں دوسرے اگر ہوتے بھی تو اتنی زیادہ عورتوں کی موجودگی میں بے چارے کر بھی کیا سکتے تھے۔''

پھر اس نے بڑے فخر سے بتایا۔ ''آپ کی اطلاع کیلئے عرض ہے امامہ ڈیئر اب میرے ماموں معمولی موٹر مکینک نہیں رہے بلکہ بہت بڑے بزنس مین بن گئے ہیں۔ نئی گاڑیوں کا شوروم۔''

''اب بکواس بند بھی کرلو۔'' امامہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''سب ہی دوسرے ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔'' امامہ نے خفگی سے اس کو گھورا پھر سپارہ اٹھا کر پڑھنے لگی۔ جبکہ اسی وقت نسرین اپنے بچے کے رونے کی آواز سن کر نیچے چلی گئی تھی۔

اب امامہ نے دیکھا محلے کی کافی ساری لڑکیاں آئی ہوئی تھیں۔ کچھ تو اس کے برابر کی تھیں اور کچھ عمر میں اس سے بڑی تھیں تو کچھ چھوٹی۔ اس کے علاوہ محلے کی سبھی بزرگ خواتین بھی تھیں۔ کھانا لگنے کا انتظام ہو رہا تھا اور سب ہی ٹولیوں میں بٹ کر باتوں میں لگ گئے تھے۔ تبھی باجی ناز نے جو امامہ کی بڑی باجی کی بہت گہری دوست تھیں اور اسی محلے میں ان کا مکان تھا امامہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیوں بھئی امامہ! تم شادی کرنے کے بجائے جاب کیوں کر رہی ہو؟'' امامہ ابھی جواب سوچ ہی رہی تھی کہ نسرین ٹنک کر بولی۔

''شادی کیسے ہو؟ جس فلمی ہیرو کا محترمہ کو انتظار ہے اس کا کوشش کے باوجود دور دور تک کوئی نام ونشان نہیں ہے۔''

نسرین کی بات سن کر باجی ناز نے کہا۔

''امامہ! اگر تمہارا یہی مسئلہ ہے تو میں تمہیں اپنے بارے میں بتاتی ہوں۔'' پھر وہ امامہ کو دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔'' جوانی میں مجھے فلمیں دیکھنے کا بے حد شوق تھا اور یہ فلمیں دیکھنے کا اثر تھا کہ میں اپنے لئے وحید مراد جیسا شوہر چاہتی تھی۔ ہاں تو پھر میرا رشتہ طے ہوگیا۔لڑکا لندن میں جاب کرتا تھا۔ رشتہ کروانے والی لڑکے کی تصویر لے کر آئی۔لڑکا بہت خوبصورت تھا۔گھر والوں نے فوراً ہاں کردی۔ میں بے حد خوش تھی۔ ہم تین بہنیں اور دو بھائی تھے اور میں سب سے بڑی تھی۔خیر پھر شادی کا دن بھی آن پہنچا۔لڑکا لندن سے اس وقت آیا جب رات کو مہندی تھی۔یعنی بارات سے صرف ایک دن پہلے۔''

''باجی ناز رک کر سانس بھی لے لیجئے۔''

نسرین چونکہ ان کی ساری سٹوری جانتی تھی۔ اس لئے شرارت سے ہنستے ہوئے کہا۔باجی ناز نے گھور کر نسرین کو دیکھا مگر اپنی بات جاری رکھی۔''ہاں! شادی والی رات جب میں نے اپنے دولہا کو دیکھا تو مارے غصے اور نفرت کے خودکشی کرنے کو دل چاہا۔ جو تصویر ہمیں رشتہ کرتے ہوئے دکھائی گئی تھی وہ لڑکے کی جوانی کی تصویر تھی۔ وہ مجھ سے پندرہ برس بڑا تھا۔ تصویر میں رنگ گورا کیونکہ وہ جوانی کی تصویر تھی اور اب ملک سے باہر بڑھتی ہوئی عمر اور محنت نے رنگ بھی گندی کردیا تھا۔ اگرچہ انگریزوں کا ملک تھا۔ عام سا قد' سر کے بال چھوٹے چھوٹے وہ بھی درمیان سے گنجے اور سب سے اہم ایک ہاتھ کی چاروں انگلیاں سامنے سے آدھی آدھی' ایک ایکسیڈنٹ میں ہاتھ زخمی ہونے کی صورت میں کٹ چکی تھی۔

صرف منگنی ہوئی ہوتی تو میں گھر والوں کے بغیر خود ہی توڑ دیتی مگر اب نکاح تو کیا رخصتی بھی ہوچکی تھی۔ وہ جیسا بھی تھا مگر مالک بن چکا تھا۔ میرے تن کا بھی اور من کا بھی۔ مارے مجبوری کے خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔ دوسرے دن ولیمہ تھا۔ وہ رسم کے مطابق میرے ساتھ میرے گھر آیا اور میرا اس کو بلانا تو دور کی بات اس کی گندی شکل بھی دیکھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔لیکن تین دن میں میکے میں رہی اور ان تینوں دنوں میں اس کے ساتھ ایک کمرے میں رہنا تو دور کی بات اس کے سامنے ہی نہیں گئی تھی۔ کھانا بھی اکیلی کھاتی رہی۔ وہ

مجھے میری چھوٹی بہن سے پیغام بھیج کر بلاتا۔ چھوٹی بہن آکر کہتی بھائی جان آپ کو بلاتے ہیں تو میں صاف انکار کردیتی۔ مجھے نہیں جانا اس بڈھے کے پاس۔

امی یہ سب سن کر کہتیں جو ہونا تھا ہوگیا۔اب صبر کرو کہ داماد ان کو بھی کم ہی پسند آیا تھا۔مسئلہ یہ تھا کہ ان لوگوں نے دھوکا کیا تھا۔لڑکا عین وقت پر پاکستان آیا تھا پھر تین دن بعد رسم کے مطابق میرے سسرال والے آکر مجھے لے گئے تو رات کو اپنے کمرے میں آتے ہی موصوف نے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''کیا تم کسی کو پسند کرتی ہو؟'' جی چاہا کہہ دوں جی ہاں' وحید مراد کو مگر نکاح ہو چکا تھا اور گھر سے آتے ہوئے امی نے بطور خاص کہا تھا۔''بیٹی جو ہونا تھا ہوگیا۔اب صبر کرنا اور ہماری عزت کے خیال سے ورنہ جی تو چاہا کہہ دوں طلاق لینے کیلئے لیکن اب اپنے اختیار میں تو کچھ بھی نہ تھا کہ نکاح کے بعد وہ مالک اور حاکم بن چکا تھا اور یہ بھی سچ تھا میرا ہر خواب ٹوٹ گیا تھا۔ میں چھپ چھپ کر روتی تھی۔ یہ میرے ساتھ ہوا کیا ہے۔جس کی شکل دیکھنا گوارا نہیں اس کے ساتھ باقی کی زندگی کیسے گزرے گی۔''

باجی ناز خاموش ہوکر امامہ کو دیکھنے لگیں جو مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہوتی جارہی تھی اور بہت عرصہ بعد شاید وہ دل سے ہنس رہی تھی۔ سب چھوٹی لڑکیاں بھی باجی ناز کی باتیں سن کر مسکرا رہی تھیں اور باجی ناز کو خاموش ہوتے دیکھ کر امامہ نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''پھر زندگی کیسے گزری؟''

''بس بی بی! اس وقت تو دل مار لیا تھا لیکن کچھ عرصہ بعد معلوم ہوا یہ خوبصورتی پیسہ وغیرہ سب بکواس اصل چیز محبت ہے۔ جس کے بغیر زندگی بے کار ہے۔ جب تمہارے دولہا بھائی کو میں نے ان کی بات کا جواب نہ دیا تو انہوں نے میری چھوٹی بہن سے پوچھا۔''کیا تم لوگوں نے اپنی باجی کی شادی زبردستی مجھ سے کی ہے۔ سارا وقت منہ بنا کر رکھتی ہے۔'' تب میری چھوٹی بہن نے میرے خیالات سے ان کو پوری وضاحت سے آگاہ کردیا۔ ساری بات سن کر وہ بے حد محظوظ ہوئے بلکہ بہت ہنسے پھر شادی کے بعد لندن جاتے ہی انہوں نے مجھے بھی اپنے پاس بلا لیا۔ وہ مجھ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ میرا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ زندگی میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی سوائے وحید مراد کے۔'' باجی ناز خاموش ہوکر کچھ سوچنے لگیں پھر کہا۔

"امامہ! سب سے پہلا بیٹا ہوا تو میں سب بھول چکی تھی۔ کون سا وحید مراد؟ کیسا وحید مراد؟ اب تو میرا شوہر مجھے سارے جہاں سے زیادہ خوبصورت لگتا تھا اور اب بھی لگتا ہے۔ وہ آج بھی مجھ سے یونہی محبت کرتے ہیں جیسے نئی نئی شادی ہوئی ہو اور یہ کہ اب وہ مجھے اکثر وحید مراد کا نام لے کر چھیڑتے ہیں تو میں اپنی بے وقوفی یاد کر کے ہنس دیتی ہوں۔" باجی ناز نے چپ ہو کر امامہ کو دیکھا پھر پوری سنجیدگی سے کہا۔

"ہیرو کی تلاش میں اپنی عمریں ضائع نہ کرو۔ کوئی اچھا سا بندہ دیکھ کر شادی کر لو۔ یہ نینا اور نسرین تمہارے ساتھ کی ہیں ایک کے تین بچے' دوسری کے دو' کتنی خوش ہیں یہ دونوں اور تم......" یہ سنتے ہی نینا بول پڑی۔

"امامہ یار! شادی نہیں کرنا' بڑی مصیبت ہے۔ یہ دو میری جان کا عذاب بنے ہوئے ہیں تو ایک ان کا بڑا۔ یار! یقین کرو جب سے شادی ہوئی ہے میں پوری نیند نہیں لے سکی۔ نہ مجھے کھانے کا ہوش' نہ پہننے کا۔ شادی کے بیس دن بعد وہ مجھے کراچی لے گئے وہیں دونوں بچے ہوئے۔ نہ وہاں پھوپھو' نہ خالہ' نہ نانی' نہ دادی اور بچوں کو بہلائیں۔ مجھے ہی دونوں کو سنبھالنا ہے اور اوپر سے موصوف رات کو اگر پانی بھی پینا ہے تو مجھے اٹھا لیں گے۔ یہاں میکے آتی ہوں تو چار دن سکون کے ملتے ہیں۔ بچے نانی خالہ کے سپرد کر کے میں خوب سوتی ہوں۔" یہ سن کر نسرین بولی۔

"میرے ساتھ ایسا نہیں۔ دن کو پھوپھو' دادی بچے سنبھالتی ہیں۔ بڑا والا رات کو دادی کے ساتھ ہی سوتا ہے۔ چھوٹی پھوپھو کے ساتھ اور تیسرا میرے ساتھ۔ میرے میاں اپنے کام خود ہی کر لیتے ہیں۔ رات میں پیاس لگے تو خود جا کر پانی پی آتے ہیں۔"

"چلو بھئی اب باتیں ختم' کھانا شروع کرو۔"

شبانہ بھابی نے ہنستے ہوئے کہا اور سب ہی کھانے کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ پھر جب کھانا کھا لیا تو محلے والیاں سب ہی کھانا کھا کر ایک ایک کر کے رخصت ہوئیں تو امامہ نے بھی جانے کی اجازت چاہی تو خرم کی ماں نے کہا۔

"بیٹی پہلے ذرا یہ برتن سمیٹ لیں پھر میں آپ کو خود چھوڑ کر آتی ہوں۔" امامہ چپ رہی اور خرم کی ماں نسرین اور اس کی چاروں بھابیوں کے ساتھ مل کر برتن اٹھا کر نیچے لے جانے لگیں۔ ہونا تو یہ چاہتے تھا کہ امامہ بھی کام میں ان کی مدد کرتی۔ مگر وہ سب کو بھول کر

غروب آفتاب کا منظر دیکھنے میں محو ہو گئی اور اس محویت میں وہ گویا ان سب کو بھول ہی گئی تھی۔ چونکی اس وقت جب خرم کی ماں نے آواز دے کر کہا۔

"اب آؤ بیٹی چلیں۔" امامہ نے دیکھا اب چھت پر کوئی نہیں تھا۔ سب سے اہم بات یہ کہ سورج نجانے کب کا غروب ہو چکا تھا۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں گم ہر چیز سے بے خبر ہو چکی تھی۔ وہ نیچے آئی تو کچن میں صرف نسرین کھڑی تھی۔ بھابیاں اپنا کام ختم کر کے نیچے جا چکی تھیں۔ خرم کی ماں نے کہا۔

"بیٹی تم نے کچھ کھایا نہیں۔ اب تم ذرا اندر کمرے میں بیٹھو میں ٹرے میں تب تک کھانا لگا لوں۔"

"کھانے کی ضرورت نہیں خالہ جی! میں نے کالج سے آ کر کھانا کھا لیا تھا۔ آپ بس مجھے چھوڑ آئیں۔" امامہ نے اس خوف سے کہا کہ کہیں خرم نہ آ جائے۔ اس کی بات سن کر نسرین نے کہا۔

"کیسی باتیں کرتی ہو؟ تمہارے علاوہ ابھی تمہارے گھر کھانا ویسے بھی بھیجنا تھا۔ نانو آپ کھانا نکالیں میں تب تک اسے اندر لے جاتی ہوں۔" وہ نہ نہ کرتی رہ گئی مگر نسرین نے ایک نہ مانی۔ سختی سے اس کا ہاتھ تھام کر اس کو اندر لے آئی پھر چارپائی پر بٹھاتے ہوئے بولی۔

"ماموں جی! آپ بات کر لیں۔ تب تک میں نانو کو کچن میں مصروف رکھتی ہوں۔" اپنی بات ختم کر کے وہ نہ صرف تیزی سے باہر نکل گئی بلکہ جاتے جاتے دروازہ بھی بند کر گئی کہ یہ سارا پروگرام ماموں بھانجی کے درمیان پہلے ہی سے طے ہو چکا تھا۔

اس کے جاتے ہی امامہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ اندر آتے ہوئے اس نے نہیں دیکھا تھا۔ وہ سیف کھولے کھڑا تھا۔ نسرین کے باہر جاتے ہی وہ سیف بند کر کے اس کے قریب آیا اور خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔ اس شام جب پانچ سال بعد پہلی بار اس کو اپنے گھر میں دیکھا تھا تو صرف ایک سرسری نگاہ اس پر ڈالی تھی کہ پاس اماں اور کرن بھی تھیں۔ آج بغور دیکھ رہا تھا۔ بلیک کلر کے سادہ سوٹ کے ساتھ پرنٹڈ دوپٹہ سر پر لئے وہ پیاری لگ رہی تھی۔ چہرے پر سنجیدگی۔ وہ نگاہیں جھکائے کھڑی تھی۔ وہ اس کو دیکھتا رہا۔ دل کہہ رہا تھا گلے لگا لو کہ پانچ سال بعد مل رہے ہو اور گلے لگانے کے بعد بھول جاؤ کہ اماں یا بھانجی ہیں مگر دماغ کا کہنا کچھ اور تھا اس لئے دل پر جبر کر کے کھڑا اس کو دیکھتا رہا۔

جبکہ امامہ نے پھر یہی سوچا شوروم کھول کر بے چارہ سوچتا ہوگا اب میں ہاں کر دوں گی۔ بہتر ہے اس کی یہ غلط فہمی دور کر ہی دوں اور آج اگر مجھے چھونے کی کوشش ...... مزید سوچنے سے پہلے وہ اس کی آواز سن کر چونک پڑی۔ خرم کہہ رہا تھا بلکہ پوچھ رہا تھا۔

''کیسی ہو امامہ؟'' اور امامہ نے جواب دینے کے بجائے چپ رہنا ہی مناسب سمجھا۔ اس کو خاموش دیکھ کر خرم نے دل میں سوچا پانچ سال بیت گئے مگر تم آج بھی ویسی ہی سنگدل اور بے رحم ہو۔

''میرا حال نہیں پوچھا تو کم از کم اپنے بارے میں تو بتا دو کیسی ہو؟'' مگر اس کو مزید کچھ بھی کہنا فضول تھا۔ اس لئے اپنے مقصد کی طرف آتے ہوئے بولا۔

''امامہ! اپنے وعدے کے مطابق میں پانچ برس بعد تمہارے معیار کے مطابق بن کر تمہارے سامنے آیا ہوں۔ اب میرے بارے میں کیا خیال ہے؟'' امامہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کو نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ اس شام وہ ان کے گھر آیا تھا تو آف وائٹ ٹو پیس سوٹ پہن رکھا تھا۔ پاؤں میں امپورٹڈ لیدر کے قیمتی بوٹ' کلائی پر قیمتی رسٹ واچ' آرمی کٹ ہیئر سٹائل میں چہرے پر متانت لئے اس کو ہی دیکھ رہا تھا اور بے حد اچھا بھی لگ رہا تھا۔ امامہ کا مسئلہ ہی اب اور تھا۔ خرم نے اس کو اتنے غور سے اپنی طرف دیکھتے پایا تو جی چاہا کہہ دے۔

'غور سے دیکھو امامہ ڈیئر! آج میرے جسم پر گھٹیا لباس نہیں ہے اور نہ پاؤں میں ربڑ کی چپل ہے اور نہ کلائی میں سستی گھڑی ہے' بالوں میں تیل بھی نہیں کہ پردیس میں رہنے کی وجہ سے یہ عادت اپنے آپ ختم ہو چکی ہے۔

بزنس کے بارے میں تمہیں بھابی بتا چکی ہوگی پھر بھی کوئی کمی ہو تو تم خود بتا سکتی ہو۔ مگر وہ اس کے جواب کا منتظر تھا اور امامہ کا جواب وہی تھا جو اس نے پہلے ہی سوچ رکھا تھا۔ خرم کا جائزہ لینے کے بعد اس نے خرم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پورے اعتماد کے ساتھ کہا۔

''میں نے آپ سے۔'' لفظ آپ پر خرم دل ہی دل میں خوب محظوظ ہوا کہ وہ ہمیشہ اس کو تم یا تو کہہ کر مخاطب کرتی تھی مگر بظاہر متانت سے اس کی بات سننے لگا۔

''پہلے بھی کہا تھا کہ سو بار بھی پوچھیں گے مجھ سے تو میرا جواب یہی ہوگا۔ آپ سے شادی کرنے کے بجائے میں عمر بھر کنواری بیٹھنا پسند کروں گی۔'' امامہ نے بغیر کسی لحاظ کے کہہ

دیا۔

''امامہ پہلے کی بات اور تھی۔'' خرم کے لہجے میں بے حد نرمی اور آنکھوں میں بے پناہ محبت تھی۔ اس کی نظریں مسلسل امامہ کے چہرے پر جمی تھیں۔

''میرے لئے اب بھی وہی بات ہے۔ آپ نے جو کچھ بھی کہا مجھے آج بھی یاد ہے اور میں آج بھی آپ سے نفرت......''

''پلیز امامہ! پہلے میری پوری بات سن لو پھر تم بھی جو کہنا چاہو گی میں بھی سن لوں گا۔'' خرم کے لہجے میں پہلے سے بھی زیادہ نرمی تھی۔ امامہ چپ ہو گئی اور اس کو خاموش دیکھ کر خرم نے کہا۔

پہلے میں ایک معمولی موٹر میکینک تھا مگر اب ایک بزنس مین ہوں۔ گھر آج بھی کرائے کا ہے لیکن اگر تم ہاں کرتی ہو تو منگنی ابھی کر لیتے ہیں۔ شادی ایک سال بعد رکھ لیتے ہیں اور شادی سے پہلے ایک پیاری سی کوٹھی ضرور لوں گا۔ بہت بڑی ہو سکتا ہے نہ ہو۔ مگر چھوٹی بھی نہیں ہوگی۔ تمہاری قسم جیسی زندگی تم چاہتی ہو میں تمہیں دوں گا۔ تمہاری ہر خوشی کا احترام کروں گا۔''

''میں نے آپ سے کہا نا آپ سو بار بھی......'' مگر خرم نے اس کو بات مکمل کرنے کی مہلت دیئے بغیر ایک بار پھر نرمی اور سنجیدگی سے کہا۔

''اتنی ضد اچھی نہیں ہوتی۔ تمہیں جلد بازی کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں سوچنے کیلئے ایک ہفتے کا ٹائم دیتا ہوں۔ اب کے تم اچھی طرح سوچ کر جواب دینا اور دیکھو نہ مجھے مایوس کرنا۔ نہ اپنے لئے تنہائیوں کا انتخاب کرنا۔ غور زیادہ کرنا' غصہ کم کرنا اور اب جا سکتی ہو۔''

خرم نے کہا تو امامہ حیرت سے اس کو دیکھتے ہوئے باہر نکل آئی۔ یہ وہی خرم تھا جو ہر ملاقات میں اسے چھونا اپنا فرض سمجھتا تھا' لہجہ ہمیشہ کرخت ہوتا تھا۔ مگر آج کی یہ نرمی' اونہہ جو بھی ہے جیسا بھی ہے مائی فٹ۔ مجھے اس کے ساتھ شادی نہیں کرنا۔ میں پوری زندگی بھی سوچوں گی تو میرا فیصلہ یہی ہوگا۔ وہ کچن میں آئی تو نسرین نے اس کو دیکھتے ہی شرارت سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''ارے چائے نہیں پیو گی۔'' اچھی طرح جانتی تھی ماموں سے بات کرنے کے بعد

اس کا بی پی ہائی ہو چکا ہوگا۔

"خالہ جی! اب مجھے جانا ہے۔" اس نے نسرین کو جواب دینے کے بجائے خرم کی والدہ سے کہا اور کھا جانے والی نظروں سے نسرین کو دیکھا۔ اس کی اس چالاکی پر اب اس کو کچھ کہنا فضول ہی تھا۔ وہ کون سا اب اس کی باتوں کا اثر لیتی تھی یا اس سے ڈرتی تھی۔

"ہاں ہاں چلو بیٹی! یہ فروٹ والا شاپر تم پکڑ لو۔" انہوں نے کہا اور شاپر امامہ کو پکڑا کر خود ٹرے پکڑ لی۔

ان کے جاتے ہی نسرین کمرے میں آئی۔ خرم سنجیدہ سا کھڑا کچھ سوچ رہا تھا۔ نسرین نے پوچھا۔ "ماموں بات بنی پھر۔"

"تمہاری سہیلی بات بنانے کی ماسٹر ہے یا بگاڑنے کی؟" اس نے متانت سے کہا۔

"فکر نہ کریں ذرا سا نخرہ دکھا کر مان جائے گی۔" نسرین نے تسلی دی۔

"تم کہتی ہو تو یقین کر لیتا ہوں۔ ویسے لگتا تو نہیں۔ پانچ برس بعد بھی اس کا لہجہ اور فیصلہ وہی ہے۔" خرم نے سنجیدگی سے کہا۔ نسرین جانتی تھی وہ بے حد ضدی ہے مگر ماموں کا دل نہیں توڑنا چاہتی تھی۔ اس لئے حوصلہ دینے والے انداز میں کہا۔

"آپ مایوس نہ ہوں، نہ ہی دل برا کریں۔ وہ یقیناً مان جائے گی۔ آپ بیٹھیے میں آپ کیلئے کھانا لاتی ہوں۔"

"کھانے کے بجائے اگر سٹرانگ سی چائے پلا دو تو سکون ملے گا۔" خرم نے کہا تو نسرین فوراً کچن میں چلی گئی۔ دراصل امامہ کے سرد رویے نے خرم کو ڈسٹرب کر دیا تھا۔ وہ جس کیلئے پانچ برس پردیس کاٹ کر آیا تھا اس کیلئے اب بھی اس کی وہی اہمیت تھی جو پہلے تھی۔ اس نے کہا کیا ایسا بھی ہوتا ہے۔ ایک بندہ تو محبت میں پاگل ہو جائے اور دوسرا محسوس بھی نہ کرے، جذبہ محبت کو۔

امامہ گھر آئی تو بے حد پرسکون تھی۔

گویا خرم کا سوال ایک بوجھ تھا، ذہن پر جو اتر چکا تھا۔ وہ پھل والا شاپر کرن کو پکڑا کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

صبح امامہ حسب معمول کپڑے دھونے کے بعد چھت پر ڈالنے گئی۔ چھٹی کی وجہ سے سب گھر والے بھی سو رہے تھے اور امامہ کی یہ عادت تھی کہ ہفتہ بھر کی دھلائی وہ سب گھر والوں

کے اٹھنے سے پہلے ہی کر کے فارغ ہو جایا کرتی تھی۔ وہ سارے کپڑے ڈالنے کے بعد نیچے آنے لگی تو نگاہ نادانستہ خالہ میداں کی چھت کی جانب اٹھ گئی اور وہ چونک پڑی۔ خرم نہ جانے کب سے کھڑا اس کو دیکھنے میں محو تھا۔ چہرے پر گہری سنجیدگی اور آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

امامہ کے دیکھنے پر بھی اس کی محویت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

ایک ماہ سے بزنس سیٹ کرنے کے سلسلے میں وہ دن رات گھر کے باہر مصروف رہا تھا مگر آج فراغت تھی۔ اس لئے وہ پانچ سال پہلے کی طرح چھت پر موجود تھا۔ اس کو معلوم تھا کہ امامہ کپڑے پھیلانے آج ضرور آئے گی۔ اس کا جی بھر کر دیکھنے کا یہی ٹائم تھا۔ وہ کپڑے ڈالتی رہی، وہ دیکھتا رہا اور اب امامہ نے اس کو دیکھا تو جلدی سے نیچے اتر گئی۔

پھر ہر اتوار کو یہ کھیل ہونے لگا۔ وہ کپڑے ڈالنے اوپر جاتی تو خرم پہلے سے چھت پر موجود ہوتا۔ جب تک امامہ کپڑے پھیلاتی وہ بڑی خاموشی اور سنجیدگی سے اس کو دیکھتا رہتا۔ امامہ کپڑے ڈالتے ہوئے کئی بار اسے چیک کرنے کو بہانے بہانے سے ادھر دیکھتی اور خرم کو ہمیشہ اپنی جانب دیکھتے پاتی۔ خرم نے اس کو سوچنے کیلئے ایک ہفتہ دیا تھا اور اب ایک ماہ ہو رہا تھا۔

امامہ نے سوچا عقل مند ہوگا تو سمجھ گیا ہوگا۔ انکار ہے اس لئے جواب دینے نہیں آئی۔ تاہم اس کو حیرت تھی وہ کافی حد تک بدل چکا تھا۔ اب کی ملاقات میں نہ تو اس نے امامہ کو چھونے کی کوشش کی تھی اور نہ ہی تلخ کلامی۔ اس کے لہجے میں بے حد نرمی تھی۔ سنجیدگی اور سوبر پن۔ دفعتاً امامہ نے سوچا اب وہ پہلے والا چوبیس برس کا چھچھورا لڑکا نہیں پانچ برس ملک سے باہر گزار کر وہ 29 برس کا باوقار مرد بن چکا تھا۔ ویسے سنجیدگی میں اچھا لگتا ہے۔

اونہہ، یہ میں کیا سوچ رہی ہوں۔ وہ کمینہ اچھا لگے یا برا میری جوتی سے۔ میں یہ کبھی بھی نہیں بھولوں گی ذلیل انسان نے میری منگنی تڑوا کر مجھے رسوا کیا۔ میری زندگی کے خوبصورت سال ضائع کئے۔ نسرین کے تین بچے اور نینا کے دو اور میں یہاں تنہا بیٹھی ہوں۔ بہت محبت ہے تمہیں آج بھی مجھ سے، لوگ آرام سے سو رہے ہیں اور تم مجھے دیکھنے کیلئے اپنی نیند کی قربانی دے کر یہاں کھڑے ہو۔ اب میں تم کو سزا دوں گی۔ رہو میری ہاں کے انتظار میں اب ساری عمر کنوارے۔ اب میں تمہیں خود سے بات کرنے کا موقع بھی نہیں دوں گی۔

یہی سوچتی وہ نیچے آ گئی تھی مگر آنکھوں کے سامنے خرم کا سنجیدہ چہرہ بار بار یاد آ رہا تھا۔

اسی شام جب امامہ کچن میں تھی اور باقی سب گھر والے لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔خرم ان کے یہاں آ گیا۔اس کی دستک کے جواب میں عابد بھائی اٹھ کر باہر گئے اور اس کو ساتھ لئے سیدھے لاؤنج میں چلے آئے اور اماں نے خرم کو دیکھتے ہی اپنا مخصوص جملہ کہا۔

''ارے بیٹا! کتنی بار کہا ہے تمہارا اپنا گھر ہے دستک دینے کی ضرورت نہیں۔ سیدھے اندر آ جایا کرو۔''

'ہاں ہاں' کیوں نہیں۔' امامہ نے تپ کر سوچا۔اماں پر اپنی محبت کا سکہ جمانے کیلئے اس نے واپس آ کر اماں کو قیمتی سوٹ جو دیا تھا۔اس کے بعد دستک کی گنجائش کہاں رہتی ہے اور عابد سے دوستی پکی کرنے کو بچوں کیلئے چاکلیٹ جبکہ کرن کو چیونگم بھجوائی تھی۔پہلی بار جب اماں کو ملنے آیا تھا اس کے چند روز بعد یہ سب چیزیں خرم کی اسی بڑی محبت سے دے کر گئی تھیں۔جب رشوت اتنی زیادہ اور اتنے خلوص پیار سے دی جائے تو اس کے بعد دستک کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔مگر مسئلہ تو امامہ کا تھا۔وہ اس وقت دوپہر کے کھانے کے برتن دھوتی تھی اور رات کیلئے روٹیاں بناتی تھی۔برتن وہ صاف کر چکی تھی اور اب روٹیاں بناتے اس کا خون کھول رہا تھا۔

امامہ نے کئی بار کچن سے دیکھا وہ عابد بھائی کے بجائے کرن سے باتوں میں محو تھا۔اس کی سٹڈی وغیرہ کے بارے میں پوچھ رہا تھا جیسے وہاں کرن کے علاوہ کوئی تھا ہی نہیں جس سے وہ بات کرتا۔حالانکہ اماں' بھابی' عابد بھائی پاس ہی بیٹھے تھے۔وہ اس شام کی طرح جب وہ پہلی بار آیا تھا کچن میں اپنا کام ختم کر چکی تھی اور اب محض خرم کی وجہ سے بے مقصد کھڑی تھی۔اس نے ایک بار پھر باہر دیکھا۔وہ اب عابد بھائی سے بات کر رہا تھا۔جانے کا پروگرام دور دور تک نہیں لگتا تھا اس لئے امامہ بادل نخواستہ کچن سے باہر نکلتے ہی سیدھی اپنے روم کی جانب آئی اور جلدی سے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔اس نے سوچ لیا تھا آج اگر اماں نے سلام کرنے کا کہا تو وہ ہرگز نہیں کرے گی اور ادھر اماں بے وقوف نہیں تھیں کہ پہلے والی غلطی کرتیں۔

اماں نے امامہ کو کچن سے نکلتے دیکھا تو چہرہ دوسری جانب کر لیا جیسے دیکھا ہی نہیں۔

وہ سب کی موجودگی میں خرم کی توہین نہیں چاہتی تھیں۔دروازہ بند کرتے ہی امامہ نے اطمینان کی گہری سانس لی پھر سوچا۔خرم یہ سوچ کر آیا ہوگا کہ شاید مجھ سے بات کرنے کا موقع مل جائے مگر یہ ناممکن ہے۔جب تک یہ لاؤنج میں موجود ہے تب تک میں اندر کمرے میں ہی رہوں گی۔پھر اس نے ذرا سی کھڑکی کھولی اور نہ چاہتے ہوئے بھی اسے دیکھنے لگی۔آج اس نے بلیو جینز پر سفید شرٹ پہن رکھی تھی اور اس پر بلیک جیکٹ اور پاؤں میں جوگرز چہرے پر آج پہلے سے بھی زیادہ سنجیدگی تھی۔امامہ بھی اس کو ٹھیک سے دیکھ بھی نہ پائی تھی کہ اچانک وہ اٹھا اور اماں اور عابد بھائی کے روکنے کے باوجود چلا گیا تو امامہ مسکرا دی۔یہ سوچ کر کہ عقل مند کیلئے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔وہ سمجھ گیا ہوگا کہ یہاں تنہائی نہیں ملے گی۔

اور پھر یونہی تین ماہ بیت گئے۔اتوار والا کھیل جاری رہا۔وہ صبح امامہ کو چھت پر دیکھتا۔شام کو گھر آ جاتا۔اسی وقت جب وہ کچن میں مصروف ہوتی تھی اس کو یقیناً اندازہ ہو چکا تھا کہ امامہ اس وقت کچن میں ہوتی ہے۔آتے ہوئے بچوں کیلئے چاکلیٹ اور کرن کیلئے چیونگم ضرور لاتا۔اماں نے ایک بار منع کیا تو خرم نے شکایت بھرے لہجے میں کہا۔

''دستک دیتا ہوں تو اماں جی آپ کہتی ہیں اپنا گھر ہے دستک کی ضرورت نہیں۔ اب بچوں کیلئے کچھ لے کر آتا ہوں اپنا گھر سمجھ کر تو آپ خفا ہونے لگی ہیں۔اگر یہ بات ہے تو میں آنا ہی چھوڑ دوں گا۔'' اس پر اماں کو اپنا اعتراض واپس لینا پڑا۔

اور خرم جس مقصد کیلئے آتا تھا وہ پورا نہیں ہو رہا تھا۔امامہ سے بات کرنے کا موقع دوبارہ ابھی تک نہیں ملا تھا۔وہ جب آتا تب امامہ کچن میں ہوتی اور باقی لوگ لاؤنج میں۔وہ کچن سے نکلتی تو سیدھی اپنے کمرے میں چلی جاتی۔مجبور ہو کر وہ گھر پر فون کرنے لگا اور امامہ چونکہ سمجھتی تھی کہ تنہائی نہ ملنے پر وہ فون پر بھی اس کو تنگ کر سکتا ہے اس وجہ سے وہ فون سننا ہی چھوڑ چکی تھی۔اس کی موجودگی میں بھی بیل ہوتی تو وہ خود ریسیور اٹھانے کے بجائے بھابی یا کرن کو آواز دے دیتی مگر اس وقت گھر میں کوئی نہیں تھا۔بھابی کرن کو ساتھ لے کر شاپنگ کرنے گئی تھیں اور اماں اندر بچوں کے پاس سو رہی تھیں مجبوراً امامہ کو خود اٹھانا پڑا اور وہی ہوا۔دوسری طرف خرم تھا۔امامہ کی آواز سنتے ہی خرم نے تیز لہجے میں کہا۔

ایک ہفتہ دیا تھا نا میں نے تمہیں سوچنے کو اب تین ماہ ہو رہے ہیں۔نہ ہی تنہائی میں ملتی ہو نہ ہی فون سنتی ہو۔تمہاری سمجھ میں میری بات نہیں آتی۔'' وہ شدید غصے میں تھا۔یہ

دیکھ کر امامہ کو بھی غصہ آ گیا۔

''مسٹر خرم! میں نے سنا تھا کہ عقل مند کیلئے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔ لیکن لگتا ہے آپ اس نعمت سے محروم ہیں۔ خیر یہ میرا مسئلہ نہیں۔ آپ نے مجھے ایک ہفتہ دیا تھا تو میں پھر اپنا جواب ریپیٹ کرتی ہوں۔ اب اس کو اچھی طرح یاد رکھیے گا اور دوبارہ کبھی پوچھنے کی زحمت نہ کیجئے گا۔ ہاں تو مسٹر خرم! آپ سے شادی کرنے کے بجائے میں عمر بھر کنواری رہنا پسند کرتی ہوں۔ شوروم کھول کر اگر آپ کسی خوش فہمی کا شکار ہو چکے ہیں تو اس کو دل سے نکال دیں کہ مجھے آپ سے تو کیا آپ کی صورت سے بھی شدید نفرت ہے۔'' اور فون بند کر دیا اور وہیں صوفے پر بیٹھی اپنے مستقبل کا سوچنے لگی جو خرم کے ہاتھ میں تھا پھر بھابی اور کرن بھی آ گئیں تو وہ سب کچھ بھول کر بھابی کی شاپنگ دیکھنے لگ گئی۔

ایک ہفتہ بعد ہی نسرین غصے میں بھری چلی آئی۔ نہ سلام نہ دعا کی اور امامہ کو گھورتے ہوئے بولی۔ ''تم اپنی حرکتوں سے باز آؤ گی یا نہیں۔''

''کس بات پر غصہ چڑھا ہوا ہے جو اتنی دور مجھ بے چاری پر نکالنے آئی ہو۔ سسرال والوں نے کچھ کہا یا دولہا بھائی سے ڈانٹ پڑی۔'' امامہ نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''دولہا بھائی کی یہ جرأت کہ مجھے کچھ کہیں اور سسرال والوں میں سے جو مجھ کو کچھ کہے گا وہ مجھ سے سن بھی لے گا۔ اتنی سیدھی اور معصوم نہیں ہوں میں۔ لیکن وہاں سب لوگ ہی بہت اچھے ہیں۔ میری جان تو تم نے عذاب میں ڈال رکھی ہے۔ آج طبیعت خراب ہونے کے باوجود تمہاری وجہ سے آئی ہوں۔'' وہ چارپائی پر امامہ کے پاس بیٹھتی ہوئی بولی۔

''میری وجہ سے......'' امامہ نے واقعی حیران ہو کر پوچھا۔

''ہاں ہاں' تم سے ماموں ملنا چاہتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے مجھے بلوایا ہے۔'' نسرین نے رازداری سے امامہ کی سمت جھکتے ہوئے بتایا۔

''مگر میں تمہارے ماموں سے ملنا نہیں چاہتی۔'' امامہ کا لہجہ اپنے آپ خشک ہو گیا۔

''امامہ! اب ماموں میں کمی کیا ہے۔ پلیز خواہ مخواہ انا کا مسئلہ نہ بناؤ۔ ماموں نے تمہیں سوچنے کا ایک ہفتہ دیا تھا اور اب تین ماہ ہو چکے ہیں۔ ان کو تمہارے جواب کا انتظار کرتے ہوئے۔ وہ بے حد پریشان ہیں تمہارے اس رویئے سے۔''

''جواب میں چند روز پہلے تمہارے ماموں کو دے چکی ہوں۔ تمہارے ماموں کو ایک بار ہی میرے جواب کی سمجھ آ جانی چاہئے تھی مگر پہلے نہیں تو اب ضرور آ جائے گی۔'' امامہ نے سکون سے کہا تو نسرین منت کرنے والے انداز میں بولی۔

''دیکھو پلیز' میرے کہنے پر آخری بار ماموں سے مل لو۔ میں نے بتایا نا ماموں بے حد پریشان ہیں۔''

''ہرگز نہیں ملوں گی۔ اس کمینے نے میری منگنی ختم کروا کر مجھے رسوا کیا۔ میرے خاندان کو پریشان کیا۔ اب وہ بھی ہمیشہ پریشان رہے گا اور تم اگر اپنے ماموں کی وجہ سے آئی ہو تو دوبارہ میرے پاس آنے کی زحمت نہ کرنا۔ ماموں کا خیال ہے سہیلی کا خیال نہیں۔'' امامہ نے بے رخی سے کہا۔

نسرین نے اس کے بعد بھی ایک دو بار منانے کی کوشش کی اور جب ہر کوشش بے کار ہی گئی تو وہ غصے سے بولی۔

''میں ماموں ہی کی نہیں' میں تمہاری وجہ سے بھی آتی ہوں۔ انہوں نے تمہاری منگنی ختم کرا دی تھی کیونکہ وہ خود تم سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ تم نے سنا نہیں باجی ناز نے کیا کہا تھا کہ زندگی میں اہم چیز محبت ہی ہوتی ہے اور ماموں تم سے سچی محبت کرتے ہیں اور باجی ناز کے شوہر کی طرح بوڑھے اور بدصورت بھی نہیں۔ نہ صرف بے حد خوبصورت بلکہ نوجوان بھی ہیں۔ سب سے اہم وہ تم سے سچی محبت کرتے ہیں اس لئے تم کو ایک اچھی زندگی دینے کیلئے انہوں نے پانچ برس دن رات محنت کر کے تمہاری خواہش کے پیش نظر خود کو موٹر میکینک کے بجائے ایک بزنس مین بنا لیا اور تم اپنی ضد چھوڑ کر سنجیدگی سے سوچو تو ماموں میں اب کوئی کمی نہیں ہے۔

خواہ مخواہ ایک بات نہ کرتی رہو۔ انہوں نے منگنی ختم کروائی تو اب شادی بھی تو تم ہی سے کرنا چاہتے ہیں۔ کیا میں تم سے محبت نہیں کرتی جو تم مجھے ماموں کا طعنہ دیتی ہو۔ تم سے بھی محبت ہے اس لئے کہتی ہوں اچھی سہیلی اچھی بہن اب ذرا تھوڑی دیر اچھی طرح سوچ کر مجھے جواب دو۔ ماموں سے شادی کیوں نہیں کرنی پہلے بھی کہا ہے اور اب بھی کہتی ہوں انا کا مسئلہ نہ بناؤ۔ محبت میں انا نہیں ہوتی۔ ہار جیت نہیں ہوتی۔ خوب عقل سے سوچو کیا تم جو کر رہی ہو وہ درست ہے۔'' نسرین کی باتیں سن کر امامہ کچھ دیر سوچتی رہی پھر دل کی بات زبان پر لے

آئی۔

''فرض کرو میں تمہاری بات مان کر تمہارے ماموں کی محبت پر یقین کر کے شادی کر لیتی ہوں تو جانتی ہو شادی کے بعد کیا ہوگا۔ نکاح ہوتے ہی وہ میرا مالک اور حاکم بن جائے گا۔ اس کو معلوم ہوجائے گا کہ اب میں اس کو چھوڑ کر نہیں جاسکتی تو پھر ساری زندگی وہ مجھے اس بات کے طعنے دے کر میری زندگی دوزخ بنا تا رہے گا کہ میں نے ایک معمولی موٹر میکینک کو تو ٹھکرا دیا اور جب وہ میکینک ایک امیر آدمی اور بزنس مین بنا تو میں نے شادی کر لی۔ تمہیں معلوم ہے نا کہ وہ مجھ سے کس کرخت لہجے میں بات کرتا ہے۔ تمہاری بارات والے دن محض ایک چھوٹی سے بات کو جواز بنا کر اس نے مجھے گال پر اتنے زور سے تھپڑ مارا کہ اب کیا بتاؤں۔ وہ وحشی ہے' آئی ایم سوری نسرین' میں تمہارے ماموں سے شادی نہیں کرسکتی۔ میری طرف سے صاف جواب سمجھو۔''

''اگر میں کہوں ماموں شادی کے بعد ایسا نہیں کریں گے۔'' نسرین نے ضمانت دینی چاہی۔ یہ سن کر امامہ نے نفرت سے کہا۔

''تم سے زیادہ تمہارے ذلیل ماموں کو میں جانتی ہوں۔ وہ پورا وحشی ہے۔ اس کو صرف اپنی خوشی اور خواہش عزیز ہے۔ دوسرے پر کیا گزرتی ہے پروانہیں۔'' یہ سن کر نسرین کو غصہ آ گیا اور وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''اگر تمہاری یہی ضد ہے تو میں جاتی ہوں۔'' اس کو غصے میں جاتے دیکھ کر امامہ کو بھی غصہ آ گیا۔

''جارہی ہو تو اپنے ماموں کیلئے میرا آخری پیغام بھی لیتی جاؤ۔ اس کو کہہ دینا میرا جواب ہمیشہ یہی رہے گا اور اس کو ملنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں اسے کہنا مجھے فون کرنے کی بھی زحمت نہ کرے۔ مجھے تو معلوم ہے وہ پکا بدمعاش ہے۔ مگر میرے خاندان والے اس کی بہت عزت کرتے ہیں اس کو نیک اور شریف لڑکا سمجھتے ہیں۔ اب اگر اس نے مجھے فون کیا تو ہیلو کہہ کر فون بھابی یا اماں کو تھما کر اس کی ساری شرافت کا پول کھول دوں گی۔ اس لئے فون نہ کرنا ہی اس کے حق میں بہتر ہوگا۔''

نسرین کوئی جواب دیئے بغیر غصے میں بھری چلی گئی۔

گھر آتے ہی وہ سیدھی اوپر آئی۔ نانو کچن میں مصروف تھی۔ وہ اندر کمرے میں

آئی جہاں خرم ٹہلتے ہوئے اس کا انتظار کر رہا تھا۔

نسرین نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے غصے سے کہا۔

''آپ امامہ کے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کر سکتے۔ کیوں اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی بے عزت کرواتے ہیں۔''

''لگتا ہے آج بھانجی کا جھگڑا ہوگیا ہے اپنی سہیلی سے۔'' خرم نے اس کے غصے سے پھولے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے ہنس کر پوچھا۔

''جی ہاں جھگڑا ہوگیا ہے۔'' اب کے نسرین نے نانو کے خیال سے آواز دھیمی کر لی۔

''ہوا کیا ہے کچھ بتاؤ تو سہی۔ وہ ملنے پر راضی ہوئی کہ نہیں؟'' خرم نے سنجیدگی سے پوچھا۔ اس پر نسرین نے امامہ کے ساتھ ہونے والی ساری بات چیت بتا دی' پھر پوچھا۔

''آپ نے میری بارات والے دن اس کو تھپڑ کیوں مارا تھا اور خرم جو امامہ کے ساتھ ہونے والی بات چیت سن چکا تھا اس میں سوچا اس دن تو صرف ایک ہی تھپڑ مارا تھا اب ذرا میرے ہاتھ آئے تو سہی بہت سارے تھپڑ پڑیں گے اس کو مجھ سے۔

''بتاتے کیوں نہیں' کیوں تھپڑ مارا تھا۔ وہ اب آپ کو وحشی کہتی ہے۔''

''بھانجی! غلطی ہو ہی جاتی ہے انسان سے۔ اب تم میری بات غور سے سنو۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے تمہاری سہیلی اپنی جھوٹی انا اور میرے خوف سے صحیح فیصلہ نہیں کر پا رہی۔ تم دوبارہ اس کے پاس جاؤ اور میری طرف سے اس کو یقین دلا دو۔ میں شادی کے بعد ایسی گھٹیا کوئی بات نہیں کروں گا۔ اس لئے کہ میں امامہ سے بے پناہ محبت کرتا ہوں اور اس کو مارنا تو دور کی بات میں کبھی اس کو میلی آنکھ سے بھی دیکھوں گا بھی نہیں۔'' مگر اب کی بار امامہ نے نسرین کو بھی خوب تپایا تھا اس لئے اس نے غصے سے کہا۔

''ماموں وہ میری سہیلی ہے۔ میں اس کی ضد کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ آپ امامہ کو بھول کر کہیں اور شادی کر لیں۔ نانو کی طبیعت اب ٹھیک نہیں رہتی۔ اب وہ آپ کے تو کیا گھر کے کام بھی نہیں کرسکتیں۔ صرف اپنا نہیں نانو کا بھی سوچیں۔ پہلے بھی آپ امامہ کی وجہ سے پانچ برس کیلئے انہیں تنہا چھوڑ گئے تھے۔'' نسرین اس کو سمجھا کر چلی گئی' اور وہ چاہنے کے باوجود نسرین کو یہ نہ کہہ سکا کہ وہ تمہاری تو صرف سہیلی ہے جب کہ میری وہ محبت ہے۔ بلکہ محبت ہی

نہیں میری زندگی ہے' اس کو بھول کر کسی اور سے شادی کرنا ناممکن ہے۔

بس ایک بار وہ مجھے تنہا مل جائے تو اب اس کو منا کر ہی چھوڑوں گا مگر وہ ملے تو کہاں اور کیسے۔ وہ سوچنے لگا۔

نسرین کے جانے کے ایک ہفتہ بعد ہی رمضان کے مقدس مہینے کا آغاز ہوگیا تھا اور اس کے ساتھ ہی افطار پارٹیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ رمضان کے پہلے جمعہ فوزیہ کے میکے میں افطار پارٹی تھی۔ سب گھر والے گئے تھے سوائے امامہ کے۔

امامہ اب بھائی کے میکے کم کم ہی جاتی تھی ورنہ پہلے تو یہ ہوتا تھا اگر عابد بھائی مصروف ہوتے تو بھابی امامہ کو ساتھ لے کر چلی جاتی تھیں کہ ابا کی وفات کے بعد اماں اب گھر سے ذرا کم ہی نکلتی تھیں باقی رہی کرن تو اس کا یہ فائنل ایئر تھا۔ وہ سارا دن اپنی پڑھائی میں مصروف رہتی۔ یوں بار بار آنے جانے سے امامہ کی بھابی کی بہن شازیہ سے دوستی ہوگئی تھی اور وہ بھی اب امامہ لوگوں کے گھر آنے لگی تھی پھر یوں ہوا کہ بھابی کے بھائی قیوم کوئی سات برس بعد امریکہ سے چلے آئے۔ وہ فوزیہ بھابی کی شادی سے کوئی پانچ چھ ماہ پہلے امریکہ گئے تھے۔ اس لئے بہن کی شادی میں بھی شامل نہ ہوسکے۔ ان کے گھر آنے کی خوشی میں فوزیہ بھابی کی امی نے محفل میلاد کا انتظام کیا تھا۔

فوزیہ اور امامہ کے ساتھ کرن بھی گئی تھی کہ سب گھر والوں کو بطور خاص بلایا گیا تھا۔

وہاں جب امامہ کا تعارف فوزیہ بھابی کے بھائی قیوم سے کروایا گیا تو بس امامہ کو دیکھتے ہی رہ گئے۔ امریکہ سے آئے بھی شادی کیلئے تھے۔ اب جو امامہ کو دیکھا تو پہلی نظر میں ہی امامہ کی محبت میں گرفتار ہوگئے اور محفل میلاد کے بعد وہ محض امامہ کی خاطر بہن کو خود اس کے سسرال چھوڑنے آئے اور واپس گھر جاتے ہی ماں سے کہہ دیا۔

''اب آپ کو باہر لڑکی دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ امامہ مجھے اچھی لگی ہے اسی سے میری شادی کردیں۔ ماں کو بھلا کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔ وہ تو پہلے ہی باہر لڑکیاں دیکھ دیکھ کر تنگ آئی ہوئی تھیں کہ کوئی اچھی لڑکی مل ہی نہیں رہی تھی۔ انہوں نے تو ایک بار خود بھی فوزیہ سے امامہ کیلئے کہا تھا مگر فوزیہ نے انکار کرتے ہوئے بتایا تھا۔

''امی ہے تو امامہ بے حد اچھی۔ اتنے سال ہوگئے میری شادی کو مجال ہے جو کبھی مجھ سے غلط بات کی ہو یا کہی ہو۔ تاہم شادی کا اس کو جب بھی کہتے ہیں وہ گو کہ کوئی وجہ نہیں

بتاتی مگر کوئی وجہ تو لازمی ہے جو شادی کیلئے ناہاں کرتی ہے نہ ہی نہ اب قیوم بھائی جان کیلئے باہر لڑکی دیکھ لیں۔'' اور اب جب بیٹے نے اپنے منہ سے کہہ دیا تو ماں نے فوزیہ سے فون پر بات کی۔ ان کی ساری بات سن کر فوزیہ نے کہا۔

''امی آپ اماں کے پاس آنے سے پہلے اپنے داماد سے بات کرکے دیکھ لیں۔ پرسوں اتوار کو ہم آئیں گے۔'' یوں فوزیہ کی امی نے داماد سے بات کی۔

اور عابد بھائی نے کہا۔ ''اماں سے پوچھ کر ہی جواب دے سکتا ہوں۔'' اور جب عابد بھائی نے اماں سے بات کی تو انہوں نے کہا۔ ''لڑکا لگتا تو امامہ سے دس سال بڑا ہے خیر میں امامہ سے بات کرکے دیکھتی ہوں۔'' اور جب اماں نے امامہ سے پوچھا تو امامہ نے فوراً انکار کردیا۔

''اماں نے کہا کتنے اچھے لوگ ہیں۔ آخر تم چاہتی کیا ہو'' وہ چپ رہی۔ بیشک وہ لوگ اچھے تھے مگر امامہ اپنی مجبوری کسی کو بتا نہیں سکتی تھی۔ وہ فوزیہ بھابی کے بھائی تو کیا کسی کے ساتھ بھی اپنی مرضی سے شادی کرنے کی طاقت نہیں رکھتی تھی۔ جو طاقت رکھتا تھا وہ دور ہونے کے باوجود اپنی اس طاقت کے بل بوتے پر پل پل کی خبر رکھتا تھا۔ انکار سن کر شازیہ نے ذاتی طور پر اس کو بتایا تھا۔

''امامہ ڈیئر! بھائی جان پہلی نظر تمہیں دیکھتے ہی تمہاری محبت میں گرفتار ہوچکے ہیں۔ پلیز انکار نہ کرو۔'' مگر پھر وہی بات۔ وہ انکار ہی کرسکتی تھی' ہاں نہیں۔ یوں گھر میں فوزیہ بھابی سے بھی تعلقات خراب ہوئے تھے۔ بھابی اب اس کو پہلے والی محبت سے کم ہی مخاطب کرتی تھیں بلکہ اب وہ زیادہ تر امامہ سے بات کرنے سے گریز کرتی تھیں مگر امامہ خود ہی مائنڈ نہیں کرتی تھی۔ جبکہ فوزیہ بھابی کے بھائی اب بھی امید کا دامن تھامے ان کے یہاں آتے رہتے تھے۔ کبھی امامہ سے سامنا ہوجاتا تو چند باتیں بھی کرلیتے۔ یہ لمحے امامہ کیلئے بے حد کوفت زدہ ہوتے تھے۔ شکر ہے وہ ابھی تک اظہار محبت سے فیس ٹو فیس گریز کئے ہوئے تھے۔ یا پھر امامہ خود ہی ان کو ایسا موقع نہیں دے رہی تھی۔ وہ جب آتے امامہ ان کو سلام کرکے فوراً اپنے روم میں چلی جاتی اور اکثر اپنی اس کوشش میں کامیاب رہتی اور اس کی افطار پارٹی میں نہ جانے کی بھی یہی وجہ تھی۔ باقی رہے عابد بھائی تو ان کے بہت قریبی دوست کے ہاں افطار پارٹی تھی۔ وہ ورکشاپ سے سیدھے ادھر ہی چلے گئے تھے مگر جلد فارغ ہوکر گھر چلے آئے تھے

اور گھر آتے ہی انہوں نے سب سے پہلے خرم کو فون کیا اور گھر آنے کو کہا۔ امامہ نے صاف سنا وہ کہہ رہے تھے۔

''یار بے حد ضروری اور فوری کام ہے' بس جلدی سے آ جاؤ۔'' پھر فون بند کر کے انہوں نے امامہ کو دیکھا اور پوچھا۔ ''ہاں بھئی تم نے افطاری میں اپنے لئے کیا بنایا ہے۔'' اور امامہ نے بتایا۔

''فروٹ چاٹ اور جوس۔''

''بس یہی دو چیزیں' کھانا وغیرہ نہیں بنایا۔'' عابد بھائی نے کھڑے کھڑے پوچھا۔ انہیں شاید خرم کا انتظار تھا۔

''بھابی کھانا بنانے سے منع کر گئی تھیں کہ سحری کیلئے ادھر سے ہی کچھ لے آؤں گی۔'' امامہ نے بتایا تو عابد بھائی بولے۔ ''ہاں یہ خوب رہی' ایک تو خود وہاں سے کھاؤ' بچا کچھا ساتھ لے آئے۔'' اتنے میں ڈور بیل ہوئی۔ عابد بھائی نے کہا۔ ''یار دروازہ کھلا ہے اندر آ جاؤ۔''

پھر خرم کو آتے دیکھ کر انہوں نے امامہ سے کہا۔ ''امامہ ذرا اچھا سا دودھ پتی کا ایک مگ خرم کیلئے بنا دو میں تو پی کر آیا ہوں۔''

''میرے پاس غیر ضروری لوگوں کیلئے چائے بنانے کا ٹائم نہیں۔'' امامہ نے خرم کو سنانے کیلئے ذرا اونچی آواز میں کہا کیونکہ وہ دروازہ کھول کر ڈیوڑھی میں داخل ہو چکا تھا۔ عابد بھائی ایک بار پھر اس کو منت کرنے والے انداز میں کہہ کر چلے گئے اور امامہ بجائے چائے بنانے کے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ کر ٹی وی کھول کر دیکھنے لگی۔ چند منٹ بعد پھر ڈور بیل ہوئی۔ امامہ سمجھی کہ گھر والے آئے ہوں گے مگر بھائی کے شاید اور دوست آئے تھے کیونکہ عابد بھائی پھر امامہ کے پاس آئے اور کہا۔

''اچھی بہن! میرا ایک اور دوست آ گیا ہے۔ پلیز انکار نہیں کرنا' دو کپ چائے بنا کر دو۔'' اور وہ پہلا مگ بھرنے کے بعد دوسرے میں ڈال رہی تھی۔ جب ٹی وی لاؤنج میں پڑے فون کی بیل ہونے لگی۔ امامہ نے پہلے مگ ٹرے میں رکھے پھر فون کے قریب آئی اور ریسیور اٹھایا۔ دوسری جانب بھابی کا بھائی قیوم تھا۔ امامہ نے سلام کیا تو انہوں نے جواب دینے کے بعد امامہ کا حال پوچھا اور یہ بھی کہ وہ آئی کیوں نہیں؟ امامہ نے کہا یونہی موڈ نہیں

تھا۔

''کیا میری وجہ سے نہیں آئیں؟'' انہوں نے پوچھا۔

''جی ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ نے فون کیسے کیا؟'' امامہ نے یہ سوچ کر کہا کہ اب کہیں فون پر ہی اظہار محبت نہ شروع کر دیں۔

''بہت جلدی میں لگتی ہو۔'' انہوں نے برا مان کر کہا اور امامہ نے جھوٹ کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں' وہ مہمان آئے بیٹھے ہیں ان کے لئے چائے بنا رہی تھی۔''

''اچھا ٹھیک ہے' عابد کو بلا دو۔'' اب کے انہوں نے چونکتے ہوئے کہا تو امامہ ریسیور رکھ کر پہلے کچن میں آئی۔ چائے والی ٹرے اٹھائی اور پھر آ کر ڈرائنگ روم کا دروازہ ناک کیا۔ عابد بھائی فوراً باہر آئے اور امامہ نے چائے والی ٹرے ان کی جانب بڑھاتے ہوئے بتایا۔ ''قیوم بھائی کا فون ہے آپ پہلے چائے دے کر وہ بھی سن لیں۔''

امامہ کی بات سن کر عابد بھائی کے ٹرے کی طرف بڑھتے ہاتھ رک گئے اور انہوں نے امامہ سے کہا۔

''تم چائے اندر رکھو میں فون سن کر آتا ہوں۔'' پھر وہ امامہ کو وہیں چھوڑ کر لاؤنج میں چلے گئے۔

امامہ پہلے تو حیران ہوئی پھر سوچا ہو سکتا ہے دوسرا بندہ بھی قریبی جاننے والا ہو جو انہوں نے مجھے اندر جانے کا کہہ دیا ہے۔ پھر وہ پردہ ہٹا کر اندر داخل ہوئی تو سامنے والے صوفے پر خرم بیٹھا تھا۔ دوسرا بندہ شاید جا چکا تھا۔ اب اب کیا کروں۔ امامہ نے چند پل وہیں رک کر سوچا پھر خرم کے سامنے بچھی میز پر ٹرے رکھنے لگی تو خرم نے اس کو گھورتے ہوئے تیزی سے کہا۔

''جس بندے کیلئے یہ چائے لے کر آئی ہو وہ کب کا جا چکا ہے' اب اس کو واپس لے جاؤ۔'' وہ اس کی بات سن چکا تھا۔

امامہ کو خوشی ہوئی کہ وہ اس کو ٹارچ کرنے میں کامیاب رہی۔ اس نے ایک نظر خرم کو دیکھا۔ جس نے وائٹ گرین کلر کی شلوار قمیص کے ساتھ گرین کلر کا ہی بغیر بازو سویٹر پہن رکھا تھا۔ اس کو اچھی طرح دیکھنے کے بعد امامہ نے بڑی بے نیازی سے کہا۔

''بھائی کے کہنے پر لائی ہو اس لئے رکھ کر جا رہی ہوں۔ آپ نہ پئیں۔'' وہ چائے کی ٹرے رکھ کر ابھی پوری طرح سیدھی بھی نہ ہوئی تھی کہ خرم نے لپک کر چائے والا مگ اٹھایا پھر امامہ کی طرف بازو دراز کرتے ہوئے غرایا۔

''جی تو چاہتا ہے یہ گرم چائے تمہارے چہرے پر ڈال کر تمہیں ابھی جلا دوں۔''

''نہ نہ نہیں۔'' امامہ سہمی کانپی گھبرا کر خوفزدہ ہو کر فوراً دو قدم پیچھے ہٹی۔ خرم نے ایک نظر اس کے خوف زدہ چہرے پر ڈالی پھر اس کے سامنے کھڑا ہوتے ہوئے پوچھا۔

''میں نے تمہیں سوچنے کو ایک ہفتہ دیا تھا اور اب تین ماہ ہو رہے ہیں۔ پانچ برس بیت گئے مگر تمہاری ذہنی عمر نہیں بڑھی۔ وہ آج بھی پانچ سال پہلے والے مقام پر کھڑی ہے۔ ادھر ادھر کی فضول باتیں کرنے کے بجائے سیدھی طرح بتاؤ تم کیا چاہتی ہو۔ کیا ڈیمانڈ ہے تمہاری' پوری کرنے کی طاقت رکھتا ہوں۔ بتاؤ کتنا کپڑے چاہئے تمہیں' کتنا زیور چاہئے تمہیں اور کتنے جوتے چاہتی ہو تم اپنے لئے' کھل کر بتاؤ جو کچھ بھی چاہئے۔'' جوتوں کا لفظ اس نے آخر میں استعمال کیا تھا۔ اس وقت وہ پانچ برس پہلے والا وحشی خرم لگ رہا تھا۔ امامہ کا رنگ مارے خوف کے فق ہو چکا تھا۔ اس کو خرم سے ڈر لگ رہا تھا کہ چائے کا بھرا مگ اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ امامہ کے سامنے کھڑا اب بھی اس کو گھور رہا تھا۔ امامہ کو خوف تھا جیسے میں نے اس کے پاؤں چائے گرا کر جلائے تھے اب وہ کہیں میرا چہرہ نہ جلا دے۔ وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ عابد بھائی باہر موجود ہیں' اس سوچ نے اس کو تسلی دی۔

''اب چپ کیوں کھڑی ہو۔ جواب دو مجھے کیا چاہتی ہوں' کیا ڈیمانڈ ہے تمہاری' آج ذرا کھل کر بتا ہی دو۔'' وہ دبے دبے لہجے میں دھاڑا' شاید عابد بھائی کے خیال سے اور امامہ نے ڈرتے ڈرتے کمزور لہجے میں کہا۔

''میری کوئی ڈیمانڈ نہیں' میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا آپ سے شادی کرنے کے بجائے میں عمر بھر......''

''مزید بکواس کرنے کی ضرورت نہیں۔'' خرم نے دانت پیس کر کہا پھر ہاتھ میں پکڑا چائے کا بھرا مگ کارپٹ پر الٹا کر سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔ ''جی تو چاہتا ہے تھپڑ مار مار کر تمہارا حلیہ بگاڑ دوں مگر باہر افسوس عابد بھائی موجود ہیں۔'' پھر وہ ڈرائنگ روم کا باہر والا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

یہ شکر تھا چائے امامہ کے چہرے پر نہیں گرائی تھی۔ او کمینے انسان سارا کارپٹ خراب کر دیا۔ وہ جھک کر مگ اٹھا رہی تھی۔ جب عابد بھائی اندر داخل ہوئے اور چونکتے ہوئے پوچھا۔ ''ارے خرم کہاں گیا؟''

''وہ تو اندر تھے ہی نہیں' جب میں آئی۔'' امامہ نے جھوٹ بولتے ہوئے خالی مگ اٹھا کر ٹرے میں رکھا۔ عابد بھائی یہ کہتے ہوئے خود بھی باہر چلے گئے۔

''چلو میں خود ان کے گھر چلا جاتا ہوں۔'' پھر وہ چلے گئے تو امامہ ٹرے اٹھائے باہر آ گئی۔ کچن میں ٹرے رکھنے کے بعد وہ پھر لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئی۔ ٹی وی چونکہ کھلا چھوڑ کر گئی تھی اس لئے پھر سے ٹی وی دیکھنے لگی مگر دھیان اب بھی خرم میں ہی تھا۔ وہ بے حد غصے میں گیا تھا۔ اگر اس کو عابد بھائی کا خیال نہ ہوتا تو پتہ نہیں اس کا کیا حشر کرتا۔ امامہ خود بھی محسوس کرتی تھی' وہ اب خواہ مخواہ کی ضد کر رہی تھی۔ اب کوئی کمی نہیں تھی خرم میں مگر یہ بات اس کو تپا دیتی تھی کہ محض اپنی خوشی کیلئے خرم نے منگنی ختم کروا کر اس کو کتنے بڑے صدمے اور رسوائی سے دوچار کیا اور پورے خاندان کو پریشان کیا تھا اور پھر اسی بات کا ڈر کہ شادی کے بعد وہ اس کو طعنے دے گا۔ موٹر میکینک کو تو بڑی حقارت سے ٹھکرا دیا اور جب وہ میکینک سے بزنس مین بنا تو شادی کر لی۔ اب انکار ہی بہتر تھا اور آج اس وقت وہ اپنے رویئے سے اس کو خوفزدہ کر کے جا چکا تھا۔

امامہ اس کی بے چینی بے قراری کو سمجھ رہی تھی۔ اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

''بہت محبت ہے تمہیں مجھ سے' بہت بے تاب ہو مجھے پانے کو مگر افسوس کہ پا نہ سکو گے۔ اب تڑپتے رہو' عمر بھر' مجھے پانے کی تمنا لئے۔ اب مجھے کنوارے بیٹھ کر دکھاؤ' محبت ہے تو اب ثابت کر کے دکھاؤ۔ تم سے تو شادی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وحشی۔'' وہ انہی سوچوں میں گم بیٹھی تھی' معاً باہر کا دروازہ کھلا۔ سب سے پہلے اندر زین داخل ہوا' پھر ثوی اور اس کے بعد کرن نومی کو اٹھائے پھر اماں بھابی کھانے کے اور پھل کے شاپر اٹھائے اور ان سب کے پیچھے قیوم جوان سب کو چھوڑنے آیا تھا۔ 'لو یہ ایک اور بلا ایک اور مصیبت۔' امامہ نے دل میں سوچا پھر اٹھتے ہوئے مارے مروت کے سلام کیا۔

قیوم نے جواب دیتے ہوئے ایک بھرپور نظر امامہ پر ڈالی پھر اجازت لے کر چلا

گیا۔ اماں کہتی ہی رہ گئیں۔

''بیٹا' اب آئے ہو تو کچھ دیر بیٹھو تو سہی۔'' مگر وہ چلا گیا اور امامہ نے دل میں سوچا پہلے ہی باہر سے دفع ہو جاتے تو کیا جاتا' تمہارا۔ اس کو خاموش کھڑی دیکھ کر بھابی نے محبت سے کہا۔

''امامہ کھانا تو ابھی تم نے نہیں کھایا ہوگا۔ اب کھالو۔ شازیہ کے ہاتھ کے تمہیں شامی کباب بہت پسند ہیں نا۔ اس نے آج بطور خاص تمہارے لئے بنائے تھے مگر تم گئی ہی نہیں تو اس نے تمہارے لئے ساتھ دے دیئے ہیں۔''

اصل میں فوزیہ کو ان کی ماں نے بتایا تھا کہ وہ ایک پیر کامل کے یہاں گئی تھی اور امامہ کو قیوم کے ساتھ شادی پر رضامند کرنے کیلئے تعویذ لائی ہے۔ پیر صاحب کہتے تھے جلدی کام بن جائے گا۔ یہ سن کر فوزیہ نے برا سامنہ بناتے ہوئے اماں سے کہا۔

''کہاں یہ پیر کامل سب جھوٹے ہوتے ہیں۔ ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ سب لوگوں کو لوٹنے کے طریقے اور بہانے ہوتے ہیں۔'' اماں نے بھی امامہ کیلئے ایک پیر سے تعویذ گنڈا کرایا' 20 ہزار روپے دے کر کہ لڑکی اپنے منہ سے کہے گی میری شادی کردو اور منہ سے کہنا تو دور کی بات وہ شادی کے نام پر ہی کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے۔ 20 ہزار بھی اماں کے ضائع گئے۔ صاف سیدھی بات ہے جب سے امامہ نے قیوم بھائی کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کیا ہے میں کم ہی اس کو منہ لگاتی ہوں۔ یہی وجہ ہے آج یہاں آتے ہوئے میں نے رسماً بھی ساتھ چلنے کو نہیں کہا۔''

یہ سن کر فوزیہ کی امی نے کہا۔ ''وہ نقلی پیر ہوگا۔ یہ بڑا زبردست ہے۔ انشاء اللہ دیکھنا وہ مان جائے گی۔ اور سنو اب امامہ سے نرمی اور محبت سے بات کرنا۔ تمہارا بھائی اس کو پیار کرنے لگا ہے اور کہتا ہے امامہ سے ہی شادی کروں گا اور ہاں یہ شامی کباب یاد سے لے کر جانا اور اپنے سامنے بٹھا کر محبت سے کھلانا۔ دم کئے ہوئے پانی میں پکائے ہیں۔'' انہی باتوں کی وجہ سے فوزیہ صرف شامی کباب کھلانے کیلئے امامہ کو خود محبت اور نرمی سے مخاطب کیا تھا۔

''سوری بھابی! اس وقت تو موڈ نہیں' سحری میں کھالوں گی۔'' امامہ نے کہا اور اپنے روم میں آ گئی۔

سحری اماں خود بناتی تھیں۔ بھابی کے یہاں چوتھا بچہ ہونے والا تھا۔ وہ بھی روزہ

رکھتی تھیں۔ کبھی چھوڑ دیتی تھیں۔ ہاں افطاری وہ امامہ کے ساتھ مل کر بناتی تھیں مگر آج چونکہ امامہ کو شامی کباب کھلانے تھے' وہ بطور خاص اٹھی تھیں اور اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوگئی تھیں مگر امامہ پر تو کوئی چیز اثر نہ کرتی تھی۔ یوں بھی شادی سے انکار تو وہ خرم کی وجہ سے کرتی تھی۔ اگر خرم درمیان میں نہ ہوتا تو وہ بھی کب کی شادی کر کے نسرین اور نینا کی طرح بچے پال رہی ہوتی اپنے گھر میں بیٹھی۔

دو دن بعد اتوار تھا۔ امامہ نے سحری سے فارغ ہوتے ہی مشین لگائی تھی اور جب کپڑے اوپر ڈالنے آئی تو نگاہ بطور خاص میداں کی چھت کی جانب تھی کہ پرسوں رات خرم بے حد غصے میں رخصت ہوا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی اب کیا حال یا حالت ہے۔ غصے سے پاگل ہو رہا ہوگا مگر آج چھت خالی تھی حالانکہ نسرین کے جانے کے بعد جب پچھلی اتوار آئی تھی وہ تب بھی چھت پر موجود تھا۔ وہ خاموشی سے کھڑا اس کو دیکھتا رہا۔ یہ الگ بات تھی آنکھوں میں غصہ، پیشانی شکن آلود تھی۔

امامہ کو اسے غصے میں دیکھ کر خوشی ہوتی تھی۔ وہ چاہتی تھی جس طرح میں پانچ سال تپتی رہی ہوں اب یہ تپتا رہے۔ باہر سے یہ سوچ کر آیا ہوگا وطن واپس جاتے ہی شادی کر لوں گا۔ مگر ادھر سے جواب ہمیشہ انکار کی صورت میں ہی ملے گا۔

مگر آج وہ نہیں تھا۔ خالی چھت اس کا منہ چڑا رہی تھی۔ امامہ کپڑے ڈالتے ہوئے بار بار ادھر دیکھتی رہی۔ نجانے کیوں یکدم ہی اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی کوئی چیز کھو گئی ہو۔ چیز اہم تھی یا معمولی اس کا ابھی اندازہ نہیں کر پا رہی تھی۔ کپڑے پھیلانے کے بعد بھی وہ کتنی دیر بے مقصد ہی اوپر ٹہلتی رہی۔ مگر خرم کو نہ آنا تھا نہ آیا تو وہ مایوس سی نیچے چلی آئی۔ سیڑھیاں اترنے سے پہلے بھی اس نے مڑ کر ادھر دیکھا تھا۔ مگر سب لاحاصل تھا۔ وہ آج اوپر آیا ہی نہیں تھا۔ اتوار کی شام وہ ان کے ہاں لازی آتا تھا۔ امامہ منتظر تھی کہ کب آتا ہے۔ مگر اس شام وہ نہیں آیا تھا۔ امامہ نے سر جھٹک کر سوچا چلو کمینے کی کمینگی سے جان چھوٹ گئی۔ لگتا ہے اس بار اس کو میری بات کی اچھی طرح سمجھ آ گئی ہے۔ مگر خود اپنے اندر کی حالت کو وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ خرم نے پھر جیسے اس کے سامنے نہ آنے کی قسم کھا لی تھی۔

اور چند روز بعد ایک انہونی ہوگئی اس کے لئے وہ کم از کم یہ انہونی ہی تھی۔ اس دن وہ کالج سے آنے کے بعد کپڑے چینج کئے بغیر لاؤنج میں بیٹھی کھانا کھا رہی تھی۔ اس کی یہ

عادت تھی۔ سالن اس کی پسند کا ہوتا تو وہ کپڑے چینج بعد میں کرتی تھی کھانا پہلے کھاتی تھی۔ آج اماں نے قیمہ مٹر پکائے تھے جو اس کے فیورٹ تھے۔ ابھی اس نے دو چار ہی نوالے لئے تھے کہ خالہ میداں اور خرم کی والدہ چلی آئیں اور صحن میں بچھے تخت پوش پر جہاں اماں بیٹھی تھیں وہ بھی بیٹھ گئیں۔ سلام دعا کے بعد ادھر ادھر کی چند باتیں کرنے کے بعد خرم کی ماں نے کہا۔

''بہن! آج میں آپ سے کچھ مانگنے آئی ہوں۔''

''سب کچھ آپ کا ہے۔ مانگنے کی ضرورت نہیں۔ جس چیز کی ضرورت ہو اٹھا کر لے جائیں۔'' اماں نے پورے خلوص سے کہا۔

''ہاں میرا بھائی زندہ ہوتا تو شاید ایسا ہی کرتی۔'' خرم کی والدہ نے کہا۔ یہ سن کر اماں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور خالہ میداں نے ماحول کو مزید افسردگی سے بچانے کے لئے بولنا ضروری سمجھا۔

''بھائی زندہ نہیں تو کیا ہوا۔ بھابی تو ہے نا۔ پھر ڈر کس بات کا۔ جو مانگنے آئی ہو مانگ لو۔''

ان کی بات سن کر سامنے لاؤنج میں کھانا کھاتی۔ امامہ نے سوچا۔

''پہلے کبھی سالن کبھی کبھی مرچ لہسن پیاز مانگنے آتی تھیں۔ آج کیا خاص چیز مانگنے آئی ہیں جو یہ تمہید باندھی جا رہی ہے۔''

اسی وقت خرم کی والدہ نے سامنے صوفے پر بیٹھی امامہ کو محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں کرن کو اپنی بیٹی بنانا چاہتی ہوں۔''

اماں نے شاید چونک کر ان کو اتنا نہیں دیکھا ہوگا جتنا حیران ہو کر امامہ نے دیکھا تھا۔ منہ کی طرف نوالا لے جاتے ہوئے اس کا ہاتھ جہاں تھا وہیں رک گیا۔ دل پر جیسے کسی نے پوری قوت سے گھونسا کھینچ مارا تھا۔

☆......☆......☆

اماں کو خاموش دیکھ کر خرم کی ماں نے پھر کہا۔

''میرا بھائی زندہ ہوتا تو اتنی دیر بھی نہ کرتا مگر آپ خاموش کیوں ہیں؟ جواب دیں میں کرن کو اپنی بیٹی بنانا چاہتی ہوں۔''

''ٹھیک کہتی ہیں آپ۔ اگر آپ کا بھائی زندہ ہوتا تو شاید ابھی آپ کی جھولی میں یہ خوشی ڈال دیتا مگر مجھے سوچنا پڑے گا اور عابد سے بھی پوچھنا ہوگا۔ اس کے بعد ہی آپ سے کچھ کہہ سکتی ہوں۔'' اماں نے کہا تو خرم کی ماں کہنے لگی۔

''میں کل پھر آؤں گی' خرم کیسا لڑکا ہے آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔ کاروبار بھی اس نے اپنا ذاتی کر لیا ہے۔ اب انکار نہیں کرنا اور نہ مجھے انکار سننا ہے۔''

''تم اب کل آنا خدا بہتر ہی کرے گا۔'' اماں نے کہا تو وہ دونوں چلی گئیں۔ کرن امامہ کے پاس بیٹھی تھی مگر چپ اور گم صم۔ سامنے پسندیدہ کھانا مگر اب ایک نوالہ بھی لینے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ بھوک جیسے مر گئی تھی۔ تب ہی وہ اماں کی آواز سن کر چونکی اماں کہہ رہی تھی۔

''لڑکا تو دیکھا بھالا ہے' خوبصورت ہے' جوان ہے اور دوست کے ساتھ مل کر اپنا ذاتی کاروبار شروع کر چکا ہے۔ یوں بھی اکیلا ہے۔ نہ کوئی بھائی نہ بہن، صرف ماں ہے۔ میرے خیال میں تو ہاں کر دینی چاہیے۔ کرن بہت خوش رہے گی۔ عادت کا بھی بہت اچھا ہے۔''

''مگر اماں! اس کی تعلیم وہ ان پڑھ ہے۔'' امامہ نے جلدی سے کہا' خود کی بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا اس نے ایسا کیوں کہا۔

''ان پڑھ تو نہیں۔ میٹرک اس نے اچھے نمبروں سے پاس کیا تھا۔ باپ زندہ نہیں تھا جو اس کی تعلیم کا خرچہ اٹھاتا۔ اس لئے تعلیم ادھوری رہ گئی اور پھر ہمارے زمانے میں عورتیں

ان پڑھ ہوتی تھیں جبکہ مرد بے حد پڑھے لکھے۔ وہ بھی تو ان پڑھ عورتوں سے شادی کرتے تھے اور زندگی ٹھیک ٹھاک ہی گزرتی تھی۔" اماں نے وضاحت سے جواب دیا تو امامہ بولی۔

"اماں وہ زمانہ اور تھا۔ تعلیم برائے نام تھی اور کون سا اب سارے ہی مرد پڑھے لکھے ہوتے ہیں اور ویسے بھی گھر اپنا نہیں کرائے دار ہیں۔" امامہ نے ان کو قائل کرنے کی ایک اور کوشش کی۔

"خرم نے مجھ سے خود کہا تھا۔ وہ شادی سے پہلے اپنا گھر لازمی خریدے گا۔" اماں نے بتایا تو وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ دل کو یکدم ہی کچھ ہونے لگا تھا۔ کیا؟ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ کھانا' کھانا تو دور کی بات وہ برتن بھی وہیں چھوڑ آئی تھی کہ کرن خود ہی اٹھا لے گی۔ یونیفارم بدل کر بھی وہ باہر نہیں گئی تھی۔ اپنی کیفیت کو وہ خود بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

رات کو اماں نے جب عابد بھائی کھانا کھا چکے تو ان کو بتایا کہ خرم کی والدہ آئی تھیں۔ اور وہ کیا چاہتی تھیں۔ ساری بات سننے کے بعد عابد بھائی نے کہا۔

"تعلیم اچھی چیز ہے مگر اصل چیز زندگی میں پیسہ ہے۔ لڑکا محنتی ہے اور پیسہ کمانے کا ہنر جانتا ہے۔ پھر کوئی لمبی چوڑی فیملی بھی نہیں۔ آپ ہاں کہہ دیں۔ باقی رہا گھر تو شادی سے پہلے نہیں تو شادی کے بعد بن جائے گا۔" عابد بھائی کو اتنی آسانی سے ہاں کرتے دیکھ کر امامہ نے رشتہ ختم کرانے کی ایک اور کوشش کی۔

"بھائی جان! یہ کرن کی زندگی کا مسئلہ ہے۔ کرن کو بھی پوچھ لیں وہ راضی ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے اس نے ایم بی اے کیا ہے جب کہ لڑکا میٹرک ہے۔"

"ہم اس کے بڑے ہیں' اس کا بھلا ہی سوچیں گے۔ جانتی ہے وہ بھی۔ ویسے بھی اس میں اور تم میں بہت فرق ہے۔" اماں نے نجانے کیا سوچ کر یہ جواب دیا۔ امامہ چپ چاپ اٹھ کر اپنے روم میں آ گئی مگر وہ ابھی اس رشتے کو روکنے کی ایک اور آخری کوشش کرنا چاہتی تھی۔ یہی وجہ تھی جب سب اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے تو اس نے کرن کو اپنے روم میں بلایا اور پاس بٹھا کر پوری سنجیدگی سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"کرن! تم نے ابھی ایم بی اے کے پیپرز دیئے ہیں اور خرم میٹرک۔ یہ ظلم نہیں تمہارے ساتھ......"

"آپی! مجھے ان کی ڈگری کسی کو دکھانی تو نہیں۔ وہ محنت سے کمانے کا ہنر جانتے

ہیں۔ مرد کے حوالے سے یہی بات اہم سمجھی جاتی ہے۔" کرن نے پورے ادب سے جواب دیا۔

"مگر کرن! گھر بھی اپنا نہیں۔ دو ٹکے کے کرائے دار۔" امامہ نے اب کے نفرت اور حقارت بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"آپی! انہوں نے اماں سے خود کہا ہے وہ شادی سے پہلے اپنا گھر لازمی لیں گے اور شادی سے پہلے نہیں بعد میں سہی بلکہ میں تو کہتی ہوں ابھی نیا نیا بزنس سیٹ کیا ہے' لاکھوں روپے نکال کر گھر لینے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ چند ہزار روپے پر کوئی اچھا سا گھر کرائے پر لے لیں پھر دو تین سال بعد اپنا گھر بھی بنا لیں گے......اور تو کوئی کمی نہیں ان میں۔" کرن نے ایک بار پھر ادب سے جواب دیا تو امامہ کچھ دیر سوچتی رہی پھر بولی۔

"کرن! تمہیں شاید معلوم نہیں۔ وہ تم سے دس برس بڑا ہے۔"

"آپی! یہ تو کوئی عیب نہیں۔ میری ذاتی رائے ہے کہ مرد کو عورت سے آٹھ دس برس بڑا ہونا چاہیے اور وہ ویسے بھی مجھ سے اتنے بڑے لگتے بھی نہیں۔ آپ نے شاید انہیں کبھی غور سے نہیں دیکھا۔ وہ اپنی عمر سے کافی چھوٹے لگتے ہیں۔" کرن نے کچھ فخر سے کہا۔

امامہ نے مزید کچھ کہنے کے بجائے اس کو جانے کا اشارہ کر دیا اور جب کرن چلی گئی تو اس نے خود اپنے آپ سے پوچھا یہ سب کیا ہے؟ میں اس کا رشتہ کیوں ختم کروانا چاہتی ہوں؟ کیا یہ نفرت، یہ بیزاری اس وقت تک تھی جب تک وہ والہانہ انداز میں اس کی جانب بڑھتا رہتا تھا...... اب وہ گریزاں ہو گیا ہے تو یہ بے چینی کیسی؟ کیا یہ محبت ہے؟ یہ کیسی محبت ہے جو اس کے منظر سے غائب ہوتے ہی ابھر آئی؟ محبت نہیں' میں اس ذلیل انسان سے محبت اپنی زندگی کی آخری سانس تک نہیں کر سکتی......تو پھر یہ سب کیا ہے؟ کیوں اس کا رشتہ ختم کروانے کی کوشش کرتی جا رہی ہوں۔ یہ محبت نہیں' ہاں ہاں یہ محبت نہیں احساس توہین ہے۔ وہ شخص جو مجھے ٹوٹ کر چاہتا تھا یکدم اس نے مجھے ٹھکرا کر کسی اور کا ہونے کا' یا اپنانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ تو کہتا تھا ادھر تم کنواری بیٹھو گی ادھر میں تمہاری محبت میں کنوارہ بیٹھوں گا۔ پھر اب کیا ہوا اس نے مجھے تنہا چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

"سنو اس نے خود ہی تم سے کہا تھا۔ اب کہ اچھی طرح سوچ کر مجھے جواب دینا۔ مجھے مایوس کرنا نہ ہی اپنے لئے تنہائیوں کا انتخاب کرنا۔ یہ تنہائی تو تمہارا اپنا انتخاب ہے۔"

ارے وہ گھبرا کر اٹھی اور مزید ان سوچوں سے بچنے کیلئے اپنے پسندیدہ سونگ کی سی ڈی کمپیوٹر میں ڈال کر آواز اونچی کر دی۔ اپنے اندر ہونے والے شور کو وہ باہر والے شور سے بچانا چاہتی تھی اور کافی حد تک وہ اس میں کامیاب ہو رہی تھی۔

کرن کا خرم کے ساتھ رشتہ ختم کرانے کی ہر کوشش ناکام ہوگئی اور پھر پوری محبت' عزت واحترام سے کرن کے رشتے کی خرم کیلئے نہ صرف ہاں کر دی گئی بلکہ عید سے ایک ہفتہ پہلے چھوٹی سے منگنی کی رسم بھی ادا کر دی گئی۔ منگنی پر خرم کی والدہ کے ساتھ خالہ میراں اور ان کے میاں، نسرین اور اس کے میاں، منیر بھائی اور بھابی شبانہ کل سات لوگ آئے تھے اور افطاری کے بعد وہ لوگ رسم کر کے چلے گئے تھے۔ سب گھر والے بے حد خوش تھے۔ خاص کر کرن کی خوشی دیکھنے کے لائق تھی۔ منگنی پر وہ لوگ کرن کیلئے صرف دو سوٹ لائے تے۔ خرم کی والدہ نے کرن کو دس ہزار روپے سلامی دی تھی۔

امامہ نے سوچا کمینہ مجھ سے پوچھتا تھا کتنا زیور چاہیے اور منگنی پر ایک گولڈ کی انگوٹھی بھی نہیں لا سکا اور مٹھائی بھی پانچ کلو اور صرف دو سوٹ اور وہ بھی زیادہ قیمتی نہیں لگتے اور یہ نسرین سوائے سلام دعا کے آج مجھ سے اور کوئی بات نہیں کی۔ سارا وقت کرن کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہی۔ کمینی مجھ سے کہتی تھی ماموں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتے اور اب میرا انکار سنتے ہی مجھے بھول کر کرن سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اماں ٹھیک ہی کہتی ہیں' کوئی کسی سے محبت نہیں کرتا لیکن اب میرا کیا ہوگا؟ وہ شادی کے بعد بلا روک ٹوک یہاں آیا کرے گا۔ یہ سب برداشت ہوگا مجھ سے؟ برداشت تو اب کرنا ہوگا۔

پھر عید سے پہلے اماں لوگ جا کر خرم کو انگوٹھی پہنا آئے۔ ساتھ پانچ سوٹ' 21 کلو مٹھائی۔ امامہ نے دبے دبے لفظوں میں کہا بھی تھا۔

''اماں! وہ لوگ لڑکے والے ہو کر دو سوٹ لائے ہیں۔ آپ پانچ سوٹ لے کر جا رہی ہیں۔ ان کو تو آدھے تولے کی انگوٹھی لانے کی توفیق نہیں ہوئی اور تو اور وہ مٹھائی بھی پانچ کلو لائے تھے۔ آپ 21 کلو لے کر جا رہی ہیں۔ یہ کوئی بات ہے۔''

اس کی باتیں سن کر اماں تو چپ رہیں جبکہ بھابی نے کہا۔

''وہ دو سوٹ اس لئے لائے ہیں کہ عید کے فوراً بعد ان کا پروگرام شادی کرنے کا ہے۔ باقی کیا ضروری ہے کہ وہ انگوٹھی نہیں لائے تو ہم بھی نہ لے کر جائیں۔ شادی پر بھی تو

پہنانی تھی تو اب سہی۔'' بھابی مزید وضاحت کے موڈ میں تھی مگر امامہ سے سنا ہی نہیں جا رہا تھا۔ وہ جلدی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ رسم میں شامل ہونے کیلئے سب ہی بہنیں آئی تھیں مگر امامہ نے طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنا کر جانے سے انکار کر دیا۔

وہ اسکول میں ہوتی یا گھر وہ آنے والے دنوں کا سوچتی تھی اور مسلسل سوچنے سے وہ عید سے پہلے حقیقت میں بیمار پڑ گئی مگر گھر میں جیسے کسی کو اس کی پروا نہیں تھی۔ عید والے دن سب عید کی نماز پڑھنے کے بعد ایک دو منٹ کیلئے اس کو عید مبارک کہنے آئے پھر چلے گئے کیونکہ خرم اور خرم کی والدہ دوپہر کے کھانے پر آ رہے تھے۔ اس لئے سب ہی مصروف تھے۔ کرن منگنی پر آنے والا سوٹ پہن کر بطور خاص اس کو دکھانے آئی۔ امامہ سے برداشت نہ ہوا اور کہہ دیا۔

''کرن! اچھی لگ رہی ہو مگر سوٹ اتنا قیمتی نہیں جبکہ شوروم اپنا ہے پھر بھی گولڈ کی ایک انگوٹھی تک نہیں لا سکے اور سنو اب تم جاؤ میری طبیعت ٹھیک نہیں' میرے روم میں اب کوئی نہ آئے۔''

اور پھر واقعی اس کے روم میں کوئی نہیں آیا تھا۔ وہ سب لاؤنج میں بیٹھے ہنستے مسکراتے باتیں کرتے رہے اور امامہ اندر تکیے میں منہ چھپا کر روتی رہی۔ وہ خرم کو عمر بھر انتظار کی آگ میں جلانا چاہتی تھی۔ اپنی محبت میں تڑپانا چاہتی تھی مگر وہ مرد تھا اس نے تڑپنے اور انتظار کرنے کے بجائے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اب وہ خود کیا کرے' قوم کے رشتے کیلئے ہاں کر دے' پتہ نہیں وہ اب بھی مجھے شادی کرنے کی اجازت دے گا یا نہیں اور اگر دے بھی تو اب اپنے منہ سے شادی کا کیسے کہہ سکتی ہوں۔ اماں' بھابی یہ سوچیں گی کہ بہن کی شادی ہوتے دیکھ کر اپنی شادی کا کہہ دیا جبکہ پہلے منتیں کر کے تھک گئے تھے مگر شادی کیلئے ہاں نہیں کرتی تھی۔ اب خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔

پھر باہر دوپہر کا کھانا بھی کھا لیا گیا مگر اس کا کسی کو خیال تک نہ آیا حالانکہ اس نے صبح ناشتہ بھی نہیں کیا۔ خود ہی ناشتے سے انکار کر دیا تھا...... پھر کھانے کے بعد وہ سب چائے پی رہے تھے جب اماں کو اس کی یاد آئی اور انہوں نے پوچھا۔

''فوزیہ! امامہ کو کھانا دیا تھا......؟''

''اُفوہ اماں! مجھے یاد ہی نہیں رہا۔'' بھابی نے کہا تو اندر لیٹی امامہ نے سوچا ہاں بہت

سیدھی اور معصوم ہے جو کھانا دینا یاد نہ رہا۔ یہ نہیں کہتی کہ بھائی کے ساتھ شادی سے انکار پر جان بوجھ کر مجھے پریشان کرتی ہے۔ تب ہی اماں کی آواز آئی۔

''جاؤ دیکھو' کھانا بھی دے کر آؤ۔ اس نے تو صبح ناشتہ بھی نہیں کیا تھا اور طبیعت کا بھی پوچھ کر آنا اب کیسی ہے۔'' فوزیہ فوراً اٹھ گئی تو خرم کی والدہ نے پوچھا۔

''کیا ہوا امامہ کو؟''

''اچھی بھلی تھی اچانک بخار ہو گیا ہے۔'' اماں نے بتایا اور امامہ کو بے حد غصہ آیا۔ اس نے سوچا وہ کمینہ سمجھے گا میں شاید اس کی منگنی کی وجہ سے بیمار ہوئی ہوں اور پھر ان کو لے کر یہاں لاؤنج میں بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی ڈرائنگ روم تھا۔ ڈرائنگ روم یا ہال کمرے میں بیٹھ سکتے تھے۔ وہ ابھی اتنا ہی سوچ پائی تھی کہ بھابی کھانے کی ٹرے لئے روم میں داخل ہوئی۔ امامہ نے فوراً آنکھیں بند کر لیں۔ بھابی نے چارپائی کے قریب آ کر کہا۔

''امامہ! سو رہی ہو کیا؟ مہمانوں کی وجہ سے تمہیں کھانا دینا ہی یاد نہیں رہا۔'' امامہ چپ رہی۔ بھابی نے دوبارہ پوچھا۔

''اب تمہاری طبیعت کیسی ہے اماں پوچھ رہی تھیں؟''

''اب ٹھیک ہوں۔'' امامہ نے آنکھیں کھولے بغیر جواب دیا اور کہا۔

''مجھے بھوک نہیں اس لئے کھانا واپس لے جائیں۔''

''چائے بنا دوں؟'' بھابی نے نرمی سے پوچھا۔

''کوئی ضرورت نہیں۔'' امامہ نے بیزاری سے کہا۔

''اچھا جیسے تمہاری مرضی۔'' بھابی نے کہا اور کھانے کی ٹرے لئے واپس چلی گئیں اور امامہ مارے غصے کے سوچنے لگی صبح سے کسی کو میرا خیال تک نہیں آیا۔ سب ہنسنے کھیلنے بولنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اب آئی ہیں کھانا دینے اور حال پوچھنے اور اماں کو آج داماد کے علاوہ کسی کا خیال ہی نہیں۔ انہوں نے اس وقت خرم کو مجھ پر فوقیت دی تھی۔ جب خرم سے ان کا کوئی خاص تعلق نہیں تھا اب تو رشتے داری ہو گئی ہے خیر سے موصوف ہونے والے داماد ہیں۔

''ارے۔'' وہ چونک پڑی۔ اماں اس کے روم میں داخل ہوتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''آ جاؤ بیٹا! اب یہ تمہارا اپنا گھر ہے اور سالیاں بہنیں ہی تو ہوتی ہیں۔'' دوسرے ہی لمحے خرم اور اس کی ماں امامہ کے قریب چلے آئے۔ وہ اس کی محبت تھی اور اماں نے بہن بنا

دیا تھا......

''ارے کیا ہوا میری بچی کو؟'' خرم کی ماں نے محبت اور شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر پوچھا۔ امامہ نے جواب دینے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ اماں ہی کو پھر بتانا پڑا۔

''بخار ہے۔ رمضان میں کام بھی تو بڑھ جاتا ہے۔ عید آنے تک تھکن ہو جاتی ہے اور شاید تھکن کی وجہ سے امامہ کو بخار ہو گیا۔''

جبکہ وہ خاموش کھڑا امامہ کو بغور دیکھ رہا تھا اور امامہ نے آخری لڑائی کے بعد اس کو آج پہلی بار دیکھا تھا۔ اسکن کلر کے سفاری سوٹ میں نہ صرف وہ بہت اچھا بلکہ باوقار لگ رہا تھا مگر ضبط کے باوجود نجانے کیوں آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔ وہ مسلسل اس کو دیکھتا جا رہا تھا جیسے اس کی حالت سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔ حال احوال پوچھنے کی اس نے زحمت گوارا نہیں کی تھی۔

''ڈاکٹر کو دکھایا تھا؟'' خرم نے اس کے بجائے اماں سے پوچھا۔

''کہا تو تھا ڈاکٹر کے پاس چلو مگر امامہ مانی نہیں۔ ضدی بہت ہے یہ۔'' اماں نے خرم سے کہہ دیا اور خرم نے مزید کچھ کہنے کے بجائے سر ہلا دیا جیسے کہہ رہا ہو۔ ہاں میں بھی جانتا ہوں پھر خرم کی اماں نے ہزار کا نوٹ امامہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''بیٹی! یہ تمہاری عیدی ہے۔''

''میں کسی سے عیدی لینا پسند نہیں کرتی۔'' امامہ نے بدتمیزی سے کہا۔ اماں نے گھور کر اس کو دیکھا۔ امامہ نے پروا نہ کی اور کہا۔

''اماں! میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔ آپ سب جائیں میرے روم سے۔'' جواباً اماں اس کو کچھ سنانا ہی چاہتی تھیں کہ خرم بول پڑا۔

''آئیں اماں اور آپ بھی۔'' پھر وہ دروازے کی جانب بڑھ گیا بغیر اس کو دیکھے۔ اس کی ماں اور اماں بھی چلی گئیں اور امامہ نے دیکھا جاتے ہوئے اماں اس کو گھور گھور کر دیکھ رہی تھیں۔ امامہ کے کمرے سے نکلتے ہی خرم نے اماں اور عابد بھائی سے کہا۔

''عابد بھائی! اب اجازت دیں چند دوستوں سے عید ملنے جانا ہے۔''

''میں چاہتی تھی سہ پہر کی چائے پی کر جاتے۔'' اماں نے کہا۔

''سہ پہر کی چائے پھر کبھی سہی ابھی جانا ضروری ہے۔'' خرم نے ادب سے جواب

دیا اور ان کو سلام کر کے دونوں ماں بیٹا چلے گئے اور ان کے جاتے ہی اماں غصے سے بھری امامہ کے کمرے میں آئیں اور کہا۔

''اچھی طرح جانتی ہوں کہ تم خرم اور اس کی والدہ کو پسند نہیں کرتی مگر پہلے کی بات اور تھی' اب وہ اس گھر کا داماد ہے۔ آئندہ اس کی بلکہ دونوں کی عزت کا خیال رکھنا۔ بہنوئی ہے اب وہ تمہارا۔'' امامہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور اماں بھی اس کی خراب طبیعت کے پیش نظر بڑبڑاتی ہوئی باہر چلی گئیں۔ ان کے باہر جاتے ہی امامہ مارے غصے کے اٹھ بیٹھی۔

''اگر کرن کی شادی خرم کے بجائے کسی اور کے ساتھ طے ہوتی تو کیا پھر بھی اس کا رویہ یہی ہوتا۔ ہرگز نہیں وہ اپنے بہنوئی سے نہ صرف بہت ساری باتیں کرتی بلکہ شرارتیں بھی کرتی مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور ہے مگر گھر والے تو ہر بات سے بے خبر ہیں۔ مجھے خود کو سنبھالنا ہوگا۔ اپنا رویہ بدلنا ہوگا اور یہ خرم کمینہ کتنا بن ٹھن کے آیا تھا۔ شکر ہے کہ لباس پہننے کی تمیز آ گئی۔ کبھی تھری پیس اور کبھی ٹو پیس۔ کبھی جینز شرٹ، شلوار سوٹ اور آج سفاری سوٹ پہن کر آیا تھا۔ صرف مجھے دکھانے بلکہ تڑپانے کو کتنا فریش چہرہ تھا۔ کتنا پرسکون تھا وہ ذرا سا بھی تو محسوس نہیں ہوا کہ وہ مجھے چاہتا تھا...... ذرا سی ندامت بھی اس کے چہرے پر نہیں تھی۔ مجھ سے بات کرنا بھی آج اس کو گوارا نہیں تھا۔ میرے روم میں آنے کے باوجود اس نے میرا حال پوچھنے کی زحمت نہیں کی۔ اماں کی وجہ سے مارے مروت کے اندر آیا ہوا تھا۔''

وہ سوچتی اور کھولتی رہی۔

عید کے دوسرے دن بھابی، عابد بھائی اور بچوں کے ساتھ اپنے میکے چلی گئیں اور اماں محلے میں پھرنے نکل گئی تھیں۔ امامہ کی طبیعت کچھ بہتر تھی۔ وہ کچن میں اپنے لئے چائے بنا رہی تھی کہ فون کی بیل ہونے لگی۔ امامہ چائے کا مگ بھر کر باہر آئی' ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا ہی تھا کہ دوسری طرف سے خرم نے بڑی بے قراری سے پوچھا۔

''کرن! یہ تم ہو نا۔'' امامہ کو کرن کیلئے اس کی یہ بے قراری محسوس کر کے شاک لگا۔ وہ چاہنے کے باوجود بول نہ سکی اور خرم نے شکوے بھرے لہجے میں کہا۔

''جانتی ہو کرن! میں کھانے پر آیا ہی تمہارے لئے تھا۔ تمہاری منگنی کے دونوں سوٹ میں نے اپنی پسند کے لئے تھے۔ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم ان میں کیسی لگتی ہو مگر تم سامنے ہی نہیں آئیں۔''

مزید سننا امامہ کی برداشت سے باہر تھا۔ اس نے فون بند کر دیا اور اپنے روم میں آ گئی۔ مگر گم صم' کل تک جو بے قراری' بے تابی اس کیلئے تھی اس کا رخ کرن کی جانب مڑ گیا تھا۔

''کہتا تھا تم سے سچی محبت ہے' صرف پانچ سال مجھے دے دو۔''

اور خود پانچ ماہ بھی انتظار نہیں کر سکا۔ وہ چونک پڑی۔ فون کی بیل پھر ہونے لگی تھی۔ وہ چپ چاپ سنتی رہی۔ پھر کرن نے ہی اپنے کمرے سے نکل کر فون اٹھایا تھا۔ پھر امامہ کا جی چاہا تھا اندر والے فون سے خود بھی سنے مگر اس نے ریسیور اٹھانے کے بجائے کھڑکی کھول لی تھی۔ کرن کہہ رہی تھی۔

''میں نے پہلے اٹھایا ہی نہیں پھر بند کرنا کیا۔ وہ آپی ہوں گی۔ جی ہاں آپ والا سوٹ پہنا تھا' کیسی لگ رہی تھی' آپ خود دیکھ لیتے تو پتہ چل جاتا۔ میں خود کیسے آپ کے سامنے آ سکتی تھی' مجھے شرم آتی تھی۔'' دوسری جانب سے پھر پتہ نہیں کہ خرم نے کیا کہا کہ کرن ''جی ہاں'' کہتے ہوئے ہنس پڑی۔ امامہ نے یہ دیکھ کر فوراً کھڑکی بند کی۔ پھر بستر پر بیٹھ کر آنے والے دنوں کا سوچنے لگی۔

عید کے فوراً بعد گھر میں شادی کی تیاریاں پورے زور و شور سے شروع ہو چکی تھی۔ شادی کی شاپنگ کیلئے کبھی بڑی باجی، اماں' بھابی کا ہاتھ بٹانے آ رہی تھی تو کبھی چھوٹی باجی اور گھر میں سارا وقت شادی اور شاپنگ کی باتیں ہوتی تھی۔ گھر کا ماحول امامہ کیلئے دوزخ بن گیا تھا۔ کرن کیلئے شاپنگ ہمیشہ وہ خود کرتی تھی۔ خاندان کی کوئی تقریب ہو یا کالج یونیورسٹی کا فنکشن کرن ہمیشہ اس کی پسند کا لباس پہنتی تھی لیکن اب اماں نے شادی کی شاپنگ کا کہا تو امامہ نے صاف انکار کر دیا بلکہ گھر مزید دیر سے آنا شروع کر دیا تھا۔ وجہ یہ کہ دیر سے آنے کیلئے اس نے دو گھنٹے کی اسکول کے اندر ہی ٹیوشن پڑھانی شروع کر دی تھی۔ یہ دیکھ کر اماں سے ضبط کرنا مشکل ہو گیا اور انہوں نے غصے سے کہا۔

''امامہ! آج کل تمہیں اسکول سے جلدی آنا چاہیے اور تم نے مزید دیر سے آنا شروع کر دیا ہے۔ یہ کوئی طریقہ ہے۔''

''مجبوری ہے' اپنے شوق سے دیر نہیں کرتی۔'' امامہ نے بھی خشک لہجے میں کہا۔

''یہ ٹیوشن کا نیا شوق پال لیا ہے تم نے۔ وہ بھی اس وقت جب گھر میں سب شادی

کی تیاریوں میں لگے ہوئے ہیں۔ تمہیں ٹیوشن پڑھانے کی کیا ضرورت تھی۔ کیسی مجبوری تھی‘ کھانے کو نہیں دیتے ہم لوگ تمہیں یا پہننے کو نہیں ملتا۔ جان بوجھ کر گھر سے باہر رہنے کا بہانہ ڈھونڈا ہے تم نے۔ گھر میں بھی تمہاری ضرورت ہے۔ نہ ہمارے ساتھ شاپنگ کیلئے جاتی ہو نہ ہماری لائی ہوئی چیزیں دیکھتی ہو‘ یہ تمہیں آخر ہوتا کیا جارہا ہے‘ کچھ ہمیں تو بھی پتہ چلے کیا چاہتی ہو تم؟“ اماں نے پوچھا تو امامہ بولی۔

”مجھے کچھ نہیں ہوا اماں! شاپنگ کیلئے اس لئے آپ کے ساتھ نہیں جاتی کیونکہ اس وقت میں اسکول میں ہوتی ہوں۔ ٹیوشن کو مجبوری اس لئے کہہ لیں کہ کسی نے بہت منت کی تھی کہ بچوں کو ٹیوشن پڑھا دیا کریں اور میں انکار نہ کر سکی۔“ حالانکہ ٹیوشن اس نے جان بوجھ کر خود حاصل کی تھی۔ ”اور آپ نے شادی کی شاپنگ نہ دیکھنے کی بات کی ہے تو جب آپ ساری شاپنگ مکمل کر لیں گی تب ایک ساتھ ہی دیکھ لوں گی۔ اسکول سے اتنا تھک کر آتی ہوں کہ کھانا کھانے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ اسکول سے آتے ہی کپڑے تبدیل کر کے سو جاتی ہوں۔ کھانا بھی شام برتن دھونے سے پہلے کھاتی ہوں۔“ یہ سن کر اماں نے کہہ دیا۔

”خیر جو بھی ہے کل سے تم اسکول نہیں جاؤ گی۔“

”مگر کیوں اماں؟“ امامہ نے حیران ہو کر پوچھا کہ سب کچھ سن کر بھی اماں کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔

”تمہیں اچھی طرح معلوم ہے امامہ! کہ کرن کیلئے لباس کا انتخاب ہمیشہ تم کرتی ہو۔ کل اس کے سوٹ لینے جانا ہے اس لئے تم ساتھ چلو گی۔“

”اماں! اب کرن کی شادی ہو رہی ہے۔ اپنے لباس کا انتخاب اسے خود کرنا چاہیے...... شادی کے بعد تو اس کے لباس کا انتخاب مجھے نہیں کرنا‘ تب جو وہ خود کرے گی تو پھر شادی سے پہلے کیوں نہیں۔“ امامہ نے ایک بار پھر ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا۔

تب کرن جو کمرے میں بیٹھی سب باتیں سن رہی تھی باہر نکل آئی اور کہا۔

”آپی! اگر کل آپ میرے ساتھ نہیں گئیں تو میں بھی نہیں جاؤں گی۔“

یہ سن کر امامہ کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔ اگلی صبح وہ اسکول جانے کے بجائے کوئی بارہ بجے کے قریب بھابی اور کرن کے ساتھ پہلی بار شاپنگ کیلئے گئی۔ اماں نے کہہ دیا تھا۔ ان سے کہ دوپہر کا کھانا وہ خود ہی بنا لیں گی۔ سارا دن ہی شاپنگ کی نذر ہوا تھا۔ امامہ نے بھی خرم کو

بھول کر چھوٹی بہن کی خوشی کیلئے ہنستے مسکراتے شاپنگ کی۔ کھانا بھی ان تینوں نے گھر سے باہر کھایا تھا۔ کرن کے عروسی جوڑے کا انتخاب بھی امامہ نے خود کیا۔ کرن بے حد خوش تھی۔ اگر کسی کلر یا سوٹ کے حوالے سے امامہ اس کی رائے پوچھتی تو وہ شرما کر کہتی۔

”آپ سے زیادہ اچھا انتخاب میں نہیں کر سکتی۔ آپ کی چوائس بے حد اچھی ہے۔“

اس کی بات سن کر امامہ نے سوچا۔

’خرم بھی میرا انتخاب تھا...... نہیں میں اس کا انتخاب تھی۔ میرے دکھائی نہ دینے پر وہ پاگل ہو جاتا تھا‘ کبھی پاگل پاگل پھرتا تھا۔ میری محبت میں...... اونہہ محبت۔‘ اس نے نفرت سے سر جھٹکا پھر سب کچھ بھول کر وہ دوبارہ شاپنگ میں مصروف ہو گئی۔

شام کے قریب وہ تینوں شاپنگ بیگ پکڑے گھر میں داخل ہوئیں تو خرم لاؤنج میں اماں اور بچوں کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا۔ کرن تو شرمائی گھبرائی اپنے روم میں چلی گئی اور امامہ شاپر اس کے کمرے میں چھوڑ کر باہر نکلی تو بھابی خرم کے پاس بیٹھی تھی۔

اماں نے امامہ کو دیکھتے ہی کہا۔

”امامہ! خرم کیلئے ایک کپ چائے تو بنا دو۔ کب سے آیا بیٹھا ہے۔ مجھے تو بچوں نے ادھر ادھر ہونے نہیں دیا۔“ امامہ سنی ان سنی کر کے اپنے روم میں آئی اور دل میں سوچا۔ بھابی بھی پاس بیٹھی تھیں اور اماں کو میں ہی نظر آئی تھی چائے کا کہنے کو۔ کمینہ اس دن چائے گرا کر گیا تھا۔ آج بیٹھا رہے چائے کے انتظار میں ہرگز نہیں بنا کر دوں گی۔ اماں ڈانٹ ہی لیں گی پہلے بھی تو ڈانٹ لیتی ہیں۔ اس نے تو خرم کو سلام کرنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ سلام کرنا تو دور کی بات امامہ نے ایک نظر دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ نسرین کی بارات والے دن امامہ کے بے غیرت کہنے پر اس نے کتنے زور اور بے رحمی سے تھپڑ اس کے رخسار پر مار کر کہا تھا۔

”کیا بے غیرتی دیکھی ہے تم نے مجھ میں......؟“

امامہ کا جی چاہتا تھا اگر تنہائی میں مل جائے اور اس سے کہے کہ اس سے بڑھ کر اور بے غیرتی کیا ہوتی ہے۔ محبت بڑی بہن سے اور شادی چھوٹی بہن سے مگر اب وہ اس کمینے کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی جس نے اس کا دن کا سکون اور رات کا آرام غارت کر دیا تھا۔

وہ آرام کرنے کی غرض سے ابھی بستر پر لیٹی ہی تھی کہ اماں اس کے روم میں داخل

ہوئی اور ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''امامہ! تم چھوٹی نہیں ہو جو تمہیں بار بار سمجھانا پڑے کہ خرم اب اس گھر کا داماد ہے۔ اس کی عزت تمہارا فرض ہے اور تم نے خرم کو دیکھنے کے باوجود سلام نہیں کیا اور پھر میں نے تمہیں اس کیلئے ایک کپ چائے بنانے کا کہا تھا اور تم یہاں آرام کرنے بیٹھ گئی ہو۔ کچھ خیال کرو۔ بدلو اب اس کیلئے اپنے اس رویئے کو۔''

''اماں مجھے سلام کرنا یاد نہیں رہا اور ویسے بھی شاپنگ ساری میں نے ہی تو اٹھا رکھی تھی اور چائے کا آپ بھابی سے بھی کہہ سکتی تھیں۔ سارا دن پھرنے کی وجہ سے میں تھک چکی ہوں۔'' امامہ نے خود کو سنبھال کر نرمی سے کہا۔ اب وہ اماں کو اندر کی بات کیا بتاتی کہ سلام کرنا تو دور کی بات اس کے لئے اس کی موجودگی ہی ناقابل برداشت ہے۔

''کیا بات کرتی ہو۔ فوزیہ بچوں کو لے کر اپنے روم میں چلی گئی ہے۔ اب کرن تو باہر آ کر چائے بنانے سے رہی۔ اٹھو جلدی کرو...... خرم نے خود مجھے ایک کپ چائے کیلئے کہا تھا۔'' اماں یہ کہہ کر چلی گئیں تو بادل ناخواستہ امامہ کو اٹھنا پڑا۔ وہ باہر آئی اور خرم کو دیکھے بغیر کچن میں چلی گئی۔ چائے بنا کر کپ میں ڈالتے امامہ نے بے رحمی سے سوچا۔

''اے کاش! تھوڑا سا زہر ہوتا تو وہ بھی ساتھ ڈال دیتی۔'' اور یہ بات صرف سوچی جا سکتی تھی' زہر ہوتا بھی تو ڈالنا ناممکن تھا کہ خرم اب اس گھر کا داماد تھا۔ اس نے کپ پرچ میں رکھا۔ پھر اماں کے پاس بیٹھے خرم کے قریب آئی اور منہ سے کچھ بھی کہے بنا کپ اس کی سمت بڑھا دیا۔ خرم نے جیسے دیکھا ہی نہیں اور اماں بھی باتوں میں مصروف رہیں۔ خرم کی اس بے خبری پر امامہ کا جی چاہا اس دن اس کے پاؤں جلائے تھے تو آج اس ذلیل انسان کا چہرہ جلا ڈالے جو جان بوجھ کر خود کو بے خبر ظاہر کر رہا تھا مگر ضبط کرتے ہوئے امامہ کو کہنا ہی پڑا۔

''چائے......'' خرم نے چہرے کا رخ اس کی جانب موڑتے ہوئے ایک نظر اس کو دیکھا۔ پھر بے نیازی سے ٹیبل کی سمت اشارہ کر دیا کہ یہاں رکھ دو۔ منہ سے کچھ بھی کہنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ امامہ جھک کر چائے میز پر رکھ رہی تھی جب وہ اپنی رسٹ واچ پر ایک نظر ڈالتے ہوئے جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا۔

''اماں! اب مجھے اجازت دیں۔ مجھے یاد نہیں رہا۔ بے حد ضروری ایک کام سے جانا تھا۔''

''مگر بیٹا! چائے......'' اماں نے اس کو محبت سے دیکھا۔

''چائے پھر کبھی سہی میرا فوراً جانا ضروری ہے۔''

یہ کہہ کر اس نے طنزیہ نظروں سے امامہ کو دیکھا۔ جیسے کہہ رہا ہو تمہیں اگر غیر ضروری بندوں کیلئے چائے بنانا پسند نہیں تو مجھے بھی تمہارے ہاتھ کی چائے پینی پسند نہیں۔ پھر وہ اماں کا جواب سنے بغیر ہی چلا گیا تو اماں نے امامہ کو گھورتے ہوئے کہا۔

''جب چائے بنانے کا کہا تو بنائی نہیں۔ اندر جا کر آرام کرنے بیٹھ گئی اب یہ چائے خود ہی پی لو۔'' اور وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

سارا دن پھرنے کی وجہ سے امامہ کو چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی لیکن محض تھکن کی وجہ سے وہ چائے بنانے کے بجائے آرام کرنے لیٹ گئی تھی گو کہ خرم کا چائے چھوڑ کر جانا اس کی توہین تھا مگر اس نے محسوس کیے بغیر بڑے آرام سے چائے کا کپ اٹھایا اور اپنے روم میں آ کر چیئر پر بیٹھ کر سپ پہ سپ لینے لگی۔ پھر نجانے کیا ہوا کہ چائے پی کر وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

دوسرے دن بھی وہ کرن کے ساتھ شاپنگ کر رہی تھی۔

اب کے بھابی کی جگہ ان کے ساتھ خرم کی والدہ تھیں۔ اصل میں یہ کرن کی بری کی شاپنگ تھی۔ خرم کی ماں نے بتایا۔

''خرم کہتا تھا بری کی شاپنگ کیلئے کرن کو ساتھ لے کر جائیں تاکہ وہ اپنی مرضی اور پسند سے شاپنگ کرے۔'' اور کرن ایسے میں امامہ کو کہاں چھوڑنے والی تھی۔ اس دن بھی امامہ تھکن سے چور ہو کر گھر آئی تھی لیکن وہ بے حد خوش تھی کہ اس نے بے حد قیمتی شاپنگ کی تھی۔ خاص کر ولیمہ کا سوٹ خاصا مہنگا تھا۔ وہ خرم کے زیادہ سے زیادہ پیسے خرچ کرانا چاہتی تھی۔ خرم کی والدہ نے کسی بات پر اعتراض نہیں کیا تھا۔

امامہ نے اسکول سے صرف تین دن کی چھٹیاں لی تھیں۔ پہلے دن جہیز کے سوٹ خریدے گئے۔ دوسرے دن بری کے سوٹوں کی خریداری مکمل ہوئی اور تیسرے دن محض دونوں طرف کے جوتوں کی خریداری کا تھا۔ جوتے وہ میچنگ کے لے رہی تھی تو اسے تب اچانک یاد آیا خرم نے کہا تھا۔

''تم ادھر ادھر کی فضول باتیں کرنے کے بجائے اپنی ڈیمانڈ بتاؤ۔ کتنا زیور چاہیے'

تمہیں کتنا کپڑا اور کتنے جوڑے چاہئیں تمہیں اپنے لئے۔'' جوتوں کا لفظ اس نے آخر میں استعمال کیا تھا اور پھر کرن سے شادی کا فیصلہ کر کے اس نے امامہ کے منہ پر واقعی جوتا مار دیا تھا۔

اور اب امامہ کیلئے اذیت ناک سوچوں کے سوا کچھ باقی نہ رہا تھا۔

تین دن بعد اس نے پھر اسکول جانا شروع کر دیا تھا اور کافی حد تک خود کو کنٹرول بھی کر لیا تھا۔ خرم اب اکثر کرن کو فون کرنے لگا تھا۔ اگر کبھی بھول کر بھی امامہ ریسیور اٹھا لیتی تو وہ امامہ کا نام لئے بغیر کہتا۔

''پلیز! کرن سے بات کروا دیں۔'' اور امامہ کرن کو آواز دے کر روم میں آ جاتی۔

اس دن چھٹی تھی۔ امامہ فجر کی نماز پڑھ کر پھر سو گئی تھی کہ اماں نے کپڑوں کی دھلائی کیلئے عورت رکھ لی تھی۔ پھر وہ جب اٹھی سب ناشتہ کر چکے تھے اور آپا اسماء آئی بیٹھی تھیں۔ وہ اماں کے ساتھ باتوں میں مصروف تھیں۔ امامہ ان کو سلام کر کے کچن میں آئی تو اماں کی سرگوشی نما آواز سنائی دی۔

''خرم امامہ کیلئے اپنے دوست کا رشتہ لایا ہے۔ چھوٹی سی فیملی ہے۔ صرف ایک بہن اور ایک بھائی اور بے حد امیر اور پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ اب تم ذرا امامہ سے پوچھ کر دیکھو۔ اگر مان جائے تو کرن کے ساتھ ساتھ اس کے فرض سے بھی فارغ ہو جاؤں۔''

''اماں! پوچھ تو میں لیتی ہوں مگر امامہ کو کرنا انکار ہی ہے۔'' آپا اسماء نے پورے یقین سے کہا۔

''وہ بعد کی بات ہے۔ ذرا پوچھ کر تو دیکھو' ہو سکتا ہے مان ہی جائے۔ پتا نہیں اچانک اس کو کیا ہو گیا ہے؟'' اماں اس کیلئے پریشان تھیں اور امامہ کا یہ سب سنتے ہی موڈ آف ہو گیا۔ اس نے پورا ناشتہ بنانے کے بجائے صرف چائے بنائی اور وہیں اسٹول پر بیٹھ کر چھوٹے چھوٹے سپ لیتے ہوئے خرم کی کمینگی کا سوچنے لگی۔ محض اس کو تپانے کو کہ اب وہ اس کی پروا نہیں کرتا وہ اس کیلئے خود رشتہ لایا تھا۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ اب اس کو بھی شادی کی اجازت دے دے گا۔ اگر یہ بات ہے تو وہ خرم کے لائے ہوئے رشتے کیلئے ہاں کرنے کے بجائے بھابی کے بھائی قیوم کے ساتھ شادی کرنا پسند کرے گی۔ امریکہ میں رہتا ہے اور ٹھیک ٹھاک کماتا ہے اور بھابی بتا رہی تھیں وہ شادی کے بعد اپنی بیوی کو بھی

امریکہ بلا لے گا۔ ہاں یہی ٹھیک ہے۔ اس طرح اس کمینے کا بار بار سامنا ہونے سے بھی جان چھوٹ جائے گی مگر وہ اپنی زبان سے مجھے شادی کرنے کی اجازت دے گا تو میں شادی کر سکوں گی۔ یہ نہ ہو کہ میں شادی کیلئے ہاں کر دوں تو وہ کوئی نئی ذلالت کر بیٹھے۔ ہو سکتا ہے وہ محض مجھے آزما رہا ہو کہ میں باہر شادی کیلئے ہاں کرتی ہوں یا نہیں۔ وہ اگر کرن سے شادی کر رہا ہے تو اس وجہ سے کہ میں نے اس کے ساتھ شادی کرنے سے مکمل انکار کر دیا تھا۔ وہ بہت کمینہ اور ذلیل انسان ہے۔ وہ کبھی بھی مجھے شادی کرنے کی اجازت نہیں دے گا مگر اب وہ کھل کر مجھے شادی کرنے سے روک بھی نہیں سکتا۔ خود جو شادی کر رہا ہے وہ خود ہی سوال کر رہی تھی' خود ہی جواب دے رہی تھی۔ پھر اس نے سوچا۔

'افوہ! یہ نسرین بھی بڑی کمینی نکلی۔ عید کے بعد آئی بھی ہے تو میرے اسکول سے آنے سے پہلے ہی کرن سے مل کر چلی گئی۔ وہ اگر آ جائے تو وضاحت سے پوچھ لوں گی مگر وہ آئے تب نا۔'' انہی سوچوں میں اس نے چائے ختم کی پھر مگ دھو کر باہر آئی اور سیدھی اپنے روم میں چلی گئی۔ آپا اسماء بھی اماں کے کہنے پر اس کے پیچھے پیچھے آئی اور پھر کھڑے کھڑے انہوں نے پوچھا۔

''امامہ! تمہارے لئے ایک بہت اچھا رشتہ آیا ہے۔ بے حد امیر لوگ ہیں' فیملی بھی چھوٹی سی ہے۔ صرف ایک بہن' ایک بھائی۔ لڑکے کا اپنا ذاتی بزنس ہے۔ اگر تم ہاں کر دو تو اماں اپنے دونوں آخری فرض ایک ساتھ ادا کر کے فارغ ہو سکتی ہیں۔''

''مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔'' امامہ نے نرمی سے کہا۔ ورنہ جو اس کی شادی کی بات کرتا تھا اس کو کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی۔

''ابھی شادی نہیں کرو گی تو کیا بوڑھی ہو کر کرو گی؟'' اس کو نرم دیکھ کر آپا اسماء کا حوصلہ بڑھا تو کہہ دیا۔

''آپ لوگ ابھی سکون سے کرن کی شادی کریں۔ کرن کی شادی کے بعد میں ضرور سوچوں گی۔'' امامہ نے اس بار بھی نرمی سے کہا تو آپا اسماء نے پوچھا۔

''تو کیا ابھی ان لوگوں کو انتظار کرنے کا کہہ دیں؟'' یہ سن کر امامہ کو غصہ آ گیا۔ اس نے رکھائی سے کہا۔

''اس طرح تو انتظار کرنے والوں میں بھابی کے بھائی قیوم بھی شامل ہیں۔'' یہ سن

کرآپا اسماء نے کہا بلکہ بتایا۔

"ارے وہ بات اب ختم سمجھو۔ کرن کی منگنی کے چند روز بعد ہی قیوم کیلئے ان کی امی نے لڑکی پسند کر لی تھی۔ اب کرن کی شادی سے پہلے ہی قیوم کی شادی ہے۔ انہیں شادی جلدی کرنی تھی کیونکہ قیوم کی چھٹی بہت کم رہ گئی تھی اس لئے منگنی وغیرہ نہیں کی۔ بس وہ ہی نقدی لڑکی کے ہاتھ پر رکھ کر بات پکی کر دی تھی۔ تم اب اسکول سے دیر سے آتی ہو۔ اس لئے تمہیں پتہ نہیں چلا۔"

اسماء خاموش ہوئی تو امامہ سے بولا ہی نہ گیا۔ اس کے دل کو اندر ہی اندر کچھ ہونے لگا تھا۔ بمشکل خود کو کنٹرول کرتے ہوئے اس نے آہستگی سے کہا۔

"آپا! ابھی آپ جائیں۔ کرن کی شادی کے بعد میں خود آپ سے بات کروں گی۔" اس کا بدلتا موڈ دیکھ کر آپا اسماء مزید کچھ کہے بغیر اس کے روم سے نکل گئیں اور امامہ بیٹھ کر خرم کو کوسنے لگی جس کی وجہ سے ایک اور اچھا رشتہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ پتہ نہیں اب اور کوئی اچھا رشتہ آئے گا بھی کہ نہیں۔ وہ سوچنے لگی۔

باہر لاؤنج میں بیٹھے وہ سب اونچی آواز میں باتیں کرتے ہوئے ہنس رہے تھے۔ بھابی آپا سے پوچھ رہی تھیں۔

"اسماء! دوپہر کے کھانے میں کیا کھانا پسند کرو گی؟" یہ سن کر آپا نے کہا۔

"جو بھی آتا ہے پکا لیں۔" تب اچانک کرن کی آواز آئی۔

"آپا پلیز! بریانی بنا دیں۔ مدت ہوئی آپ کے ہاتھ کی بریانی کھائے ہوئے۔" یہ سن کر آپا نے کرن سے کہا۔

"اگر یہ بات ہے تو چاول چن کر بھگو دو اور گوشت بھی صاف کر کے رکھ دو لیکن سب سے پہلے لہسن، پیاز، ادرک وغیرہ مجھے لا دو۔" کرن اٹھ گئی۔ پھر باتوں کے ساتھ ساتھ کام بھی ہوتا رہا۔ بریانی پک گئی تو دسترخوان لگانے کے بعد کرن خود اس کو بلانے آئی اور پڑھائی میں محو دیکھ کر کہا۔

"آپی! دسترخوان لگ گیا ہے۔ آپ بھی آئیں۔" امامہ کا آج کل کھانے کو کم ہی دل چاہتا تھا۔ کہہ دیا۔

"کرن! تمہیں معلوم تو ہے آج میں نے ناشتہ لیٹ کیا تھا۔"

"جی ہاں۔ پتہ ہے آپی! آپ نے ناشتے میں صرف چائے پی تھی۔" کرن نے بتایا تو امامہ نے چونک کر اس کو دیکھا۔ پھر خاموشی سے اٹھ کر اس کے ساتھ باہر آ گئی۔ کچھ تو رمضان کی وجہ سے اور کچھ جب سے کرن کی منگنی خرم سے ہوئی تھی۔ اس کو بھوک کم ہی لگتی تھی جس کی وجہ سے اس کا وزن تیزی سے کم ہو رہا تھا۔ گھر والوں کو دکھانے کیلئے برائے نام وہ کھانا کھاتی تھی کہ گھر والے کچھ غلط نہ سمجھ لیں۔ وہ باہر آئی تو سب دسترخوان پر بیٹھ چکے تھے مگر عابد بھائی ان میں موجود نہیں تھے۔ امامہ نے پوچھا تو اماں نے بتایا کہ وہ کسی ضروری کام سے گیا ہے۔ تم بیٹھو اور امامہ ان سب کے ساتھ بیٹھ گئی۔ ابھی کھانا شروع ہوا ہی تھا کہ کوئی دستک دیتا ہوا سیدھا اندر چلا آیا۔ امامہ مڑ کر دیکھنا ہی چاہتی تھی کہ یکدم کرن کو اٹھ کر اندر جاتا دیکھ کر وہ حیران ہوئی اور پھر اس کی حیرت اماں کی آواز نے پوری کر دی۔

"آؤ خرم بیٹا! رک کیوں گئے.....؟" یہ سب سنتے ہی امامہ کے اندر ایک آگ سی لگ گئی۔ جی چاہا فوراً اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی جائے مگر وہ چاہنے کے باوجود ایسا نہ کر سکی۔ کرن کا تو وہ منگیتر تھا اس لئے وہ شرم کی وجہ سے گئی تھی۔ وہ کیا وجہ بتا کر جاتی۔ پلیٹ میں چاول بھی ڈال چکی تھی۔ خرم ان کے قریب آیا اور سب پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"آج کھانا لیٹ نہیں کھا رہے۔"

"تمہاری وجہ سے' آؤ تم بھی آؤ۔" وہ بغیر انکار کیے امامہ کے قریب ہی بیٹھ گیا کہ وہی جگہ خالی تھی۔ کرن یہاں سے ہی اٹھ کر اندر گئی تھی۔

"آپا! آپ کیسی ہیں؟" اس نے پلیٹ پکڑتے ہوئے کہا۔ پھر امامہ کو دیکھا۔ وہ پلیٹ سامنے رکھے نگاہیں جھکائے بیٹھی تھی جبکہ پلیٹ میں چاول بھی برائے نام تھے۔ خرم سمجھ گیا وہ یہاں سے اٹھنے کے موڈ میں ہے۔ اس کو تپانے کیلئے خرم نے ڈش میں سے بڑا چمچہ چاولوں کا بھرا اور آپا سے باتیں کرتے ہوئے اپنی پلیٹ میں ڈالنے کے بجائے امامہ کی پلیٹ میں ڈال دیئے۔ امامہ نے گھور کر دیکھا تو خرم نے جلدی سے سوری کہا اور پھر اپنی پلیٹ میں ڈالنے لگا تو آپا نے کہا۔

"کرن نے بتایا تھا تمہیں بریانی بے حد پسند ہے۔ تم بھی کھا لو مگر تم نے تو کہا تھا میرے پاس ٹائم نہیں۔"

'اونہہ گاؤں میں تو جیسے بریانی ہی کھاتا تھا جو بے حد پسند ہے۔' امامہ نے نفرت

سے سوچا جبکہ خرم کہہ رہا تھا۔

''کہا تو سچ ہی تھا جب میں انارکلی میں دوست کے پاس بیٹھا تھا۔ تب کرن نے فون کیا تھا بس یہ سمجھیں بریانی کی خوشبو محسوس ہوتے ہی دوست سے اجازت لے کر چلا آیا۔ سیدھا ادھر ہی آیا ہوں ابھی گھر نہیں گیا۔''

پھر وہ کھانا کھانے لگا تو آپا نے امامہ کو دیکھا وہ ابھی تک چاول سامنے رکھے بیٹھی تھی۔ یہ دیکھ کر آپا نے کہا۔

''ارے امامہ! تم کھا کیوں نہیں رہی ہو؟''

''آپا! میں نے ناشتہ دیر سے کیا تھا۔ جی نہیں چاہ رہا۔'' امامہ نے خرم کے قریب سے اٹھنے کا بہانہ ڈھونڈا۔

''ٹھیک ہے۔ ناشتہ دیر سے کیا تھا۔ کھانا بھی دیر سے کھا رہے ہیں۔ بس جو چاول پلیٹ میں ڈال چکی ہو تو کھاؤ۔'' آپا نے کہا تو امامہ نے پلیٹ میں دیکھا۔ اس نے تو خود برائے نام ہی پلیٹ میں چاول ڈالے تھے۔ ہاں بعد میں خرم نے جو جان بوجھ کر ڈالے تھے اور ظاہر یوں کیا تھا جیسے یہ محض اتفاق ہے۔ وہ کافی زیادہ تھے۔ امامہ کو غصہ تو بے حد آیا مگر چپ رہی کہ اس نے فوراً سوری بھی کہہ دیا تھا۔ اب اس کا جی چاہا پلیٹ اٹھا کر اپنے کمرے میں چلی جائے مگر وہ ایسا نہ کر سکی اور دل ہی دل میں خرم کو کوستے ہوئے جلدی جلدی کھانے لگی اور خرم نے اس کو کھاتے دیکھ کر آپا سے کہا۔

''آپا! کرن کو بھی اندر ایک پلیٹ بھیج دیں۔ وہ کیا ہمارے فارغ ہونے تک اندر بھوکی رہے گی؟''

''بہت خیال ہے کرن کا۔'' بھابی نے مسکرا کر پوچھا۔

''جن سے محبت کرتے ہیں ان کا خیال تو کرنا پڑتا ہے۔ میں اپنی ہونے والی بیوی سے بے حد محبت کرتا ہوں۔'' خرم نے کہا تو آپا ہاتھ اٹھا کر بولیں۔

''بس بس پہلے کھانا کھالو باقی باتیں بعد میں۔''

اور وہ پلیٹ پر جھک گیا اور اس کی بات سن کر امامہ کے دل کو جیسے کچھ ہو گیا۔ وہ باقی چاول یوں ہی پلیٹ میں چھوڑ کر جلدی سے اٹھی کہ مزید ایک نوالہ بھی نہیں کھایا جا رہا تھا۔ اب کے اس کو کسی نے بھی نہیں روکا تھا۔ وہ ابھی اپنے روم کے دروازے کے قریب ہی آئی

تھی کہ خرم نے نجانے آہستہ سے ان سب سے کیا کہا تھا کہ وہ سب ہی قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے۔

امامہ مارے غصے کے اپنے روم میں داخل ہوگئی اور بے چینی سے ٹہلنے لگی۔ اپنی بے بسی کا احساس شدت سے ہو رہا تھا مگر کہتی بھی تو کس سے...... کرتی بھی تو کیا؟ خرم سے بچنے کا کوئی حل سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ وہ اس کی توہین کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ ٹہلتے ٹہلتے اس نے تھوڑی سی کھڑکی کھول کر دیکھا۔ خرم دسترخوان سے اٹھ رہا تھا۔ سیاہ شلوار سوٹ میں اپنے سفید رنگ کی وجہ سے وہ بے حد جچ رہا تھا۔ امامہ پہلی بار بے خودی اس کو دیکھتی چلی گئی۔ پہلی بار محسوس ہوا۔ اس نے خرم کو کھو کر اچھا نہیں کیا مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ اب وہ اور اس کی تمام تر محبت کرن کیلئے تھی۔ آپا اس کو چائے کیلئے روک رہی تھیں۔ خرم نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''چائے کے ساتھ ان کا دیدار دوبارہ کروانے کا وعدہ کریں تو رک سکتا ہوں۔''

امامہ نے دیکھا اب اماں وہاں نہیں تھی۔

''ابھی جو دیدار ہوا وہ کافی نہیں۔'' آپا ہنستے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

''صرف دیدار سے کام نہیں چلتا۔ بات چیت کا موقع ملنا چاہیے۔'' خرم نے بے باکی سے کہا تو بھابی مسکراتے ہوئے بولیں۔

''بات چیت کا شوق شادی کے بعد پورا ہو سکتا ہے پہلے نہیں۔''

''اتنا لمبا صبر کیسے کروں۔ شادی بھی آپ عیدالاضحیٰ کے بعد کر رہے ہیں۔ خیر میں جاتا ہوں۔'' خرم ٹھنڈی آہ بھر کر جانے لگا تو آپا نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اچھا اچھا۔ اب زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں۔ تم بیٹھو میں تمہاری خواہش ابھی پوری کرتی ہوں۔'' پھر انہوں نے کرن کو آواز دی اور کرن نے شاید آنے سے انکار کر دیا تھا۔ آپا نے پھر امامہ کو آواز دی۔

''امامہ لاڈلی! اب ذرا باہر آ کر تم ہی ہمیں چائے بنا دو۔ میں تو کھانا بنا کر ہی تھک گئی ہوں۔'' امامہ اگرچہ کھڑکی میں کھڑی تھی مگر سنی ان سنی کر دی۔ آپا نے پھر آواز دی۔ انکار کا کوئی جواز نہیں تھا۔ بھابی بچے سنبھال رہی تھیں۔ کرن کو خرم کے سامنے آنا نہیں تھا۔ وہ چپ چاپ باہر آئی اور ان سب کو دیکھے بغیر کچن میں چلی گئی تو زین نے آواز دی۔

''پھوپھو! میں بھی چائے پیوں گا۔'' وہ جواب دیئے بغیر چائے بنانے لگی۔ چائے

بنا کر سب کیلئے مگ بھرے پھر ٹرے اٹھائے لاؤنج میں آئی اور اسی وقت صوفے پر بیٹھا خرم جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک نظر امامہ کو دیکھا۔ پھر آپا سے مخاطب ہوا۔

''آپا! مجھے یاد نہیں رہا۔ ماں صبح بتا رہی تھیں کہ آج چچا کو گاؤں سے آنا ہے۔ وہ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ میں اب جاتا ہوں۔''

''اور یہ چائے..... جو تم نے کہہ کر بنوائی ہے؟'' آپا نے پوچھا۔

''جن کے ہاتھ کی چائے میں پینا چاہتا تھا وہ وعدہ تو آپ نے پورا نہیں کیا۔'' پھر اس نے امامہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ چائے کسی خاص بندے کو پلا دیجئے گا۔ میں جاتا ہوں۔ چچا نجانے کیا سوچتے ہوں گے کہ بتایا بھی تھا کہ مجھے آنا ہے پھر بھی لڑکا گھر نہیں۔''

پھر وہ خدا حافظ کہہ کر چلا گیا تو آپا کے کہنے پر امامہ وہیں ان کے قریب بیٹھ کر خرم والا مگ خود اٹھا کر پینے لگی۔ اس کو معلوم تھا وہ اس کے ہاتھ کی چائے کیوں نہیں پیتا اور آج وہ جتا بھی گیا تھا کہ یہ چائے کسی خاص بندے کو پلا دیں۔ وہ سب چائے پی کر فارغ ہوئے ہی تھے کہ اماں نماز پڑھ کر آ گئیں اور آتے ہی پوچھا۔

''خرم چائے پی کر نہیں گیا؟''

''اماں! اس کے چچا گاؤں سے آنے والے تھے۔ وہ اس کے آنے سے پہلے دوست کے ہاں چلا گیا پھر وہاں سے سیدھا ادھر ہی آ گیا۔ اب گھر گیا ہے۔''

''ارے ثومی! جاؤ کرن پھوپھو سے بولو خرم پھوپھا چلے گئے ہیں۔ وہ آ کر کھانا کھا لیں۔'' ثومی چلا گیا۔ کچھ ہی دیر بعد کرن باہر آ گئی اور کچن میں گئی تو اماں نے آپا سے کہا۔

''اگلی اتوار کو تم سب بہنیں آ جانا پیکنگ کرنی ہے۔''

پھر شادی کی باتیں ہونے لگیں۔ اماں نے بتایا۔

''عابد کہتا ہے عیدالاضحیٰ کے بعد جو پہلی اتوار آئے گی وہی برات کیلئے مناسب ہے جبکہ خرم چاہتا ہے کہ شادی عید سے پہلے ہو۔ دیکھو اب کیا تاریخ طے ہوتی ہے۔'' امامہ یہ سب سن کر اپنے روم میں آ گئی۔ اگلے روز وہ اسکول سے آنے کے بعد ابھی کپڑے تبدیل کر کے باہر آئی ہی تھی کہ بھابی کا بھائی قیوم آ گیا۔ امامہ کو دیکھتے ہی پوچھا۔

''امامہ بہن! آپا کہاں ہے؟'' امامہ نے دل میں سوچا۔ عید والے دن اماں نے خرم

سے جب وہ اس کی عیادت کو اس کے روم میں آیا تھا تو کہا تھا۔

''آؤ بیٹا! رک کیوں گئے۔ تمہارا اپنا گھر ہے اور پھر سالیاں بہنیں ہی تو ہوتی ہیں۔ اگر ماں نے منٹ میں اس کی بہن بنا دیا جو اس کا محبوب تھا۔ اس سے محبت کرتا تھا۔ وہاں قیوم کی اہمیت ہی کیا ہے۔ وہ تو صرف شادی کرنا چاہتا تھا۔ یہ اور بات کہ شازیہ نے کہا تھا کہ بھائی جان تو پہلی نظر میں ہی تمہاری محبت میں گرفتار ہو چکے تھے۔ اماں ٹھیک کہتی ہیں۔ یہاں کوئی کسی سے محبت نہیں کرتا۔''

''امامہ! بتایا نہیں تم نے آپ کہاں ہیں؟ آج زیور کی خریداری کیلئے جانا تھا۔ آنے سے پہلے فون کر کے کہا بھی تھا کہ آپا تیار رہنا مگر آپا نجانے کہاں ہیں؟'' معاً وہ خاموش ہو گیا کہ فوزیہ چادر اوڑھے اپنے روم سے نکل آئی تھی۔

''چلو بابا! چھوٹے کو سلا رہی تھی ورنہ وہ ساتھ جانے کی ضد کرتا۔'' پھر وہ امامہ کو چھوٹے کا دھیان رکھنے کا کہتے ہوئے بھائی کے ساتھ چلی گئی اور امامہ کچن میں چلی آئی۔ یہ سارے حالات اس کی برداشت سے باہر ہوتے جا رہے تھے۔ خاص کر وہ یہ سوچ کر پاگل ہوتی جا رہی تھی جب شادی کے بعد خرم بغیر کسی روک ٹوک اس گھر میں بار بار آئے گا۔ تب وہ کیا کرے گی۔ وہ ابھی اس کی اتنی توہین کر رہا تھا۔ شادی کے بعد اور نجانے کیا کیا کہے گا۔ اس کا جی چاہتا تھا وہ یہ گھر چھوڑ کر کسی ایسی جگہ چلی جائے جہاں اس کی کمینگی سے بچ سکے اور اس کا سامنا کرنے سے بچ جائے مگر جائے بھی تو کہاں؟

رات بھابی گھر آئیں تو بتایا کہ سونے کے تین سیٹ، ایک درجن چوڑیاں، باقی جھومر، ٹیکا، نتھ وغیرہ اور پچاس سوٹ پھر وہ باقی تفصیل بتانے لگی تو امامہ اٹھ کر اپنے روم میں آ گئی گو کہ بات غلط تھی مگر وہ اب کسی کی بھی شادی بیاہ کی باتیں سن نہیں سکتی تھی۔ اس ذلیل انسان نے نہ خود اس کے ساتھ شادی کی تھی اور نہ کسی کے ساتھ کرنے کے لائق چھوڑا تھا۔ اس پر وہ کمینہ ہر روز کرن کو لمبے لمبے فون کر کے اس کی جان الگ جلاتا تھا۔

جمعہ کو ہاف ڈے ہونے کی وجہ سے وہ اسکول سے جلدی آتی تھی۔ اب کے وہ آئی تو اماں چھوٹے پوتے کو گود میں لئے بیٹھی تھیں..... کہ اس کی طبیعت ذرا ناساز تھی جبکہ بھابی کچن میں کھانا بنا رہی تھی۔ کرن شاید اپنے روم میں تھی۔ اماں نے اس کو دیکھتے ہی کہا۔

''امامہ! جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ آج کرن کا زیور لینے جانا ہے۔ کھانا اب واپس آ

کر ہی کھانا۔" امامہ "جی اچھا۔" کہہ کر اپنے روم میں آئی۔ ایک اچھا سا سوٹ پہنا اور جب باہر آئی تو کرن فل تیاری کے ساتھ اماں کے پاس کھڑی تھی۔ امامہ نے پوچھا۔

"اماں! زیور لینے آپ بھی ساتھ جا رہی ہیں یا بھابی؟"

اماں کے جواب دینے سے پہلے ہی خرم کی ماں جی چلی آئیں اور ان کو دیکھ کر اماں نے کہا۔

"نہ میں نہ تمہاری بھابی۔ آج پھر تمہیں اپنی خالہ کے ساتھ جانا ہے۔ کرن کی بری کا زیور لینے جانا ہے۔ جیسے بری کے سوٹ لینے گئی تھی۔" یہ سن کر امامہ کا موڈ آف ہو گیا مگر کرن کی خوشی کیلئے وہ چپ رہی پھر سوچا کون سا خرم ساتھ ہے۔ وہ خرم کی ماں اور کرن کے ساتھ باہر آئی اور پھر رک گئی۔

خرم بالکل نئی گاڑی لئے ان کے دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کو دیکھ کر اس کے اندر ایک آگ سی لگ گئی مگر اب انکار ناممکن تھا۔

"آپی! آئیں ناں رک کیوں گئیں۔ چلیں پہلے آپ بیٹھیں......" کرن نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ وہ بیٹھی تو کرن بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئی اور دروازہ بند کر دیا جبکہ خرم کی والدہ فرنٹ سیٹ پر بیٹے کے برابر بیٹھ گئیں تو خرم نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

امامہ نے سوچا مجھے دکھانے کیلئے نئی گاڑی لایا ہے۔ اپنا شو روم ہے۔ ایک کے بجائے دو بھی لا سکتا ہے۔ امامہ نے گاڑی میں لگے مرر میں دیکھا وہ اس کے بجائے کرن کو دیکھ رہا تھا۔ امامہ چہرہ موڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی اور تب تک دیکھتی رہی جب تک کرن کی آواز نہیں سنی۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"آپی! گاڑی رک چکی ہے۔ اب باہر آئیں۔" وہ چونکی پھر دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ اس کے بعد کرن جبکہ وہ ماں بیٹا پہلے ہی گاڑی سے باہر آ چکے تھے۔ امامہ' کرن کے باہر آتے ہی خرم نے گاڑی کو لاک کیا اور ان کے آگے آگے چلنے لگا۔ وہ تینوں کو ساتھ لئے جیولری کی بڑی دکان پر آیا اور پھر وہ چاروں آرام اور سکون سے بیٹھ کر جیولری دیکھنے لگے۔ خرم کے ایک جانب اس کی ماں جی تھیں تو دوسری جانب امامہ اور امامہ کے ساتھ کرن بیٹھی تھی۔ امامہ نے آہستگی سے کہا بھی تھا۔

"کرن! تمہارا منگیتر ہے' اس کے ساتھ تم بیٹھو۔" اس کی بات سن کر کرن نے ایک

شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ دھیمی آواز میں کہا۔

"آپی! مجھے شرم آتی ہے۔ ان کے ساتھ بیٹھتے ہوئے۔ پلیز آپ بیٹھ جائیں۔"

یوں امامہ کو خرم کے ساتھ بیٹھنا پڑا تھا اور اب ہوتا یہ تھا کہ دکاندار پہلے ڈبہ کھول کر خرم کی والدہ کے سامنے رکھتا...... وہ خود دیکھنے کے بعد خرم کو پکڑاتی اور خرم اچھی طرح دیکھنے کے بعد پاس بیٹھی امامہ کو پکڑانے کے بجائے اس کے ساتھ بازو بڑھا کر کرن کو ڈبہ تھماتا اور کہتا......

"لو ڈیئر! دیکھو اور پسند کرو۔" کرن خود دیکھنے کے بعد امامہ کو دکھا کر اس کی رائے پوچھتی۔ یوں سارے زیورات کی خریداری مکمل ہوئی۔ آخر میں خرم انگوٹھی دیکھنے لگا۔ جب پسند کر لی تو کرن سے کہا۔

"کرن! ذرا اپنا ہاتھ مجھے دینا۔ انگوٹھی پہنا کر دیکھنی ہے۔" یہ سن کر کرن کو ڈھیروں شرم آ گئی اور اس نے آہستگی سے کہا۔

"میرا اور آپی کا سائز ایک ہی ہے۔ ان کی انگلی میں پہنا کر دیکھ لیں۔" یہ سن کر خرم کا موڈ بگڑ گیا اور اس نے ذرا کرخت لہجے میں کہا۔

"شادی تم سے کر رہا ہوں یا تمہاری آپی سے؟"

یہ دیکھ کر کرن نے ہاتھ جلدی سے خرم کی جانب بڑھا دیا اور اس کی اس بات پر امامہ مارے خفت کے نگاہیں بھی نہ اٹھا سکی۔ منہ سے کچھ کہنا تو دور کی بات وہ جو ہر ملاقات پر اس کو چھونا اپنا فرض سمجھتا تھا اب بات کرنے سے بھی گریزاں تھا۔

خرم نے کرن کی انگلی میں انگوٹھی ڈال کر دیکھی۔ پھر اتارتے ہوئے بولا۔

"ہاں بس ٹھیک ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے انگوٹھی دوبارہ جیولر کے حوالے کر کے پیک کرنے کا کہہ دیا مگر کرن کا ہاتھ چھوڑنا جیسے وہ بھول گیا تھا۔ کرن نے خود ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر اس کی گرفت مضبوط تھی۔ یہ دیکھ کر کرن نے امامہ سے کہا۔

"آپی! ان سے کہیں میرا ہاتھ چھوڑیں۔" امامہ کہنا تو نہیں چاہتی تھی مگر وہ خود بھی ڈسٹرب ہو رہی تھی کہ یہ دونوں ہاتھ اس کے سامنے تھے۔ اس لئے آہستہ سے نام لئے بغیر کہا۔

"کرن کا ہاتھ تو چھوڑ دیں۔" مگر خرم نے جیسے سنا ہی نہیں۔ امامہ نے سوچا مجھے

تپانے کو ہاتھ نہیں چھوڑ رہا۔ تپتی ہے میری جوتی لیکن یہ الگ بات تھی کہ اندر ہی اندر دل کو کچھ ہونے لگا تھا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ خرم کے ہاتھ میں دبا کرن کا ہاتھ خود چھڑانے کی کوشش کی اور خرم نے نہ صرف چونک کر اسے دیکھا بلکہ دبے دبے لہجے میں ناگواری سے کہا۔

''کیا تکلیف ہے تمہیں۔ یہ تمہارا ہاتھ نہیں ہے۔ یا اب کسی اور کا ہاتھ میرے ہاتھ میں برداشت نہیں ہو رہا۔'' بات ختم کر کے اس نے طنزیہ نظروں سے امامہ کو دیکھا اور ہاتھ بھی چھوڑ دیا۔ اس کی بات سن کر امامہ پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ وہ کوشش کے باوجود ایک بار پھر نگاہیں نہ اٹھا سکی۔ اس کی بات کا جواب دینا تو دور کی بات تھی' سخت شرمندگی اور توہین کا احساس ہو رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا ابھی اٹھ کر گھر بھاگتی ہوئی چلی جائے...... مگر کرن کی وجہ سے ضبط کیے بیٹھی رہی۔

بل دینے کے بعد خرم نے ان سب کو اٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ سب گاڑی میں بیٹھے تو خرم نے کہا۔

''اب پہلے ولیمے کا سوٹ لیتے ہیں۔'' یہ سن کر خرم کی والدہ نے کہا۔

''ولیمہ کا سوٹ اس دن امامہ نے اپنی پسند سے کرن کو لے دیا تھا۔''

ماں کی بات سن کر خرم اس کو جواب دینے کے بجائے بیک مرر میں امامہ کو دیکھتے ہوئے کرن سے مخاطب ہوا۔

''کرن! منگنی کے دونوں سوٹ میں نے اپنی پسند سے لئے تھے۔ اب ولیمے کا سوٹ بھی میں اپنی پسند سے لوں گا۔'' اور امامہ سوچنے لگی۔ اونہہ سوٹ میں نے اپنی پسند سے لئے تھے۔ بہت اچھے تھے مگر وہ کہہ نہ سکی۔

خرم ان کو ساتھ لئے ایک بڑی بوتیک پر آیا اور نہ صرف ولیمہ کا بے حد قیمتی سوٹ لیا بلکہ عروسی جوڑا بھی اپنی پسند کا لے لیا تو کرن نے کہا۔

''عروسی جوڑا تو والدین کے گھر سے ہوتا ہے۔''

''کہاں لکھا ہے کہ عروسی جوڑا والدین کے ہی گھر سے پہنا جاتا ہے۔'' خرم نے امامہ کو دیکھتے ہوئے جرح کرنے والے انداز میں کرن سے پوچھا۔ کرن چپ رہی تو خرم نے کہا۔

''تم ہر چیز اپنی آپی کی پسند سے لے رہی ہوں۔ اب پتہ نہیں انہوں نے اچھا

خریدا ہے یا نہیں۔ برا محسوس نہ کرنا آج کل لوگ دلہن نہیں زیور' کپڑے اور جوتے ہی تو دیکھتے ہیں۔''

جوتوں کا لفظ اس نے آج بھی آخر میں استعمال کیا تھا۔

''کرن میں چاہتا ہوں یہ دونوں سوٹ اعلیٰ قسم کے ہوں۔ اس لئے یہ دونوں سوٹ میں اپنی پسند کے لے جا رہا ہوں۔''

''اونہہ منگنی کے جیسے سوٹ اعلیٰ قسم کے تھے۔'' امامہ نے ایک بار پھر منہ بناتے ہوئے دل میں سوچا جبکہ کرن کہہ رہی تھی۔

''چلو مانتی ہوں آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن عروسی جوڑا اور ولیمہ کے جو بھاری کام والے سوٹ پہلے خریدے تھے ان کا کیا کریں گے۔ یہ بھی تو سوچیں وہ بھی بے حد قیمتی ہیں۔''

''وہ اپنی آپی کی شادی پر ان کو گفٹ کر دینا۔ انہوں نے اپنی پسند سے لئے تھے نا۔'' خرم نے کہا اور امامہ نے اس کی بات سن کر اسے دیکھا مگر وہ کرن کی طرف متوجہ تھا۔ ٹوپیس سوٹ میں ملبوس وہ اپنے دراز قد کی وجہ سے کرن کے ساتھ کھڑا بے حد اچھا لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر موجود سیاہ گھنی مونچھیں اس کی مردانہ وجاہت میں اور بھی اضافہ کر رہی تھیں۔ بل ادا کرنے کے بعد خرم ان سب کے ساتھ باہر آیا۔ پھر گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے کہا بلکہ کرن سے پوچھا۔

''ہاں بھئی کرن! اب بتاؤ کھانا کھانے کہاں چلیں کیونکہ کھانے کا ٹائم ہو رہا ہے؟''

کرن کے کچھ کہنے سے پہلے ہی امامہ نے آہستگی سے کہا۔

''کرن! اس کو بولو اب گھر چلیں۔ کھانا گھر جا کر کھائیں گے۔'' گو کہ امامہ نے بہت آہستگی سے یہ بات کہی تھی مگر خرم نے سن لی تھی اور اونچی آواز میں کرن سے کہا۔

''کرن! تمہاری آپی کو اگر گھر جانے کی جلدی ہے تو میں ان کو رکشا کروا دیتا ہوں۔''

یہ امامہ کی توہین تھی۔ کرن نے بھی محسوس کر لی اور کہا۔

''کھانا گھر جا کر ہی کھائیں گے۔ اب آپ گھر چلیں۔ آپی کی طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں لگتی۔''

جبکہ اس کی بات سے امامہ کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی جس کو چھپانے کیلئے وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

''او کے۔ جو حکم حضور کا۔'' خرم نے مسکرا کر کہا اور گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

''آئس کریم یا کولڈ ڈرنک تو چلے گی نا۔'' اور کرن نے ہاں کہہ دیا۔

یوں راستے میں ایک کولڈ ڈرنک کارنر پر رک کر کرن کو آئس کریم کھلائی۔ ماں کو جوس لے کر دیا اور خود کوک کے بڑے بڑے گھونٹ بھرتے ہوئے امامہ کو دیکھتے ہوئے نجانے کیا سوچتا رہا۔ جس نے کچھ بھی کھانے پینے سے انکار کر دیا تھا۔ کولڈ کارنر سے فارغ ہوتے ہی وہ سیدھے گھر چلے آئے۔ گاڑی رکتے ہی سب سے پہلے دروازہ کھول کر نکلنے والی امامہ تھی۔ اپنے پیچھے اس نے خرم کی ہنسی کی آواز سنی۔ وہ یقیناً کرن سے اس کے بارے میں کچھ کہتے ہوئے ہنسا تھا مگر وہ رکی نہیں۔ اندر آئی تو اماں نے اس کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اتنی دیر کر دی اور کرن کہاں ہے؟''

''وہ بھی آ رہی ہے۔'' امامہ نے کہا۔ پھر اماں کے قریب رکتے ہوئے بتایا۔

''اماں! آپ کو پتا ہے خرم بھی ساتھ گیا تھا کتنی بری بات ہے۔''

''اس میں بری بات کون سی ہے۔ زیور لینے تو ساتھ مرد ہی جاتے ہیں۔ اس کا نہ باپ ہے نہ بڑا بھائی جو تم لوگوں کے ساتھ جاتا۔ ویسے بھی مجھے بتا دیا تھا اس کی ماں نے اور پھر پردہ کس بات کا۔ جب شادی ہو رہی ہے۔''

اتنے میں کرن بھی آ گئی اور امامہ کھولتی ہوئی غصے میں اپنے روم میں آ گئی۔ اس نے اپنے طور پر اماں کے دل میں خرم کیلئے نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہی اور اب کمرے میں آتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ کتنی کھلی توہین کی تھی اس کمینے انسان نے میری۔ کرن سے بار بار پوچھتا رہا کچھ اور چاہیے اور میں نے کچھ بھی لینے سے انکار کر دیا تھا۔ ایک بار تو مجھ سے نہیں کہا۔ ''کچھ تو ضرور لیں۔'' جیسے اب میری کوئی اہمیت ہی نہیں رہی اس کے دل میں۔ پھر اس نے سوچا۔ ''ابھی شادی نہیں ہوئی اور وہ مجھے اتنا تپا رہا ہے۔ شادی کے بعد نجانے میرا کیا حشر کرے گا۔ وہ میری سب بدتمیزیوں کے بدلے گن گن کر لے گا

اور میں جواباً اس کو کچھ کہہ بھی نہ سکوں گی۔ افوہ اب میں کیا کروں؟ موت ہی آ جائے تو اچھا ہے۔''

باہر کرن اماں، بھابی کو زیور کی تفصیل بتا رہی تھی۔ کیا کیا لیا ہے اور اندر امامہ رو رہی تھی۔ کوئی حل اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ قوی امید تھی کہ اس کے ساتھ شادی کی صورت میں امریکہ چلی جائے گی اور خرم سے بار بار سامنا ہونے سے بچ جاتی مگر اب تو وہ امید بھی ختم ہو گئی تھی۔ وہ یوں ہی روتی جا رہی تھی۔ بمشکل وہ خرم کے سامنے اپنے آنسو ضبط کرتی آئی تھی کہ اچانک کرن روم میں داخل ہوئی اور روتی ہوئی امامہ کو حیرانی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ارے آپی! آپ کو کیا ہوا...... رو کیوں رہی ہیں؟'' اور امامہ نے بیدردی سے آنکھیں مسلتے ہوئے کہا۔

''طبیعت ٹھیک نہیں لگتی۔'' اس کی بات سن کر کرن کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔ کرن نے فوراً اٹھایا پھر کہا۔

''جی ہاں۔'' اور دوسری جانب سے ہونے والی گفتگو سننے لگی۔ پھر فون بند کر کے بولی۔

''آپی! میں یہ پوچھنے آئی تھی۔ آپ کا کھانا آپ کو کمرے میں دے جاؤں یا آپ باہر میرے ساتھ کھائیں گی؟ گھر والے تو سب کھا چکے۔''

''کرن! مجھے ابھی بھوک نہیں اور میری طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں۔ تم کھا لو، مجھے جب بھوک محسوس ہو گی تب کھا لوں گی۔'' امامہ نے کہا تو کرن چلی گئی اور امامہ پھر لیٹ گئی۔ خرم کے ساتھ جب سے کرن کی منگنی ہوئی تھی تب سے اس کو بھوک ہی کم لگتی تھی اور اس وجہ سے اس کا وزن کافی کم ہو گیا تھا اور آج جو کچھ خرم نے کہا تھا اور جس طرح کھل کر اس کی توہین کی تھی اس کے بعد کھانا کھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ یوں ہی روتے روتے سو گئی تھی۔

صبح وہ ناشتے میں صرف چائے کا ایک مگ پی کر گھر سے اسکول کو نکلی تو خرم ٹریک سوٹ پہنے دونوں ہاتھ جیبوں میں ڈالے اپنے دروازے میں کھڑا تھا۔ امامہ نے ایک نظر اسے دیکھا پھر تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ امامہ نے محسوس کر لیا تو

سوچا۔ وہ شاید آج پھر مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہے مگر کیوں؟ اب جب اس کی شادی کرن سے طے ہو گئی ہے ایسے میں اب مجھ سے کچھ کہنا تو بے کار ہی ہے۔ شاید اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ اتنے میں خرم اس کے قریب آ کر رک گیا اور امامہ کا دل بھی جیسے تھم سا گیا۔ تاہم یہ خوش فہمی اس وقت جاتی رہی جب وہ اس کے چہرے پر ایک نظر ڈال کر دوسری سڑک کی جانب مڑ گیا جو سیدھی پارک کو جاتی تھی۔ وہ اس کے کل والے رویئے سے ہی تپی بیٹھی تھی مزید سلگتی ہوئی اسکول کی جانب بڑھنے لگی۔ وہ جو اس کے سامنے بڑھ بڑھ کر بولا کرتی تھی۔ اب اس کو دیکھتے ہی منہ پر نجانے چپ کے کیسے تالے لگ جاتے تھے۔

☆......☆......☆

اس ویک اینڈ پر گھر میں خوب رونق تھی۔ ایک تو اس لئے کہ عیدالاضحیٰ کا چاند نظر آ گیا تھا۔ دوسرا خرم کرن کی شادی کی ڈیٹ فکس کرنے خرم کے خاندان والے پہلی دفعہ ان کے گھر آ رہے تھے۔ تینوں بہنیں بھی صبح کی آ چکی تھیں اور امامہ کا دل اندر ہی اندر ڈوبتا جا رہا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ بظاہر سب کے سامنے نارمل رول ادا کرنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ وہ سب کے ساتھ ہنسنے کی نہیں تو مسکرانے کی کوشش ضرور کر رہی تھی اور کافی حد تک اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی جا رہی تھی۔

اور پھر وہ سب لوگ آ ہی گئے اور ان میں نسرین بھی تھی اپنے میاں کے ساتھ۔ مردوں کے بیٹھنے کا انتظام ڈرائنگ روم میں کیا گیا تھا جبکہ عورتوں کا ہال کمرے میں۔ امامہ نے منگنی کے بعد آج پہلی بار نسرین کو دیکھا تھا۔ منگنی والے دن بھی وہ ہیلو ہائے کر کے زیادہ وقت کرن اور دوسرے لوگوں کے پاس ہی بیٹھی تھی۔ پھر جاتے ہوئے امامہ کو خدا حافظ کہہ کر چلی گئی تھی۔ اس کے بعد وہ ایک دو بار آئی بھی تو اس وقت جب امامہ اسکول میں ہوتی تھی۔ اسکول سے آنے پر پتہ چلتا تھا کہ آج نسرین آئی تھی۔ پہلے تو اس کی اس لاپروائی پر اس کو غصہ آیا تھا۔ پھر وہ یہ سوچ کر نارمل ہو گئی کہ ہر ست غلطی تو اپنی ہے۔ اس نے کتنی کوشش کی تھی مجھے راضی کرنے کی۔ میری ہی مت ماری گئی تھی تاہم وہ جو کبھی کبھار نسرین کو فون کر کے اس کی خیریت معلوم کرتی تھی وہ بھی کرنا چھوڑ دیا تھا اور اس وقت جب نسرین نے اس کو دیکھا تو سب کچھ بھول کر اس کی جانب لپکی اور دونوں بازو پھیلا کر پوری شدت سے بھینچ لیا۔ جواباً

امامہ چاہنے کے باوجود گرمجوشی کا اظہار نہ کر سکی اور نسرین گویا آج کفارے کے موڈ میں تھی اس لئے گلے ملنے کے بعد محبت سے امامہ کا رخسار چوم کر کہا۔

”کیسی ہو؟“

”ٹھیک ہوں۔“ امامہ نے مسکراتے ہوئے روکھے انداز میں کہا۔

”کتنی کمزور ہو رہی ہو۔ بیمار تھی کیا۔ میں منگنی کے بعد ایک دو بار آئی بھی تو جلدی میں تھی۔ یہ تین چھوٹے چھوٹے ادھر سے ادھر نہیں ہونے دیتے اس لئے تمہیں مل کر نہ جا سکی۔“

امامہ چپ رہی تو نسرین نے پھر پوچھا۔

”خفا ہو مجھ سے لیکن کیوں؟“

امامہ پھر چپ رہی کہ آج کل اس کا بولنے کو بھی ذرا کم ہی جی چاہتا تھا۔ یہ سب دیکھ کر نسرین نے کچھ دیر سوچا پھر رازداری سے کہنے لگی۔

”اگر تم ماموں کی وجہ سے خفا ہو تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ کرن کا انتخاب ماموں نے خود کیا تھا۔ ماموں نے منگنی پر فون کرتے ہوئے مطلب منگنی کی دعوت دیتے ہوئے صرف اتنا کہا تھا کہ رات کو جب گھر آتا ہوں تو تنہائی کا احساس شدت سے ہوتا ہے۔ سوچا اب شادی کر ہی لوں۔ یہ سنتے ہی میں نے جتایا ماموں آپ کو تو امامہ سے شدید محبت تھی۔ آپ نے کہا تھا کہ اپنی زندگی کی آخری سانس تک اس کی ’ہاں‘ کا انتظار کروں گا۔ اب کیا وہ سب اتنی جلدی بھول گئے اور بدل گئے۔“

میری یہ بات سن کر ماموں نے ناگواری سے کہا۔

”تمہاری سہیلی عورت نہیں بھینس ہے۔ بھینس کے آگے بین بجانا فضول ہے۔ اس کو جب بھی پوچھو ایک ہی بکواس کرتی ہے تم سے شادی کرنے کے بجائے میں عمر بھر کنواری بیٹھنا پسند کروں گی۔ اب بیٹھے شوق سے کنواری۔ میں نے تو شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ مجھے تو منگنی والے دن یہاں آ کر پتہ چلا کہ منگنی کرن سے ہو رہی ہے۔ پہلے پتہ چلتا تو میں ماموں سے یہ ضرور کہتی کہ وہ کہیں بھی شادی کر لیں مگر کرن سے نہیں۔ افسوس میرے یہاں آنے سے پہلے ہی سب کچھ طے ہو چکا تھا۔ اس لئے مجھ پر خفا مت ہونا۔“

''چھوڑو اب یہ سب باتیں اور مہمانوں کے پاس بیٹھیں۔ وہ سب کیا سوچتے ہوں گے۔'' امامہ نے کہا اور نسرین اپنا ہاتھ چھڑا کر کرن کے پاس چلی آئی اور پھر مہمانوں کے رخصت ہونے تک وہ کرن کے پاس ہی بیٹھی رہی تاہم مہمانوں کے جاتے ہی وہ سر درد کا کہہ کر اپنے روم میں چلی گئی۔ یہ پوچھنے کی زحمت کیے بغیر کہ کیا تاریخ فکس ہوئی تھی۔

صبح وہ ناشتہ کرنے کے بعد اٹھنے لگی تو اماں نے کہا۔

''امامہ! آج سے تم اسکول نہیں جاؤ گی۔''

''کیوں اماں؟'' امامہ نے سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی انجان بن کر پوچھا۔

''کیوں کا کیا سوال...... گھر میں شادی ہے اور شادی میں دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔ صرف سات اور ابھی لوگوں کو کارڈ بھی دینے ہیں اور کارڈ بھی ابھی چھپ کر آنے والے ہیں۔ شاید آج آ جائیں۔ بس میں نے کہہ دیا آج سے تم اسکول نہیں جاؤ گی۔''

''مگر اماں شادی تو عید کے بعد ہو گی۔'' امامہ نے پوچھا۔

''ہاں ہم سب کا تو پروگرام عید کے بعد شادی کرنے کا تھا مگر خرم کی ضد پر شادی کی تاریخ عید سے پہلے رکھنی پڑی۔ اس لڑکے نے کسی کی ایک نہیں مانی اور اب عید سے ایک دن پہلے بارات ہے اور تمہیں معلوم ہے نا کہ آج چاند کی دو تاریخ ہے جبکہ آٹھ کو مہندی اور نو کو بارات ہے اور بتایا نا کہ ابھی شادی کے کارڈ بھی چھپ کر آنے والے ہیں اور ان کی تقسیم الگ مسئلہ ہے اس لئے آج سے تم اسکول نہیں جاؤ گی۔''

''اماں! آپ بڑی یا چھوٹی باجی کو بلا لیں یا آپا اسماء کو، میری مجبوری ہے۔ میں اسکول سے زیادہ چھٹیاں نہیں کر سکتی۔'' امامہ نے نرمی سے کہا۔

''وہ سب بھی ایک دو دن تک آ جائیں گی مگر تم آج سے اسکول نہیں جاؤ گی۔ تمہاری سمجھ میں میری بات نہیں آتی۔ ہم کارڈ وغیرہ دینے جائیں گے تو کرن گھر میں اکیلی ہو گی۔'' اب کے اماں نے ذرا سختی سے کہا تو امامہ نے ہتھیار ڈال دیئے اور کہا۔

''ٹھیک ہے اماں! میں اسکول سے چھٹیاں کر لیتی ہوں مگر آج جانا ضروری ہے۔ اسکول والوں کو بتانا ہوگا۔''

اور اماں چپ رہیں۔ اماں کی خاموشی کو رضامندی سمجھ کر وہ اسکول جانے کو گھر سے

نکل آئی تو دیکھا خرم پھر ٹریک سوٹ پہنے اپنے دروازے میں کھڑا تھا۔ پاؤں میں جوگرز یعنی اس کا پروگرام آج پھر پارک جانے کا تھا۔ امامہ جیسے ہی اس کے برابر پہنچی وہ بھی اس کے ساتھ چلنے لگا۔ کل وہ اس کے پیچھے رہا تھا۔ آج وہ ذرا سا بھی فاصلہ رکھے بغیر اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ جیسے امامہ سے کچھ کہنا چاہتا ہو۔

امامہ نے سوچا یہ ایک نئی مصیبت نازل ہو گئی۔ معاً اس کی آواز سن کر نہ صرف چونک پڑی بلکہ رک گئی۔

☆......☆......☆

''لگتا ہے کچھ لوگ مجھے کھو کر پچھتا رہے ہیں۔''

خرم خود کلامی کے انداز میں کہتے ہوئے اس کی سمت دیکھے بغیر پارک والے روڈ پر مڑ گیا اور امامہ کے پاس جیسے کہنے کو کچھ بھی باقی نہ بچا تھا۔ وہ سب کچھ بھول کر کتنی دیر وہاں گم صم کھڑی اس کو دیکھتی رہی۔ اور جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو یہ سوچتے ہوئے سکول کی جانب چل دی۔

''محض مجھے تپانے کو' مجھے جلانے کو وہ عید سے پہلے شادی کر رہا ہے۔ پچھلی عید پر وہ اکیلا دعوت کھانے آیا تھا۔ اس عید پر کرن کو ساتھ لا کر مجھے مزید جلانے کا پروگرام ہوگا۔ کہتا تھا تم سے سچی محبت ہے۔ کیا محبت اسی کو کہتے ہیں کہ کوئی انکار کر دے تو اس سے جینے کا حق بھی چھین لیا جائے۔ اس کو بے سکون کرنے کیلئے گھٹیا باتیں کی جائیں۔ کمینہ! کہتا تھا ٹھیک ہے تم بھی کنواری رہنا تو میں بھی تمہاری ''ہاں'' کے انتظار میں کنوارا بیٹھوں گا اور اب اگر صبر نہیں ہو رہا تھا۔ شادی کرنی ہی تھی تو باہر کہیں کر لیتا۔ لڑکیوں کی کمی تو نہیں تھی۔ مگر اس کا مقصد تو مجھے تکلیف دینا ہے اور باہر شادی کرنے کی صورت میں یہ ناممکن تھا۔''

ان ہی سوچوں میں گم وہ سکول جا پہنچی تھی۔ امامہ نے سکول سے چھٹیاں لے لی تھیں اور کارڈ بھی چھپ کر آ گئے تھے اور یہ کارڈ دینے کہیں بھائی' عابد بھائی کے ساتھ اور کہیں اماں خود جا رہی تھیں۔ اب شادی میں دن ہی کتنے تھے۔ امامہ نے تو مارے ضبط کے کارڈ پڑھنے اور دیکھنے کی بھی زحمت نہیں کی تھی۔ سارا دن کرن کے چمکتے چہرے کو دیکھتی اور خود پر ضبط کرنا مشکل ہو جاتا۔ پھر شادی کے چار دن پہلے سب ہی بہنیں بھی آ پہنچیں اور ساتھ ان کے بچے بھی۔ گھر میں سارا وقت خوب شور رہنے لگا۔ جس دن سب بہنیں گھر آئی تھیں اسی دن خرم اپنی والدہ کے ساتھ ان کا محلہ چھوڑ گیا تھا۔ کیونکہ اسی دن نسرین آئی تھی اور اس نے

کھڑے کھڑے بتایا وہ ماموں نانو کے ساتھ ان کے نئے گھر جا رہی ہے۔ پھر اس نے کرن سے کہا۔

''میں نے تو ماموں کو بہت کہا کہ اب یہاں سے شادی کر کے ہی جائیں مگر وہ مانے ہی نہیں۔ کہتے ہیں شادی کی سب رسمیں ان کے نئے گھر میں ہوں گی۔'' پھر جاتے ہوئے اس نے الگ کھڑی امامہ سے پوچھا۔

''مہندی لے کر تم بھی آؤ گی؟'' پھر امامہ کے جواب کا انتظار کیے بغیر بولی۔

''اوہ میں تو بھول ہی گئی تھی کہ تم تو ماموں کی منگنی کی رسم میں بھی شامل نہیں ہوئی تھی۔ خیر اب جاتی ہوں۔'' اور وہ خدا حافظ کہہ کر چلی گئی۔

اور سچی بات تو یہ تھی کہ امامہ ابھی تک خود بھی یہ فیصلہ نہیں کر پائی تھی۔ اس کو بھی مہندی کے ساتھ جانا چاہیے یا نہیں۔ دل تو جانے کو بالکل نہیں مانتا تھا۔ مگر بظاہر انکار کا کوئی جواز ہی نہیں تھا۔ چھوٹی بہن کی خوشی تھی۔ اب اندر کی بات تو سب کو نہیں بتا سکتی تھی۔ ویسے بھی جب وہ کرن کی شادی کی شاپنگ کر رہی تھی تو کرن نے پوچھا۔

''آپی! میری مہندی پر آپ جو سوٹ پہنیں گی وہ میں اپنی پسند سے لے دوں؟''

امامہ ہمیشہ اس کی شاپنگ کرتی تھی۔ آج پہلی بار کرن نے اتنی محبت سے پوچھا تو وہ انکار نہ کر سکی۔ کرن نے اس کیلئے پیلے اور سبز رنگ کا خوبصورت کنٹراسٹ سوٹ لیا تھا اور اب نسرین نے کہا تھا۔

''اوہ! تم تو ماموں کی منگنی میں بھی نہیں آئی تھیں۔'' جس کا مطلب یہ بھی تھا کہ اب مہندی میں بھی نہیں آؤ گی۔ اس نے یکدم مہندی کے ساتھ جانے کا فیصلہ کر لیا۔

مہندی والے دن سر شام ہی جب بہنیں اپنے بچوں کو تیار کر رہی تھیں۔ اس نے بھی سوٹ پہن لیا۔ اس کو کپڑے پہنے دیکھ کر کرن نے اس کے دونوں ہاتھوں میں پیلی اور ہری چوڑیاں پہنا دیں بلکہ اس کے بعد اس نے امامہ کا میک اپ بھی خود بے حد محنت سے کیا۔ امامہ اس کی کسی بات سے بھی انکار نہ کر سکی تھی۔ بالوں میں برش پھیر کر کرن نے یوں ہی بال کھلے چھوڑ کر بہت محبت سے امامہ کو دیکھا اور کہا۔

''آپی! آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔'' اپنی تعریف سننا اچھا لگتا تھا۔ جب کوئی بھی اس سے کہتا تھا۔ وہ بہت خوبصورت ہے' پیاری لگ رہی ہے۔ وہ فخر سے مسکرا دیا کرتی

تھی۔ مگر آج وہ چپ رہی کہ اس کا بولنا یا نہ بولنا برابر تھا کہ جو اس کو دیکھنے کو ترس ترس جاتا تھا۔ وہ اب کسی اور دیکھ کر جیتا تھا۔

پھر اس کی زندگی کی وہ اذیت ناک گھڑی بھی آ پہنچی جب وہ کرن کی مہندی لے کر خوشی اور غم کے ملے جلے تاثرات لئے خرم کے خوبصورت گھر میں داخل ہوئی۔ استقبال کرنے والوں میں خرم کی والدہ کے علاوہ نسرین پیش پیش تھی۔ امامہ کو دیکھتے ہی مسکرائی اور گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''میں تو سمجھی تھی تم نہیں آؤ گی۔''

جواباً امامہ بڑی مشکل سے مسکرائی اور پھر نسرین کی مزید باتوں سے بچنے کیلئے باقی لوگوں کے ساتھ لان میں چلی آئی۔ جہاں سب مہمانوں کے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ اور وہاں خرم لوگوں کے اپنے مہمان بھی بیٹھے تھے۔ امامہ فوراً سامنے والی لائن میں لگی کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ پھر وہاں کا جائزہ لینے لگی۔

بہت زبردست انتظام تھا۔ یوں تو پورا گھر ہی روشنیوں سے بقعہ نور بنا ہوا تھا اور جہاں مہندی کی رسم ہونا تھی وہاں بہت خوبصورت جھولا لگایا گیا تھا۔ جھولے کے سامنے گھاس پر سرخ ایرانی قالین بچھایا گیا تھا۔ یہ انتظام یقیناً ڈھولک بجانے والیوں کیلئے تھا۔ قالین سے ذرا فاصلہ چھوڑ کر یہ کرسیاں لگائی گئی تھیں جہاں امامہ بیٹھی تھی۔ جن کو ڈھولک بجانے اور گانے سے دلچسپی تھی وہ قالین پر بیٹھ گئیں۔ باقی کرسیوں پر۔ بڑی باجی نے اس کو کرسی پر بیٹھے دیکھا تو خفا ہو کر کہا۔

''امامہ! تم وہاں کیا کر رہی ہو؟ یہاں آ کر بیٹھو۔''

''باجی! آپ کو اچھی طرح معلوم ہے مجھے صرف گانے سننے سے دلچسپی ہے نہ ڈھولک بجانا آتی ہے نہ گانا گانا۔ میں یہاں پر ہی ٹھیک ہوں۔'' امامہ چاہنے کے باوجود اپنی بیزاری نہ چھپا سکی۔

''خرم کو مہندی بھی تو لگانی ہے۔'' اب کے چھوٹی باجی نے کہا۔

''جب مہندی لگانی ہوگی تب آ جاؤں گی۔'' امامہ نے پھر انکار کر دیا۔

باجی کو غصہ تو بہت آیا مگر دوسرے لوگوں کا خیال کر کے چپ رہی اور پھر دونوں طرف سے گانے بجانے کا مقابلہ شروع ہو گیا۔

امامہ بیٹھی دیکھتی رہی۔ اس نے تالی بجانی بھی پسند نہیں کی تھی اور جب یہ پروگرام ختم ہو گیا تو سب مہمانوں کو کولڈ ڈرنک پیش کی گئی۔ اور جیسے ہی کوک پینے سے مہمان فارغ ہوئے تو خرم بھی آ گیا۔

ریڈ کلر کے کامدار دوپٹے کی چھاؤں میں مسکراتا ہوا جس کو خرم کی کزنوں اور نسرین نے تھام رکھا تھا۔ خرم کے چہرے کی خوشی اور دل کی خوشی سنبھالی نہیں جا رہی تھی۔ بلیو جینز پر اس نے سرخ رنگ کی ہاف بازو والی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ پاؤں میں جوگر کی جگہ گھر میں پہننے والی ہلکی چپل۔ شیو بڑھی ہوئی اور سر کے بال بے ترتیب سے۔ وہ اس حلیے میں بھی خوبصورت لگ رہا تھا۔ وہ جھولے میں بیٹھ گیا تو نسرین نے وہی دوپٹہ اس کے گلے میں ڈال دیا۔

جھولے میں بیٹھتے ہی خرم کی نظر سامنے بیٹھی امامہ پر پڑی۔ پہلے وہ چونکا جیسے امامہ کے آنے کی امید نہیں تھی پھر مسکرانے لگا۔ یہ دیکھ کر امامہ نے نگاہیں جھکا لیں۔ پھر بڑی باجی کی آواز سن کر چہرہ اٹھا کر دیکھا تو وہ خرم سے کہہ رہی تھیں۔

''مووی بن رہی ہے کم از کم بالوں میں برش تو کیا ہوتا۔''

''آپ سب نے مل کر ابھی جو میرے خوبصورت بالوں کا حشر کیا ہے۔ اس کے بعد بالوں میں برش کرنا نہ کرنا برابر تھا۔'' خرم نے وضاحت کی۔ تب ہی امامہ، بھابی کی آواز اپنے قریب سن کر چونک پڑی۔

''اب اٹھو یہاں سے۔ خرم کو مہندی نہیں لگاؤ گی؟'' انہوں نے امامہ کا ہاتھ تھام لیا۔

وہ کہنا چاہتی تھی آپ سب جو ہیں مہندی لگانے کو۔ آپ لگا لیں۔ مگر کہنے کے باوجود کہہ نہ سکی کہ یہ ایک نامناسب بات تھی۔ خرم کی جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو وہ باتیں اور شرارتیں کرنے میں پیش پیش ہوتی۔ ایک تو موقع ہی ایسا تھا۔ پھر سالی بہنوئی کا رشتہ بھی کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ وہ بھابی اور بہنوں کے ساتھ خرم کے قریب آئی تو آپا اسماء نے بھابی سے اور بہنوں سے پوچھا۔

''مہندی کون لگائے گا؟'' کسی کے بھی کچھ بولنے سے پہلے بھابی کے ساتھ کھڑی امامہ کو دیکھتے ہوئے خرم نے کہا۔

"کوئی بھی لگا سکتا ہے سوائے ان کے۔ یہ شاید میرے ہاتھ پر مہندی لگانا پسند نہ کریں۔"

"خرم بیٹا! یہ کیسی بات کہی تم نے؟ امامہ بھلا تمہیں مہندی کیوں نہیں لگائے گی۔ کرن اس کی چھوٹی بہن ہے۔" بڑی باجی فوراً اس کی حمایت میں بولیں تو خرم نے امامہ کی جانب انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"بے شک! ابھی پوچھ کر دیکھ لیں۔ کچھ لوگوں کو بغیر کسی وجہ کے بھی دشمنی پالنے کا شوق ہوتا ہے۔ میرا تو آپ کو پتہ ہے میں کتنا معصوم سا بندہ ہوں۔"

اس کی بات سن کر امامہ نے دل میں سوچا۔

'پکے بدمعاش ہو۔ یہ صرف میں جانتی ہوں۔ اگر تم سمجھ رہے ہو کہ تمہاری خوشی سے میں جل رہی ہوں تو یہ سچ ہے۔ مگر اب تمہیں تپانے کو ایسا کچھ نہیں مجھے آج بھی تمہاری پروا نہیں۔ مہندی میں ہی لگاؤں گی۔'

جلدی سے پلیٹ سے مہندی لے کر قالین پر خرم کے سامنے بیٹھتے ہوئے تحکمانہ انداز میں بولی۔

"ہاتھ ادھر لائیں۔" خرم نے جیسے سنا ہی نہیں اور بھابی نے کہا۔

"خرم! تمہاری بات کا جواب امامہ نے خود ہی دے دیا ہے۔" پھر امامہ سے کہا۔

"ارے! تم یہاں پیروں میں کیوں بیٹھی ہو۔ اٹھو جھولے میں اس کے ساتھ بیٹھ کر مہندی لگاؤ۔"

مگر امامہ اس کے ساتھ بیٹھنا نہیں چاہتی تھی اس لئے کہا۔

"میں یہاں پر ہی ٹھیک ہوں۔" پھر خرم سے کہا۔

"ہاتھ ادھر لائیں۔" خرم نے جیسے سنا ہی نہیں۔ وہ اسماء آپا سے کہہ رہا تھا۔

"آپا! ہماری زندگی میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو ہم سر پر بٹھانا چاہتے ہیں مگر وہ سر کے بجائے ہمارے قدموں میں بیٹھنا پسند کرتے ہیں۔ شاید ان کا اصل مقام یہی ہوتا ہے۔"

اب کے امامہ کو دیکھتے ہوئے اس نے اپنی بات ختم کی۔ امامہ نے اس کی اس بکواس کو بمشکل برداشت کیا۔ اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ یہ پوشیدہ اشارہ اس کی ذات کی جانب

ہے۔ موڈ تھوڑا بگڑ گیا اور اس نے غصے سے خرم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اپنا ہاتھ ادھر لائیں گے یا نہیں؟"

"آپ مجھے مہندی لگا رہی ہیں یا میری کلاس لے رہی ہیں۔" خرم نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور مسکرا دیا۔ امامہ کا جی چاہا اس کی یہ آنکھیں نکال لے ہونٹوں سے مسکراہٹ چھین لے مگر سب کی موجودگی کا خیال کرتے ہوئے اس نے مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تنگ نہ کریں۔ پلیز ہاتھ ادھر لائیں۔"

"مہندی سیدھی میری ہتھیلی پر رکھ کر آپ کو میرا ہاتھ خراب کرنا ہے۔ پہلے مہندی کا پتہ تو دکھائیں۔" خرم نے پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"خرم! پتہ وغیرہ چھوڑو۔ وہ نہیں لائے ہم اب ایسے ہی ٹھیک ہے۔" بڑی باجی نے کہا اور چھوٹی باجی نے بھی تائید کی۔

"ویسے ٹھیک نہیں ہے نا۔" خرم نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک ہزار والے نوٹوں کی گڈی نکالی۔ شاید امامہ کو دکھانے کیلئے پھر ایک نوٹ الگ کر کے امامہ کی جانب بڑھاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"لیجئے' پہلے ہاتھ پر یہ نوٹ رکھیں۔ اس کے بعد نوٹ پر مہندی رکھیں۔"

امامہ نے جلدی فارغ ہونے کیلئے خاموشی سے نوٹ لیا۔ خرم نے باقی کے نوٹ جیب میں واپس رکھے۔ پھر اپنا ہاتھ امامہ کے آگے کر دیا۔ امامہ نے پہلے نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھا پھر مہندی رکھنا ہی چاہتی تھی کہ خرم نے ہاتھ ذرا سا ڈھیلا چھوڑ دیا۔ نوٹ نیچے گر گیا۔ امامہ کو غصہ تو بے حد آیا۔ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ محض اس کو زچ کرنے کو یہ سب کر رہا ہے۔ اس لئے نوٹ اٹھاتے ہوئے ذرا سخت لہجے میں کہا۔

"ہاتھ سیدھا رکھیں ورنہ......"

"آپ مہندی لگانے کا قرینہ تو سیکھیں۔" خرم نے معصوم بن کر کہا۔

"کیسا قرینہ......؟" اب کے امامہ ضبط نہ کر سکی۔ آنکھیں نکال کر اس کو دیکھا اور خرم نے اس کی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے مسکرا کر وضاحت کی۔

"اپنے ایک ہاتھ میں میرا ہاتھ تھام کر دوسرے ہاتھ سے مہندی لگائیں۔ اگر آپ

نے ایسا نہ کیا تو یہ سلسلہ صبح تک جاری رہے گا۔'' اس کی بات سن کر امامہ نے دل ہی دل میں دانت پیسے مگر پھر بھابی کے کہنے پر اس کو خرم کا ہاتھ تھامنا ہی پڑا۔

امامہ نے جیسے ہی خرم کا ہاتھ تھاما۔خرم نے اس کی جانب جھکتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔

''کاش! یہ ہاتھ تم نے بہت پہلے تھام لیا ہوتا تو......''

امامہ کا جی چاہا اس کی بات پر ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر جڑ دے۔مگر موقع ایسا نہیں تھا۔ضبط سے کام لیتے ہوئے اس نے نوٹ رکھنے کے بعد اس پر مہندی رکھی تو پوری محفل زعفران بن گئی۔سب ہی ہنسے تھے۔اور ان سب کے ساتھ ساتھ خرم بھی قہقہہ مار کر ہنسا تھا۔جبکہ امامہ کا دل رونے کو چاہ رہا تھا۔تب ہی بڑی باجی نے اس کا ہاتھ تھام کر اس کو زبردستی خرم کے ساتھ جھولے میں بٹھا دیا اور اس کے بیٹھتے ہی خرم نے اس کی جانب رخ موڑتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کر بڑی باجی سے پوچھا۔

''سنا ہے سالی آدھے گھر والی ہوتی ہے۔آپ اجازت دیں تو میں ان کو مہندی لگا دوں؟''

امامہ نے جلدی سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر وہ باجی کے جواب کا انتظار کیے بغیر بڑی پھرتی سے اپنے ہاتھ پر پڑی مہندی اٹھا کر اس کے ہاتھ پر رکھ چکا تھا۔امامہ فوراً ہاتھ جھٹک کر اس کی گود میں مہندی گرا کر اٹھنے لگی تو چھوٹی باجی نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''کیوں بدشگونی کرتی ہو۔'' پھر مٹھائی کا ڈبہ اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

''اب مہندی لگانے کے بعد رسم کے مطابق خرم کا منہ میٹھا کراؤ۔''

امامہ نے اب کے دل ہی دل میں ان سب کو برا بھلا کہتے ہوئے ایک بڑا گلاب جامن اس کے سامنے کیا تو خرم نے پورا منہ کھول کر نہ صرف گلاب جامن بلکہ اس کی انگلیاں بھی دانتوں میں دبا کر اس کو دیکھا۔امامہ گھبرا گئی۔کہیں وہ اس کی انگلی نہ چبا ڈالے جیسے میں نے چبائی تھیں......مگر بھابی کے کہنے پر۔

''خرم! شرارت نہیں۔'' اس نے امامہ کا ہاتھ چھوڑ دیا۔مگر اب اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی ابھر آئی تھی اور امامہ پھر سے چیئر پر آ بیٹھی تھی جبکہ باقی سب تیل لگانے کی رسم ادا کرتے ہوئے خرم کے بالوں کا حشر کرنے میں محو ہو گئی تھیں۔

تیل مہندی کی رسم ختم ہوتے ہی کھانا لگا دیا گیا تھا۔وہ مجبوراً سب کے ساتھ کھانے کیلئے آئی حالانکہ کھانے کو جی بالکل نہیں چاہ رہا تھا۔ایسے میں خرم بھی وہاں چلا آیا۔ایک نظر امامہ پر ڈالی پھر دوسروں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''ارے بڑی باجی! آپ اور لیں نا۔''

''چھوٹی باجی! یہ چپل کباب ضرور ٹرائی کیجئے گا۔''

''ارے آپا! یہ گاجر کا حلوہ ضرور چیک کریں۔''

''بھابی! آپ نے روسٹ تو لیا ہی نہیں۔''

وہ اس کو نظرانداز کرتے ہوئے باقی سب کے اردگرد چکر لگاتے ہوئے ان سب سے کچھ نہ کچھ کہتا رہا اور امامہ نے پہلے لان میں کوک بھی نہیں پی تھی اور اب کھانا کھانے کا بھی پروگرام موخر کرتے ہوئے واپس لان میں جانے کو مڑی ہی تھی کہ نجانے کہاں سے نکل کر نسرین یکدم سامنے آ گئی۔

''ارے امامہ! تم کیوں نہیں کھا رہی ہو؟'' نسرین نے اس کو دیکھتے ہی پوچھا تو امامہ نے شدید غصے اور مدھم لہجے میں کہا۔

''مجھے اس ذلیل کمینے کی کمائی نہیں کھانی۔مہندی لے کر آنا میری مجبوری تھی کیونکہ گھر والے ہر بات سے بے خبر ہیں۔''

''یہ کیا بات ہوئی......؟ ارے اب تو تمہاری ساری زندگی کیلئے خرم سے رشتے داری ہو چکی ہے۔پھر یہ غصہ کیسا؟ بھول جاؤ پہلے جو کچھ ہو چکا ہے۔ماموں بھی تو سب کچھ بھول چکے ہیں۔ٹھہرو میں تمہارے لئے خود کھانا نکالتی ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے نسرین نے پلیٹ پکڑ کر اس میں روسٹ کے دو پیس رکھے اور نان رکھنے کے بعد امامہ کی سمت مڑی اور امامہ سوچ رہی تھی۔

''پتہ نہیں' یہ سب کیا ہے لیکن یہ سچ ہے۔وہ مجھے بھول چکا ہے۔مگر میں اب کوشش کے باوجود اس کو بھول نہیں پا رہی۔اوپر سے اس کمینے کا رویہ۔اگر وہ مجھ سے محبت کرتا ہے تو پھر مجھے تکلیف نہ دیتا۔''

''یہ لو۔'' نسرین پلیٹ لئے اس کے قریب آ گئی۔

''میں نے تم سے کہا نا مجھے نہیں کھانا۔'' امامہ نے غصے سے کہا۔

نسرین کے کچھ کہنے سے قبل ہی یکدم نجانے کس طرف سے نکل کر خرم سامنے آ گیا۔ ایک نظر غصے سے بھری امامہ پر ڈالی پھر نسرین کے ہاتھ سے پلیٹ پکڑتے ہوئے ناگواری سے کہا۔

''بھابھی! گر ان کا موڈ کھانے کا نہیں تو کیوں زبردستی کرتی ہو۔'' پھر وہیں امامہ کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے روسٹ کا ایک پیس لیا اور کھانے لگا۔ یہ دیکھ کر امامہ تیزی سے وہاں سے نکل کر پہلے والی جگہ پر آ کر بیٹھ گئی۔ حالانکہ جی چاہ رہا تھا کہ پیدل ہی گھر بھاگ جائے۔ وہ سب ہی کھانے میں مگن تھے۔ اس لئے کسی کو کچھ پتہ نہ چلا۔ کھانے کے بعد وہ سب آنے لگے تو بھابی نے کہا۔

''اب آئے ہیں تو ذرا اندر سے بھی گھر دیکھتے چلیں۔ ولیمہ تو میرج ہال میں ہو گا۔'' پھر وہ سب ہی بہنیں، بھابی، نسرین اور خرم کی والدہ کے ساتھ رہائشی حصے میں آئے۔ امامہ آنا نہیں چاہتی تھی مگر چلی آئی۔ یہ سوچ کر کہ چھوٹی بہن کا گھر دیکھتی جاؤں پھر بھلا مجھے کون سا خرم کی وجہ سے اس گھر میں آنا ہے۔

کل تین کمرے تھے۔ دو بیڈ روم، ڈرائنگ، ڈائننگ اکٹھے تھے۔ اپنے بیڈ روم کے دروازے پر رکتے ہوئے بلکہ بازو پھیلا کر ان سب کو روکتے ہوئے خرم نے کہا۔

''بس بس یہاں تک صرف۔ جب تک میری دلہن میرے بیڈ روم میں قدم نہیں رکھتی تب تک کسی اور کا قدم اندر نہیں جا سکتا۔'' یہ سن کر سب ہی ہنستے ہوئے واپس مڑ گئیں۔ جب امامہ جانے لگی تو خرم نے پکارا۔

''سنو امامہ!''

امامہ جہاں تھی وہیں رک گئی۔ خرم نے ایک گہری نظر امامہ پر ڈالی۔ ٹشو کے گرین چوڑی دار پاجامے پر بلیو کلر کا کام والا قمیص دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ چہرے پر چھائی اداسی کے باوجود وہ پیاری لگ رہی تھی۔ جب وہ کرن کے ساتھ جیولری کی شاپنگ کیلئے خرم کے ساتھ گئی تھی تب اپنی منگنی کے بعد پہلی بار خرم نے بغور اس کو دیکھا تھا اور محسوس کیا تھا۔ ان تین ماہ میں وہ اچھی خاصی کمزور ہو چکی تھی اور اس وقت وہ خرم کے بولنے کے انتظار میں سر جھکائے کھڑی تھی۔ نہ اس نے کوک پی تھی۔ نہ اس نے کھانا کھایا تھا۔ خرم اس کو دیکھتے ہی کچھ دیر سوچتا رہا پھر سنجیدگی سے کہنے لگا۔

''امامہ! سب سے پہلے تو میں تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ محض تمہاری وجہ سے آج میں اس حلیے، اس گھر، اس مقام پر ہوں۔ یقین کرو اگر تم مجھے بار بار ٹھکرا کر دو ٹکے کا کرائے دار اور معمولی موٹر مکینک ہونے کے طعنے نہ دیتی رہتیں تو شاید میں آج بھی معمولی موٹر مکینک ہی ہوتا۔''

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا پھر کہا۔

''امامہ! آج میں تمہیں اس عہد سے آزاد کرتا ہوں جو چند برس پہلے کیا تھا۔ اب جب میں خود شادی کر رہا ہوں تو تمہیں بھی شادی کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔ تم جہاں چاہو اپنی مرضی اور پسند سے اپنے معیار کے بندے سے شادی کر سکتی ہو۔ میں نے تمہیں راضی کرنے کی پوری کوشش کی مگر شاید تمہاری محبت اور تم میری لئے نہیں تھیں۔''

امامہ اس کی پوری بات سننے کیلئے رکی نہیں تھی۔ تیزی سے بہنوں کے پیچھے چل دی۔ کتنا پرسکون تھا وہ۔ جیسے دونوں جہانوں کی خوشیوں کو پا لیا ہو۔ اس کی زندگی کے اہم سال ضائع کر کے وہ محض اس لئے اس کو بھی شادی کی اجازت دے رہا تھا کہ اس کو پیسے کے بل بوتے پر جو اس نے پانچ سال بیرون ملک رہ کر کمایا تھا۔ امامہ سے زیادہ پڑھی لکھی اور زیادہ خوبصورت اور عمر میں امامہ سے چھوٹی لڑکی مل گئی تھی۔ کل اس کی بارات تھی اور آج وہ امامہ کو بھی اپنی شادی پسند سے کرنے کی اجازت دے رہا تھا۔ امامہ نے سوچا۔

''او! ذلیل انسان! تم وہی تو ہو جس کو مجھ سے جنونی محبت تھی۔ مجھے تو تم سے محبت تھی ہی نہیں مگر تمہاری محبت کو کیا ہوا؟ صرف پانچ ماہ میں ہی ختم ہو گئی اور تم نے مجھے چھوڑ کر کسی اور سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کیا محبت اس کو ہی کہتے ہیں؟ تم کہتے ہو تمہیں رات کو تنہائی شدت سے محسوس ہوتی ہے تو جو پانچ سال میں نے تنہا گزارے، مجھے تنہائی محسوس نہیں ہوئی تھی۔''

دل پھوٹ پھوٹ کر رونے کو چاہ رہا تھا مگر خوشی کے اس موقع پر رونے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ وہ باہر آئی تو سب گاڑیوں میں بیٹھ رہے تھے۔ اس کو دیکھتے ہی آپا نے کہا۔

''تم کہاں رہ گئی تھیں؟ چلو اب آگے ریحان کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔''

اور وہ چپ چاپ دروازہ کھول کر فرنٹ سیٹ پر ریحان کے ساتھ بیٹھ گئی۔ ریحان نسرین کا سب سے چھوٹا بھائی تھا۔ امامہ کے بیٹھنے پر اس نے ایک نظر امامہ کو دیکھا پھر بڑے

ادب سے پوچھا۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپی جی!؟''

''ٹھیک ہوں تم گاڑی چلاؤ۔''

امامہ نے یہ کہہ کر چہرہ باہر کی جانب موڑ لیا۔ ضبط کے باوجود آنکھوں میں ہلکی نمی اتر رہی تھی۔ راستے میں پچھلی سیٹوں پر بیٹھی آپا، بھابی، باجی کرن کی خوش قسمتی کی باتیں کرتی رہیں کہ اکیلا لڑکا ہے۔ ساری زندگی عیش کرے گی۔ وہ خاموشی سے سنتی رہی اور گھر آتے ہی وہ سیدھی تیر کی طرح گاڑی سے نکل کر اپنے کمرے میں آئی اور دروازہ بند کر لیا۔ دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ کیسے کیسے دل جلایا تھا اس کمینے نے۔ بجائے ندامت کے وہ کھل کر اسے چھوڑ کر اپنی خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ اور اب امامہ کیلئے یہ سب نا قابل برداشت ہوتا جا رہا تھا۔

اس نے سوچا وہ سر درد کا بہانہ بنا کر اب اپنے روم میں رہے گی۔ تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ ساتھ ہی آپا کی آواز آئی۔

''ارے دروازہ کیوں بند کر لیا، کھولو۔'' امامہ نے جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا کہ آپا اس کے روم میں سوتی تھی۔ دروازہ کھلتے ہی آپا اندر آئی اور امامہ کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''کیا بات ہے۔ معلوم ہے نا میرا سارا سامان ادھر ہی ہے۔ سردی لگ رہی تھی۔ شال لینی تھی۔''

پھر وہ بیگ کھول کر شال نکالنے لگی تو امامہ نے کہا۔

''آپا! میرے سر میں درد ہے، آرام کرنا چاہتی ہوں۔''

''آرام کیسا......؟ وہ لوگ مہندی لے کر آنے والے ہیں۔ چلو باہر آؤ۔'' آپا نے شال اوڑھتے ہوئے کہا۔

''ابھی تھوڑا سا آرام کر لوں۔ جب وہ آئیں گے تو آ جاؤں گی۔''

امامہ نے کہا تو آپا باہر چلی گئیں اور امامہ اپنے بستر پر بیٹھ گئی۔ وہ اس مسئلے کا حل سوچنا چاہتی تھی۔ خرم اور اس کی توہین آمیز باتوں سے بچنے کا حل۔ مگر کچھ سمجھ میں نہیں رہا تھا۔ کتنی کھلی توہین کی سب کے سامنے۔ یہ سب شادی سے پہلے کی بات ہے۔ شادی کے بعد جب وہ آزادانہ یہاں آیا جایا کرے گا تو نجانے کیا کیا کہے گا۔ داماد ہونے کی وجہ سے میں

کچھ کہہ بھی نہ سکوں گی۔ ٹھیک ہے میں خودکشی کر لوں گی بلکہ ابھی کرتی ہوں۔ پھر دیکھتی ہوں شادی کیسے ہوتی ہے۔ وہ خودکشی کا پلان بنا رہی تھی کہ نسرین کی آواز آئی۔

''ارے! تم یہاں کمرے میں بند ہو کر بیٹھی ہو۔ وہ لوگ باہر مہندی لے کر آ رہے ہیں۔'' نسرین نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا۔

''آ رہے ہیں تو میں کیا کروں۔''

امامہ پہلے ہی احساس توہین کے غصے میں بھری بیٹھی تھی۔ اب خرم کا غصہ نسرین پر اتارنے کا موقع مل گیا۔ ویسے اس کو نسرین کی بے رخی کا بھی غصہ تھا جو وہ دل میں دبائے بیٹھی تھی۔ نسرین جس نے خرم کی منگنی کرن سے ہوتے ہی اس کو نظرانداز کرنا شروع کر دیا تھا۔ بے شک کرن سے رشتے دار ہو گئی تھی مگر دوستی کی اپنی اہمیت ہوتی ہے۔ آج وہ کھل کر نسرین کو بھی سنانا چاہتی تھی۔

''ارے......ارے کیا کہہ دیا ماموں نے، جو غصے میں بھری بیٹھی ہو؟'' نسرین کے پوچھنے کی دیر تھی۔ امامہ پھٹ پڑی۔

''تمہارے ماموں کی فضول بکواس کرنے کی عادت نہیں جاتی اور سنو تم بھی اپنے کمینے ماموں! جیسی پوری کمینی ہو۔''

''میں نے کیا کمینگی کی تم سے؟'' نسرین نے اس کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''یہ کمینگی نہیں کہ خرم کی منگنی کرن سے ہوتے ہی تم نے بھی آنکھیں بدل لیں۔ منگنی والے دن بھی تم سارا وقت کرن کے پاس بیٹھی رہی۔ بعد میں بھی اگر کبھی آئی ہو تو مجھ سے ملنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ کرن سے بے شک تمہاری رشتے داری ہو گئی ہے۔ پر میں بھی تو دوست تھی۔''

نسرین اس کی باتیں سن کر خاموش رہی تو امامہ نے پوچھا۔

''تم میرے اور خرم کے بارے میں سب کچھ جانتی ہو۔ پہلے مجھے آج ذرا یہ تو بتاؤ وہ ملک سے باہر کس کیلئے گیا تھا؟''

''تمہارے لئے۔'' نسرین نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

''اور اب شادی کس سے کر رہا ہے؟''

''کرن سے......''

''کیا یہ کمینگی نہیں؟''

''وہ تو اس لئے ماموں، کرن سے شادی کر رہے ہیں تم نے جو ماموں کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔'' نسرین نے گویا وضاحت کی۔

''انکار کی بچی۔'' امامہ اس کی بات کاٹ کر چلائی۔

''اب مجھ سے سنو۔ وہ تھا ہی بدمعاش۔ واپس آتے ہی جب کرن کو دیکھا تو مجھے بھول کر اس نے کرن پر آنکھ رکھ لی۔ وہ جب بھی ہمارے گھر آتا تھا۔ سب سے زیادہ باتیں کرن ہی سے کرتا تھا۔ اس کیلئے روز چیونگم لے کر آتا تھا۔ سچی بات تو یہ ہے واپس آنے کے بعد اس کا رویہ میرے ساتھ پہلے جیسا تھا ہی نہیں۔ اس نے صرف رسمی طور پر مجھ سے پوچھا کیونکہ دل تو اب کرن پر آ گیا تھا۔ وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت اور کم عمر تھی۔''

''کیوں بے چارے ماموں پر الزام رکھتی ہو۔ انہوں نے ایک بار نہیں کئی بار تم سے پوچھا اور تم کہتی ہو رسمی طور پر پوچھا۔ ارے میں بھی تو آئی تھی تمہارے پاس۔ تم نے میری ایک نہ مانی۔ غلطی تمہاری اپنی ہے اور الزام ماموں پر رکھتی ہو۔'' نسرین نے بھی کچھ خفا ہو کر کہا۔

''ہاں ہاں' کئی بار پوچھا۔ مگر پہلے والے انداز میں نہیں۔ تمہیں معلوم ہے نا وہ مجھے چھوئے بغیر بات نہیں کرتا تھا۔'' امامہ بات کرتے کرتے چپ ہو گئی۔ جیسے کوئی غلط بات منہ سے نکل گئی ہو مگر نسرین اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔

''ارے ماموں نے واپس آ کر تمہیں چھوا نہیں...... گلے نہیں ملے تھے ماموں؟'' نسرین نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''نہیں۔'' امامہ کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا اور نسرین نے اسی سنجیدگی سے کہا۔

''یہ تو ماموں نے بہت غلط کیا ہے۔ میں پوچھوں گی ماموں سے۔ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ پانچ برس کی جدائی کے بعد تو پوری گرم جوشی سے گلے ملنے کا حق بنتا تھا۔'' اب امامہ اس کی شرارت سمجھ گئی۔

''گلے ملنے کی بچی! میرا یہ مطلب نہیں تھا میں تو...... میں تو یہ کہنا چاہتی ہوں۔ کرن کو دیکھتے ہی وہ بدل گیا۔ یہ بے غیرتی نہیں؟ محبت بڑی بہن سے اور شادی چھوٹی بہن سے۔ وہ ذلیل جو بار بار مجھے ایک ہی بات کا یقین دلاتا تھا کہ اس کو مجھ سے سچی محبت ہے۔ اپنی اس

محبت کی وجہ سے میری منگنی ختم کروا کر مجھے رسوا کیا۔ دھمکی دے کر شادی کرنے سے روکے رکھا۔ میری زندگی کے خوبصورت سال ضائع کر دیئے۔ سوچو جو رشتہ مجھے بیس سال میں مل سکتا تھا۔ وہ اب ملے گا؟ بالکل نہیں۔ مجھے پانچ برس انتظار کروایا اور خود پانچ ماہ بھی انتظار نہ کر سکا۔ کیا اس نے نہیں کہا تھا۔ ادھر تم کنواری بیٹھو گی تو ادھر میں کنوارا بیٹھوں گا۔ تمہاری ''ہاں'' کے انتظار میں اور اب ساری زندگی تو کیا اب پانچ ماہ میں تنہا بیٹھ کر تھک گیا اور شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس پر ستم یہ کہ منگنی کے بعد جب بھی مجھ سے سامنا ہوتا ہے مجھے تپانے کو' جلانے کو فضول بکواس کرنے لگ جاتا ہے' ذلیل کمینہ۔'' امامہ کا دل خرم کے رویے اور باتوں سے بھرا ہوا تھا۔ ضبط نہ کر سکی اور رو پڑی۔

نسرین جو بڑی توجہ سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ بول پڑی۔

''یہ محبت والی بات تو میں نے خود ماموں سے کہی تھی اور پوچھا تھا کہ آپ کو تو امامہ سے سچی محبت تھی۔ اب کرن سے شادی؟ امامہ سے بے وفائی نہیں؟ میری بات سن کر ماموں نے کہا تھا کہ محبت مجھے امامہ سے تھی اس کو تو مجھ سے محبت کے بجائے شدید نفرت ہے۔ جب مجھ کو امامہ سے محبت ہے اس کو نہیں تو پھر وفا کروں یا جفا امامہ کو کیا فرق پڑتا ہے اور یہ بات ان کی سچی بھی تھی۔ اس لئے میں نے کچھ نہ کہا۔ باقی رہی ان کی تمہارے ساتھ کنوارے بیٹھنے کی بات تو بے وقوف کبھی مرد بھی کنوارے بیٹھے ہیں۔ وہ عورت کے بغیر نہیں رہ سکتے اور تم۔'' نسرین نے رک کر بہت غور سے امامہ کو دیکھا اور پوچھا۔

''اب کہیں تم کو ماموں سے محبت تو نہیں ہو گئی جو رو رہی ہو؟''

''محبت کی بچی!'' نسرین کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی امامہ نے مارے غصے کے مکا اس کے پیٹ پر مارنا چاہا جو اس کی ساری باتیں سن کر بھی ماموں کی حمایت میں بولنے سے باز نہیں رہی تھی۔

''ارے...... ارے...... کیا کرتی ہو؟ مارنے کا ارادہ ہے کیا میرے بچے کو؟'' نسرین نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا تو امامہ نے حسرت بھری ایک نگاہ نسرین پر ڈالی پھر کہا۔

''اب تم خود سوچو۔ تم چھ سال میں یہ چوتھا بچہ پیدا کر رہی ہو...... اور مجھے اس کمینے نے شادی نہ کرنے دی۔ اگر میری سہیلی ہو تو میرا یقین کرو وہ تھا ہی پکا بدمعاش۔ وطن واپسی پر کرن کو دیکھا تو میں بھول گئی۔ تمہارے بھی تو پانچ بھائی ہیں۔ کتنے شریف ہیں سارے۔ کبھی

آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا مجھے اور یہ...... پہلی بار سامنا ہونے پر ہی کتنی بے باکی سے مجھے گلے لگا لیا۔ اظہار محبت کا موقع تو بہت بعد میں آتا ہے۔"

"میرے چار بھائی شریف تھے پانچواں نہیں۔" امامہ کے خاموش ہوتے ہی نسرین نے گویا بتانا ضروری سمجھا۔

"کیا مطلب تمہاری اس بات کا......؟" امامہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ماموں کی طرح اس کو بھی محلے کی کسی لڑکی سے محبت ہوگئی ہے اور اس نے ہم سب کو دھمکی دی ہے اگر ہم نے اس لڑکی سے اس کی شادی نہ کی تو وہ نہ صرف ہمارا گھر چھوڑ دے گا بلکہ یہ شہر' یہ ملک بھی چھوڑ جائے گا۔ اس کی دھمکی سے ڈر کر ہم نے اس کی شادی اسی لڑکی سے کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

نسرین خاموش ہوئی تو امامہ نے پوچھا۔

"مگر وہ لڑکی ہے کون؟" اور نسرین کے جواب دینے سے پہلے ہی دروازہ کھلا اور کرن نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"آپا نسرین! آپ آپی کو لینے آئی تھی ناں اور خود بھی یہاں بیٹھ گئیں۔ باہر سب دلہن کا انتظار کر رہے ہیں۔" مگر نسرین نے جیسے سنا ہی نہیں وہ تو امامہ کو بتا رہی تھی۔

"یہی اپنی کرن اور کون ہے۔"

"مگر کرن کی شادی تو خرم سے ہو رہی ہے؟" یہ کہتے ہوئے امامہ خود بھی چونک پڑی۔

کرن سفید کامدار لہنگے میں فل میک اپ کیے اس کے سامنے کھڑی تھی جبکہ دوسری طرف نسرین کھڑی ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"میں تمہیں اتنا بیوقوف نہیں سمجھتی تھی۔ ساری کہانی ختم ہوگئی اور تمہیں ابھی بھی پتہ نہیں چلا۔ جناب ماموں سے کرن کی نہیں تمہاری شادی ہو رہی ہے۔ میں نے تمہیں بتایا تو تھا کہ ماموں بہت ضدی ہیں جو کہتے ہیں وہی کرتے بھی ہیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا اب میں امامہ کو تمہاری مامی بنا کر ہی چھوڑوں گا اور انہوں نے تمہیں میری مامی بنا ہی دیا۔ اب آئی ساری بات سمجھ میں۔"

"خرم!...... سے میری شادی ہو رہی ہے؟" امامہ نے بے یقینی سے پہلے نسرین اور

پھر کرن کو دیکھا تو کرن نے قریب ہو کر پیار سے اس کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہاں آپ کی اطلاع کیلئے عرض ہے خرم بھائی سے میری نہیں' آپ کی شادی ہو رہی ہے۔ وہ آپ سے سچی محبت کرتے تھے۔ اس لئے آپ کی نفرت اور انکار کے باوجود ہمت نہیں ہاری اور آپ کو پانے کیلئے مسلسل کوشش کرتے رہے اور کامیاب بھی رہے۔ وہ آپ کو پانے میں کیسے کامیاب ہوئے یہ ہمیں بتانے سے انہوں نے منع کر دیا ہے۔ وہ خود ہی آپ کو بتائیں گے کہ آپ کو حاصل کرنے کیلئے کیا کیا؟"

"کیا......؟" کرن اور نسرین کی باتیں سن کر امامہ کی سمجھ میں نہ آیا۔ اب کرے تو کیا کرے...... کیسا انوکھا احساس تھا۔ تین ماہ سے وہ جس آگ میں جل رہی تھی اور جل جل کر دوزخ بنی ہوئی تھی وہ اچانک گلزار بن گئی تھی۔ وہ اندر تک پرسکون ہوتی جا رہی تھی۔ وہ جس کو کھونے کا دکھ اس کی زندگی کو عذاب بنائے ہوئے تھا وہ تو صدا سے اس کا تھا جس سے وہی بے خبر تھی۔

وہ کسی اور سے تو نہیں نسرین سے پوچھنا چاہتی تھی۔ اس نے کیوں یہ سب اس سے چھپایا......؟ کیوں اس کو تڑپتا دیکھتی رہی......؟ وہ تو اس کی پکی سہیلی تھی۔ مگر نسرین اس کو کچھ بھی پوچھنے کا موقع دیئے بغیر بولی۔

"باہر بیچاری لڑکیاں ڈھولک پیٹ پیٹ کر تھک چکی ہیں۔ اب اٹھو اور باہر چلو۔"

پھر خود ہی چونکتے ہوئے بولی۔

"ارے نہیں کرن! تم پہلے دوپٹہ تو امامہ کے سسرال سے آنے والا لاؤ۔" جب کرن چلی گئی تو نسرین نے امامہ سے کہا۔

"یہ سب کیسے ہوا ماموں خود ہی تمہیں بتائیں گے۔ میں صرف اتنا کہنا چاہتی ہوں۔ منگنی کے بعد میں تمہیں اس لئے نہ ملی کہ ماموں نے منع کیا تھا۔ تمہاری سہیلی اندر سے ٹوٹ رہی ہے۔ مگر اب بھی اپنی انا کا شکار ہے۔ وہ تمہارے سامنے روئی تو تم اسے سب کچھ بتا دو گی اور میرا سارا منصوبہ تباہ ہو جائے گا۔ بہت تڑپایا ہے مجھے اب خود بھی میری محبت میں تڑپے اور دیکھے محبت میں تڑپ کیسی ہوتی ہے۔ اور دوسری بات ابھی جب ماموں نے ادھر اپنے گھر میں تمہارے ہاتھ سے کھانے والی پلیٹ پکڑ کر خود کھانا شروع کر دیا تھا تب تمہارے جانے کے بعد میں نے ماموں کو ڈانٹا کہ وہ پہلے ہی پریشان ہے اور آپ مزید اذیت دے

رہے ہیں۔ یہ سن کر ماموں نے کہا۔ بھانجی! ابھی اس کو ایک دو گھنٹے تک پتہ چل جائے گا کہ اس کی شادی مجھ سے ہو رہی ہے۔ یہی آخری لمحے ہیں اس کو ستانے اور تنگ کرنے کے۔ اندر سے ہار چکی ہے۔ مگر ہار مانے گی نہیں۔ تم فکر نہ کرو امامہ کی شادی کے بعد اپنی ہر زیادتی کا کفارہ اپنی ڈھیروں محبت اور پیار سے ادا کرتا رہوں گا۔''

نسرین کی بات ختم ہوتے ہی کرن کے ساتھ بھابی اور آپا اندر آ گئیں۔ وہ تینوں ہنس رہی تھیں کہ وہ سب اس گیم میں شامل تھیں جو خرم نے اس کے ساتھ کھیلی تھی اور جیت بھی گیا تھا۔

وہ چاروں اس کو دوپٹے کی چھاؤں میں باہر لائیں اور باہر بھی ابھی کچھ لوگ ایسے تھے جن کو ابھی ابھی پتہ چلا تھا کہ دلہن کرن نہیں امامہ ہے۔ اصل میں وہ سب بھی ہنس رہے تھے۔ امامہ کے ہاتھوں پر مہندی خرم کی والدہ نے رکھی تھی۔ پھر پہلی بار محبت سے امامہ کی پیشانی چوم کر بولیں۔

''ضدی بہت ہے۔ جو ضد کرتا ہے اس کو پوری کر کے رہتا ہے۔ چچا کی بیٹی سے شادی سے انکار کیا تو چچی اور اس کے بیٹوں نے کہا ہم نے کھلا پلا کر جوان کیا اور یہ بدلا دیا ہمارے احسان کا؟ تب خرم نے ان کو اپنے حصے کی دو ایکڑ زمین چھوڑ دی اور مجھے لے کر لاہور آ گیا اور کہا اب کبھی گوجرانوالہ نہیں جاؤں گا اور کبھی گیا بھی نہیں۔''

اتنا کہہ کر وہ اٹھ گئیں تو نسرین نے کان کے قریب سرگوشی کی۔

''مائی جی! شادی مبارک ہو۔'' یہ سن کر اپنے آپ ایک پیاری سی مسکان ہونٹوں پر در آئی۔

نسرین نے یہ دیکھا تو کہا۔

''تم نے ابھی اندر اپنے کمرے میں ماموں کو جو کچھ بھی کہا ایک ایک لفظ ابھی جا کر ماموں کو بتاؤں گی۔'' جواباً اتنے سارے لوگوں کی موجودگی میں امامہ صرف اس کو دیکھ کر رہ گئی حالانکہ وہ اس کو منع کرنا چاہتی تھی۔

'دیکھو پلیز! ایسا نہ کرنا وہ کیا سوچیں گے میرے بارے میں؟' وہ کہہ نہ سکی اور جب سارے لوگ چلے گئے تو اماں اس کے قریب آئی اور انہوں نے بڑے فخر سے کہا۔

''ارے پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ میرے داماد نے ثابت کر دیا کہ بچی

محبت کرنے والے آج بھی زندہ ہیں۔'' وہ رکیں اور ایک نگاہ امامہ کو دیکھا پھر کہا۔

''مگر یہ بات امامہ کی درست ہے۔ ارے ہے پکا بدمعاش! کیسے میری معصوم بچی کو ڈرا دھمکا کر شادی سے باز رکھا۔ امامہ تم نے مجھے کیوں نہ بتایا؟'' اماں نے امامہ کو سینے سے لگا لیا۔

''آپ اس کو شریف جو سمجھتی تھیں۔'' امامہ نے آہستہ سے کہا۔

''سمجھتی سے کیا مطلب ہے تمہارا؟'' اماں نے اس کا چہرہ اوپر کرتے ہوئے اس کو دیکھا۔

''ارے میرا داماد ہے ہی شریف۔ تمہاری نفرت اور انکار کے باوجود تم سے محبت کرتا رہا۔ تمہارے لئے دن رات کا فرق بھول کر اتنی محبت کی کہ آج ایک معمولی موٹر میکینک کے بجائے ایک بزنس مین بن چکا ہے۔'' امامہ ان کے سینے میں منہ چھپا کر چپ رہی اور اماں نے کہا۔

''میں نے ابھی خود ہی خرم کو گھر خریدنے سے منع کر دیا ہے۔ بیٹی ٹھیک ٹھاک کاروبار سے لاکھوں روپیہ نکالا جائے تو اس پر اثر پڑ جاتا ہے۔ خرم نے تو ابھی نیا نیا کام شروع کیا ہے۔ اس پر شادی کا الگ خرچہ۔ میں نے تو کہا تھا ابھی کرائے پر گھر لے لو مگر وہ بولا امامہ کو دو ٹکے کے کرائے دار سے نفرت تھی اور میرا اس سے وعدہ تھا اس کو بیاہ کر اپنے گھر لے جاؤں گا۔ میں نے بہت سمجھایا۔ عابد نے بھی تب بھی کرائے کے بجائے اس نے کہا وہ مکان قسطوں پر لے گا' کرائے پر نہیں۔ گھر جو تم دیکھ کر آئی ہو اس نے تین سال کیلئے قسطوں پر لیا ہے۔ اس معاملے پر خرم سے خفا مت ہونا۔'' امامہ چپ رہی تو کرن نے ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''اب انھیں یہاں سے ابھی مجھے آپ کو مہندی بھی لگانی ہے۔'' پھر وہ امامہ کو لئے اس کے روم میں آئی اور مہندی لگاتے ہوئے کرن نے بتایا۔

''آپی! اس دن جیولری کی شاپنگ کیلئے آپ بھائی جان کے ساتھ گئی تھیں۔ واپسی پر جب آپ سب سے پہلے دروازہ کھول کر باہر نکلیں تو آپ کے جاتے ہی بھائی جان نے ہنس کر کہا تھا کرن دیکھ لینا اب تمہاری آپی اپنے کمرے میں جا کر پھوٹ پھوٹ کر روئیں گی۔''

یہ سن کر میں نے کہا۔

''جی نہیں' اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔''

تب وہ بولے۔

''مجھ سے شرط لگا لو۔ ا سا ایسا کرو پانچ منٹ بعد تم اپنی آپی کے کمرے میں جانا اور میری بات کی تصدیق ہو جائے گی۔ میں خود بھی پانچ منٹ بعد تمہیں فون کر کے معلوم کر لوں گا اور پانچ منٹ بعد جب میں آپ کے کمرے میں آئی تو آپ سچ مچ رو رہی تھیں۔ تب بھائی جان کا فون بھی آ گیا۔ بھائی جان نے پوچھا۔ میں نے ٹھیک کہا تھا نا اور میں نے ''جی ہاں'' کہہ کر فون بند کر دیا۔''

امامہ کو یہ سب سن کر بے حد شرمندگی ہو رہی تھی جبکہ کرن کہہ رہی تھی۔

''آپی! بھائی جان لمبے لمبے فون صرف آپ کو تپانے کیلئے مجھے کرتے تھے اور ان کو یہ بھی معلوم تھا جب وہ آتے ہیں آپ اپنے کمرے کی کھڑکی کھول کر انہیں دیکھتی ہیں اور عید پر جب آپ نے فون اٹھایا تھا تو بھائی جان نے جان بوجھ کر آپ کو ستانے کیلئے میرا نام لیا تھا اور ہاں آپ کو بتا دوں منگنی کے دونوں سوٹ میں نے اپنی پسند سے لئے تھے۔ البتہ پیسے بھائی جان نے دیئے تھے اور میری چوائس کا تو آپ کو پتہ ہی ہے۔ اچھی ہوتی تو آپ میری شاپنگ ہمیشہ کیوں کرتیں۔

انگوٹھی تو آپ کو پتہ چل گیا ہوگا وہ کیوں نہیں لائے۔ بھائی جان کہتے تھے مذاق میں بھی امامہ کے نام کی انگوٹھی کسی اور کو نہیں پہنا سکتا۔ اس کی انگوٹھی میں خود اپنے ہاتھوں سے اس کی انگلی میں ڈالوں گا۔ ہاں تو جب وہ آپ کو تپانے کیلئے مجھے لمبے لمبے فون کرتے تھے کہ ایک دن میں نے انہیں ٹوک دیا کہ محبت بھی کرتے ہیں اور تڑپا بھی رہے ہیں۔ حالت دیکھی ہے آپ نے آپی کی؟

اس پر بھائی جان نے مجھے بتایا۔ کرن تمہیں بہن کا اتنا خیال ہے تو بھائی کی بھی سنو۔ یہ تو صرف تین ماہ کی بات ہے۔ تمہاری آپی نے مجھے کئی سال تکلیف دی ہے۔ تڑپایا ہے۔ تمہاری آپی سے محبت کرنے کا جرم تو میں کر بیٹھا یہ میرے اختیار کی بات نہیں تھی۔ تمہاری آپی نے جرم محبت کی جو سزا دی وہ ناقابل برداشت تھی۔ میں ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ ان پڑھ نہیں تھا۔ میٹرک میں اچھے نمبر لے کر کامیاب ہوا تھا۔ میرا عیب صرف میری غربت تھی۔

تمہاری آپی میری ہر ہر چیز کو نشانہ بناتی۔ میرا لباس' میرے جوتے' میری کلائی پر

بندھی معمولی گھڑی' میرے سر کے بالوں میں ڈالا جانے والا تیل۔ ماں نے بچپن سے سر میں تیل ڈالنے کی عادت پکی کر دی تھی۔ تمہاری آپی ہر ہر ملاقات میں میرا دل تو کیا میرا خون بھی جلا کر راکھ کر ڈالتی تھی۔ اس کو تپانے کیلئے میں پہلے سے بھی زیادہ تیل بالوں میں ڈالتا۔ وہ مجھے ذہنی طور پر اتنا زیادہ پریشان کرتی تھی کہ کبھی کبھی اس کو مار ڈالنے کو میرا جی چاہتا۔ اس کا ہر ہر جملہ توہین آمیز ہوتا تھا۔ اس کی نگاہوں میں میرے لئے حقارت ہی حقارت ہوتی تھی۔ وہ اکثر مجھے فقیر کہہ کر میرا دل توڑ دیتی تھی مگر میں پھر بھی برداشت کرتا تھا۔

جانتی ہو کرن کیونکہ مجھے امامہ سے سچی محبت ہو چکی تھی۔ وہ مجھے اچھی لگتی تھی۔ سچی بات تو یہ ہے وہ مجھے ہر ہر روپ میں پیاری لگتی تھی۔ میرے چھونے پر وہ تپتی تھی اور میں ہر ہر ملاقات میں اس کو چھوتا ضرور تھا کیونکہ مجھے دیکھتے ہی تمہاری آپی کا پہلا جملہ یہی ہوتا تھا۔ دیکھو چھونا نہیں اور وہ جو رویہ میرے ساتھ اختیار کرتی تھی اس کا بدلہ میں اس کو چھو کر لے لیا کرتا تھا کہ میرے چھونے پر وہ آگ بگولہ ہو جاتی تھی۔'' کرن نے بات ختم کر کے امامہ کو دیکھا جو بہت غور سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ پھر کہا۔

''آپی! کتنی توہین کرتی تھیں آپ۔ بھائی جان سے کتنی نفرت تھی آپ کو۔ اس کے باوجود وہ آپ سے بے حد' بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ ابھی سب یہی کہہ رہے تھے کہ شادی عید کے بعد ہوگی مگر انہوں نے کسی کی ایک نہیں مانی۔ کہنے لگے۔ چھوٹی عید پر میری منگنی کا سوچ سوچ کر بخار ہو گیا تھا۔ اب بڑی عید پر کچھ اور نہ ہو جائے اس لئے شادی عید سے پہلے ہوگی۔ وہی بہت ہے جو اب تک ان تین ماہ میں اس کے ساتھ ہو چکا اور پتہ ہے آپی جیولری کی خریداری سے واپسی پر بھائی جان نے مجھ سے کہا تھا۔ کرن! تمہاری آپی کا وزن کافی کم ہو چکا ہے۔ اس کی خوراک کا خیال رکھا کرو۔''

امامہ کرن سے خرم کی باتیں سن سن کر اندر تک پرسکون ہوتی جا رہی تھی۔

وہ اس سے سچی محبت کرتا تھا اس لئے نجانے کیسے سب کو ساتھ ملا کر اس نے اپنی محبت کو حاصل کر لیا۔ ورنہ وہ تو اس کو اپنی ضد اور حماقت کی وجہ سے کھو چکی تھی۔ اب امامہ کو سب گھر والوں پر بھی غصہ آ رہا تھا جو خرم کے ساتھ مل کر نا صرف اس کو ستاتے رہے۔ بلکہ اس کے تڑپنے کا مزہ بھی لیتے رہے اور بے حد پیار بھی آ رہا تھا جو مجھ سے پوچھے بغیر خرم کے رشتے کی ہاں کر دی تھی اور یہ پیار بہرحال غصے سے زیادہ تھا۔

جب کرن سب باتیں بتا کر اٹھنے لگی تو امامہ نے پوچھا۔

''اب تم مجھے اپنے بارے میں ایک بات بتاؤ۔تم ریحان کے قریب کیسے ہوئی جبکہ تم تو کبھی ان کے گھر بھی نہیں گئی؟''

امامہ کی بات سن کر کچھ دیر سوچتی رہی پھر نظریں جھکا لیں اور کہا۔

''آپ کو تو معلوم ہی ہوگا میرا یونیورسٹی میں ایڈمیشن کا سارا کام عابد بھائی نے ان کے ذمے یعنی ریحان کے سپرد کیا تھا۔اور مجھے خود بھی ایک دو بار ان کے ساتھ جانا پڑا۔ان کا یہ یونیورسٹی میں آخری سال تھا۔پہلی بار ہی مجھے یونیورسٹی لے جاتے ہوئے انہوں نے راستے میں مجھے بتایا تھا کہ وہ مجھے بہت پہلے سے پسند کرتے ہیں مگر اظہار اب تک اس لئے نہ کیا کہ پڑھائی متاثر نہ ہو کہ تم بھی کالج میں پڑھتی تھی اور میں بھی اور میں ان کی بات سن کر چپ رہی اور جب انہوں نے میرے یونیورسٹی جوائن کرنے کے چند ہفتے بعد کھل کر اپنی محبت کا اظہار کیا تو شروع میں تو نہیں مگر بعد میں انہوں نے مجھے قائل کر ہی لیا۔

باقی رہی آپ کی یہ بات کہ قریب کیسے ہوئی تو صبح ان کا اور میرا ٹائم ایک ہی تھا۔صرف کالج الگ الگ تھے۔وہ صرف مجھ سے ایک سال ہی تو تعلیم میں آگے تھے اور میرے قریب سے گزرتے ہوئے وہ کبھی کبھار مجھے مخاطب کر لیا کرتے تھے۔خاص کر امتحانوں کے دنوں میں وہ مجھ سے یہ ضرور پوچھا کرتے تھے۔پیپر کیسا ہوا؟ تاہم میں ان سے اکیلے ملنے کبھی نہیں گئی۔ہاں وہ کبھی کبھار یونیورسٹی چھوڑنے کے باوجود مجھے ملنے آ جایا کرتے تھے اور ہاں فون پر وہ اکثر مجھ سے بات کرتے ہی رہتے ہیں۔صرف اتنی سی بات ہے۔'' کرن یہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

صبح ناشتے سے فارغ ہوتے ہی وہ کرن کے ساتھ پارلر چلی گئی تھی۔اور پھر شام کو دلہن بن کر سیدھی میرج ہال ہی آئی تھی۔سارا دن خرم کی باتیں یاد کرتے گزرا تھا اور اب وہ محسوس کر رہی تھی وہ بھی خرم سے سچی محبت کرتی تھی۔جبھی تو شدید نفرت کا اظہار کرنے کے باوجود وہ جو اور جیسا کہتا رہا وہ ویسا ہی کرتی رہی...... ورنہ گھر کے کسی بھی فرد سے وہ خرم کی شکایت کر ہی سکتی تھی۔یہ محبت ہی تھی جو وہ خرم کے خلاف کسی کو کچھ کہہ نہ سکی۔

رات وہ خرم کی بن کر ہمیشہ کیلئے اس کے ساتھ اس کے گھر چلی آئی جو اب اس کا اپنا گھر بھی تھا۔تمام رسموں کی ادائیگی کے بعد نسرین مسکرا مسکرا کر امامہ کو چھیڑتی' تنگ کرتی'

خود خرم کے بیڈ روم میں چھوڑ کر چلی گئی تھی۔وہ ابھی اچھی طرح بیٹھ بھی نہ پائی تھی کہ خرم بھی چلا آیا۔پہلے روم کا دروازہ بند کیا۔پھر وہیں کھڑے کھڑے اونچی آواز میں کہا۔

''بکروں کی قربانی کل ہے اور اماں نے آج ہی میری قربانی دے ڈالی۔کہا تھا ماں سے شادی عید کے بعد رکھ لیں۔زبردستی کی شادی ہے۔آپ کی لڑاکا بہو پتہ نہیں میرا کیا حشر کرے۔مگر ماں مانی نہیں۔قسمت میں خیر جو لکھا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔'' اتنا کہہ کر وہ بیڈ کے قریب آیا اور امامہ کے قریب کھڑے ہو کر خاموشی سے اس کو دیکھنے لگا...... امامہ کا دل اندر سے دھک دھک کرنے لگا۔چہرے پر گھونگھٹ تو تھا نہیں اس لئے نگاہیں جھکا لی تھیں۔خرم چند منٹ امامہ کو دیکھتا رہا۔پھر کہا۔

اگر تم حسین نہ ہوتے تو ہم مہرباں نہ ہوتے
سرکار چپ نہ ہوتے جو قدرداں نہ ہوتے

اور ذرا فاصلہ چھوڑ کر دلہن بنی امامہ کے سامنے بیٹھ گیا۔چند پل نگاہیں جھکا کر بیٹھی امامہ کو دیکھ کر نجانے کیا سوچتا رہا۔پھر ہنکارا ابھرا اور جتانے والے انداز میں کہا۔

''مجھ سے شادی کرنے کے بجائے تمہیں عمر بھر کنواری بیٹھنا پسند تھا۔پھر قاضی کے سامنے قبول ہے کیسے کہہ دیا...... نکاح نامے پر دستخط کیسے کر دیئے؟''

اس کی آواز میں نجانے کیا تھا کہ امامہ بے ساختہ نگاہیں اٹھا کر اس کو دیکھنے پر مجبور ہوگئی اور جب دیکھا تو چونک پڑی۔اس کا چہرہ بے حد سرد تھا اور چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔یہ دیکھ کر امامہ نے پھر نگاہیں جھکا لیں اور خرم نے پھر اسی لہجے میں امامہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''تمہیں یہ ضد تھی کہ تم مجھ سے شادی کرنے کے بجائے عمر بھر کنواری بیٹھنا پسند کروں گی تو مجھے یہ ضد تھی کہ تمہیں اپنے نکاح میں لا کر چھوڑوں گا اور میں نے تمہاری ضد توڑ کر اپنی ضد پوری کر لی ہے۔یاد ہے ناں میں نے تم سے کہا تھا کنواری نہیں بیٹھنے دوں گا۔میں تمہیں ضرور حاصل کر لوں گا اور میں نے اپنا کہا پورا کر دکھایا۔اب آپ کیا کہتی ہیں امامہ جی؟''

امامہ کی سمجھ میں نہ آیا وہ ایسی باتیں کیوں کر رہا ہے اور اس کی باتوں کا مطلب کیا ہے اور یہ کہ وہ ان باتوں کا بھلا کیا جواب دے۔اس نے تو کل کی رات اور آج کا دن گھر

والوں سے اس کی باتیں سن کر بیٹھے بیٹھے سپنے دیکھتے ہوئے گزارا تھا۔ وہ تو عطر بیز پگڈنڈیوں پر چلتی ہوئی اس کمرے کی کاک ٹیل کی خوشبوؤں میں مہکتی فضاؤں میں آئی تھی اور خرم کے ایک جملے سے اس کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی تھی کہ قاضی کے سامنے قبول ہے کیسے کہہ دیا۔

امامہ نے چپ رہنے میں ہی عافیت سمجھی۔ خرم چند پل اس کے بولنے کا منتظر رہا۔ پھر کہا۔

''میری باتوں سے یہ مت سمجھنا کہ مجھے تم سے محبت نہیں رہی۔ اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ مجھے آج بھی تم سے محبت ہے جتنی پہلے تھی۔ مگر میرے محبت کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ تمہیں مجھ سے تو کیا میری شکل سے بھی نفرت ہے اور میں نہیں چاہتا کہ نکاح میں لینے کا فائدہ اٹھاؤں اور تمہیں زبردستی اپنی یہ شکل دیکھنے پر مجبور کروں۔ کل رسم ولیمہ کے بعد میں تمہاری وجہ سے یہ ملک ہمیشہ کیلئے چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ میں نے کہا تھا نا...... امامہ شادی نہیں کرنا کسی اور سے۔ یہ سن کر ہی میں پاگل ہو جاؤں گا کہ تم میری نہیں رہی ہو۔ مگر اب ایسی کوئی بات نہیں۔ اب تمہیں مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ تم ماں کے ساتھ رہنا' میری بن کر...... میں جب تک زندہ ہوں تمہاری ضرورت کی ہر چیز تمہیں ملتی رہے گی۔ اس گھر کے اندر سوائے میرے۔'' وہ رکا اور تھوڑے توقف سے کہا۔

''میری ان باتوں کا یہ مطلب بھی نہیں کہ میں آج کی رات کا تقاضا نہیں سمجھتا۔''

اس نے پھر رک کر امامہ کو دیکھا اور کہا۔

''تم پسند کرو یا نہ کرو مگر ہاں صرف آج کی رات میں تمہارا ہوں۔ اب یہ تمہاری قسمت ہے وصل کی یہ ایک رات تمہیں عمر بھر کی تنہائی عطا کرتی ہے یا تمہاری گود بھرنے کا سبب بن کر تمہارے دل کے بہلانے کو بچے کی صورت میں تمہیں کوئی کھلونا عطا کرتی ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے' مجھے ہر حال میں تم سے دور جانا ہے۔ میرا ٹکٹ اوکے ہے۔ میں کل تم سے جدا ہو جاؤں گا۔ اس کے باوجود کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور اپنی زندگی کی آخری سانس تک کروں گا مگر بات پھر وہی میرے محبت کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ تمہیں تو آج بھی مجھ سے نفرت ہے۔'' وہ خاموش ہو کر امامہ کو دیکھنے لگا۔

اس کی پہلی بات سن کر امامہ نے سوچا۔

''وہی ہوا جس کا مجھے خدشہ تھا۔ اس نے شادی مجھ سے انتقام لینے کیلئے کی ہے۔ اب وہ ساری زندگی پچھلی باتوں کے طعنے مار مار کر میری زندگی عذاب بنائے گا۔''

مگر اب خرم نے جو کہا تھا اس کا سن کر امامہ کا دل ڈوبنے لگا تھا۔ وہ اس کی چند روز کی بے رخی برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔ عمر بھر کی جدائی کیسے برداشت ہو گی۔ وہ کیا سوچ کر آئی تھی۔ ایک پرسکون' خوشگوار محبت بھری زندگی کے خواب اور یہاں کیا ہونے والا تھا۔ امامہ نے سوچا اب چپ رہنا نقصان دہ ہے اس لئے اس نے بہت سوچ کر کہا۔

''اگر میں یہ کہوں کہ مجھے آپ سے محبت ہے۔''

''کہنے اور کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے امامہ! میں کیسے یقین کر لوں اگر تمہیں مجھ سے محبت ہوتی تو تم بار بار مجھ سے شادی کرنے سے انکار کیوں کرتیں۔'' خرم نے پہلے والے لہجے میں کہا۔

''آپ میری بات سن لیں' سچ کہہ رہی ہوں۔ میں نے صرف اس وجہ سے شادی سے انکار کیا تھا کہ شادی کے بعد آپ مجھے اس بات کا طعنہ دیں گے کہ میں نے ایک معمولی موٹر میکینک اور دو ٹکے کے کرائے دار کو ٹھکرایا اور جب وہ میکینک بزنس مین بنا' ایک امیر آدمی تو شادی کر لی۔ میں نے سوچا آپ کی یہی ضد ہے نا کہ آپ مجھے کہیں اور شادی نہیں کرنے دیں گے تو ٹھیک ہے' میں شادی نہیں کروں گی مگر اب آپ بھی تو میرے ساتھ میری ہاں کے انتظار میں بیٹھیں گے۔ یہی کہا تھا نا آپ نے مجھ سے کہ ادھر تم کنواری بیٹھنا ادھر میں کنوارا بیٹھوں گا۔''

'بے وقوف تھا تمہارے جیسا' خرم نے دل میں سوچا۔

''میں کیسے مان لوں کہ تم سچ کہہ رہی ہو۔ واقعی تمہیں بھی مجھ سے محبت ہے۔''

''میں آپ کو قسم کھا کر یقین دلا سکتی ہوں۔ مگر آپ میری باتوں کا یقین نہیں کر رہے تو میری قسم کا کیسے یقین کریں گے۔'' امامہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''یعنی پکی بات ہے۔ تمہیں بھی مجھ سے محبت ہے یہی کہنا چاہتی ہو نا تم؟'' خرم نے بغیر کسی تاثر کے پوچھا۔

''کہنا چاہتی نہیں' کہہ رہی ہوں' بتا رہی ہوں۔ مجھے غلط نہ سمجھیں۔ میرا یقین کریں۔ مجھے بھی آپ سے محبت ہے۔'' وہ نگاہیں جھکائے کہہ رہی تھی۔

خرم نے بمشکل اپنی مسکراہٹ دبائی اور پوچھا۔

''ویسی ہی سچی محبت جیسی میں تم سے کرتا ہوں۔ ذرا ایک بار پھر کہنا۔''

"آپ کی قسم یہی محبت......" کہتے ہوئے وہ اپنے خوبصورت مہندی بھرے ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا کر رو پڑی اور خرم پرسکون سا اس کو دیکھتا رہا اور سوچتا رہا۔ بہت اکڑتی ہیں لڑکیاں' بہت تنتناتی ہیں' ستاتی ہیں مگر اس جگہ بیٹھتے ہی حیثیت بدل جاتی ہے۔ اپنے پاؤں کے نیچے جنت رکھنے کے باوجود کہ مرد کو ہی خدا نے حاکم بنایا ہے۔ وہ خرم کو دیکھتے ہی بھوکی بلی کی طرح جھپٹنے کو تیار رہتی۔ قریب ہوتا تو منہ نوچنے کی کوشش کرتی۔ کس قدر بے رحمی سے اس نے گرم چائے گرا کر اس کے پاؤں جلائے تھے۔ انگلی منہ میں لے کر قیمہ بنا ڈالی تھی۔ مگر اب حیثیت بدل گئی تھی۔ اس کا اقرار محبت خرم کو گہرا سکون دے رہا تھا۔ امامہ نے اپنے منہ سے محبت کا اعتراف کر کے گویا اپنی ہر غلطی کا کفارہ ادا کر دیا تھا۔ وہ پرسکون ہو کر خاموشی سے اس کو دیکھنا چاہتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے روتی ہوئی امامہ کو چپ کرانے کی بھی کوشش نہیں کی تھی۔ خرم سے کوئی جواب نہ پا کر امامہ نے خود ہی چہرے سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے اس کو دیکھا۔ پھر پوچھا۔

"آپ مجھے چھوڑ کر تو نہیں جائیں گے۔ پلیز شادی سے پہلے جو بھی میں نے آپ کو کہا۔ اس کے لئے مجھے معاف کر دیں۔ میرا یقین کریں میں بدل چکی ہوں۔"

یہ سن کر خرم کو اس پر ترس آ گیا بلکہ ڈھیروں پیار بھی۔ یوں بھی اس کو تنگ کرنے کا پروگرام موخر کرتے ہوئے خرم نے محبت سے چور لہجے میں کہا۔

"بیوقوف! تمہیں چھوڑ کر جانا ہوتا تو واپس ہی کیوں آتا۔ یہ شادی میں نے اتنی محبت سے منصوبہ بندی کر کے کی۔ یہ سارا ڈرامہ اس لئے کیا کہ اس کے بغیر تمہیں میری محبت کا اعتراف کرنا ہی نہیں تھا۔"

خرم نے مسکرا کر اس کو دیکھا۔ پھر امامہ کی حیرت بھری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"محض اپنی جھوٹی انا کی خاطر تم نے میری اور اپنی زندگی تباہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اگر میں تمہاری بات پر یقین کر کے تمہیں چھوڑ کر واقعی کرن سے شادی کر لیتا تو پھر تمہارا کیا ہوتا؟ جانتی ہو جب کوئی لڑکی نفرت کا اظہار کرنے کے باوجود لڑکے کی بات مانتی رہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کو بھی اس لڑکے سے محبت ہے۔ کہتے ہیں الفت نہ سہی نفرت ہی سہی۔ اس کو بھی محبت کہتے ہیں۔

ہم نفرت صرف اسی سے کرتے ہیں جس سے یا جو ہماری شدید محبت کا حقدار ہوتا ہے۔ تمہیں بھی مجھ سے محبت تھی۔ یہ میں شروع میں ہی محسوس کر چکا تھا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو تم اماں' ابا' یا کسی بہن بھائی سے میری شکایت کر سکتی تھی مگر ایسا نہیں ہوا۔ میں تمہیں ڈراتا رہا اور اب اگر باتوں میں لگا رہا تو یہ خوبصورت رات ضائع ہو جائے گی۔ صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ پھر مان لیا نہ مجھے۔" وہ رکا۔ امامہ جو بڑی توجہ سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ جلدی سے پوچھا۔

"کیا؟" خرم نے ہنس کر کہا۔

"وہی یعنی پکا بدمعاش!۔ کیسے میں نے تمہارے کہے بنا تمہاری خواہش پوری کر دی۔"

"میری خواہش؟" امامہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

"حالانکہ بات تو اب صاف تھی۔ مجھ سے شادی کرنا کیا تمہاری خواہش نہیں تھی۔"

خرم نے مسکرا کر کہا اور امامہ نے ایک بار پھر نگاہیں جھکا لیں اور اب خرم بتا رہا تھا۔

"وطن واپسی پر جب پہلی بار تم نے آپ کہہ کر مجھے مخاطب کیا تھا چونک تو میں اسی وقت گیا تھا۔ سوچا محترمہ کو عقل آ گئی ہے۔ پتہ چل گیا ہے۔ مجھے کیا کہہ کر مخاطب کرنا ہے۔ مگر بعد میں جب اپنی ضد پر قائم رہی تو مجھے غصہ آنے لگا۔ جب تم مجھ سے بات کرتی تھی تو تمہارا لہجہ کمزور ہوتا تھا۔ مگر ہاں کروانے کی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اس پر ستم یہ کہ تم ملنے سے بھی گریزاں تھی۔ بہت سوچ کر میں نے بھانجی کو بلایا۔ تم نے اس کے ساتھ جو باتیں کیں ان میں میرے لئے سب سے اہم یہی تھی۔

اگر میں نے تمہارے ماموں سے شادی کر لی تو وہ ساری زندگی مجھ سے یہ کہے گا کہ میں نے ایک معمولی موٹر میکینک کو ٹھکرا دیا تو جب وہ بزنس مین بنا تو شادی کر لی۔ یہ سب سن کر میں نے بھانجی سے کہا۔ تمہاری سہیلی اپنی جھوٹی انا کی وجہ سے صحیح فیصلہ نہیں کر پا رہی۔ تم اب پھر جاؤ اور اس کو بتا دو شادی کے بعد ایسی گھٹیا بات میں کبھی بھی نہیں کروں گا مگر اب کے تم نے نسرین کو بھی بے حد تپایا تھا۔"

اس نے غصے سے کہا۔

"ماموں وہ میری سہیلی ہے۔ میں اس کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ بہت ضدی

ہے۔ آپ اس کو بھول کر کہیں اور شادی کر لیں۔ نانو کی طبیعت اب ٹھیک نہیں رہتی۔ وہ اب آپ کے کیا گھر کے کام بھی نہیں کر سکتیں۔ چھوڑیں امامہ کو اور کوئی اچھی سی لڑکی دیکھ کر شادی کر لیں۔''

''وہ مجھے سمجھا کر چلی گئی اور میں چاہنے کے باوجود بھانجی کو یہ نہ کہہ سکا کہ تمہاری تو وہ صرف سہیلی ہے۔ میری تو محبت ہے۔ محبت نہیں میری زندگی کا حاصل ہے۔ میری زندگی ہے۔ وہ اگر اپنی انا کے ہاتھوں صحیح فیصلہ نہیں کر پا رہی تو میں نے سوچا چلو میں اپنے طور پر ایک ٹرائی کرتا ہوں۔ چند یوم کیلئے خود کو منظر سے غائب کر کے دیکھتا ہوں کیا وہ میری کمی محسوس کرتی ہے۔ اگر مجھ سے وہ بے شک محبت کرتی ہے تو پتا چل جائے گا۔ وہ برسوں سے مجھے ہر اتوار چھت پر دیکھنے کی عادی ہے اور اب میرے نہ دکھائی دینے پر ڈسٹرب ضرور ہوگی......

یوں اتوار کو چھت پر کھڑا ہو کر تمہیں دیکھنے کے بجائے کرسی پر بیٹھا جالیوں سے دیکھتا رہا۔ میری ٹرائی کامیاب رہی تھی۔ میرے دکھائی نہ دینے پر تم اپ سیٹ ہو گئی تھیں۔ کپڑے پھیلاتے ہوئے تم نے کتنی بار بے قرار ہو کر میری چھت کی جانب دیکھا تھا۔ تمہاری بے قراری دیکھ کر میں مسکراتا رہا۔ اپنی جیت کا تو مجھے پکا یقین تھا۔ مگر یہ جیت اتنی جلدی پہلی بار منظر سے غائب ہوتے ہی مجھے مل جائے گی' اس کا یقین نہیں تھا۔ ہاں تو جب تم نے میری کمی محسوس کر لی تو اس کا مطلب تھا' میں جیت گیا۔ میری محبت جیت گئی۔

اب تمہیں پانے' حاصل کرنے کا طریقہ سوچنا تھا۔ سیدھے طریقے سے تو تم ہاتھ آنے والی نہیں تھیں اور بہت زیادہ وقت ضائع کیے بغیر میں نے تمہیں پانے کا طریقہ سوچ لیا تو پھر فون کر کے بھانجی کو بلایا تو جب میں نے اس کو اپنا پلان بتایا تو بھانجی نے بگڑ کر کہا۔

''فرض کریں اگر بھابی مان جاتی ہے۔ اماں اور سارے گھر والے بھی ہاں کر دیتے ہیں لیکن اس ضدی نے اگر عین شادی کے دن انکار کر دیا تو پھر کیا ہوگا۔ ذرا سوچیں کتنی بے عزتی ہوگی آپ کی؟'' بھانجی کی بات سن کر میں نے کہا۔

''پہلی بات تو یہ کہ وہ انکار نہیں کرے گی۔ اس بات کا مجھے پورا یقین ہے اور فرض کرو اگر وہ انکار کرتی بھی ہے تو یہ میرا مسئلہ ہوگا تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔''

بھانجی مان تو نہیں رہی تھی۔ مگر میری حالت دیکھ کر مان گئی اور مجھے پورا یقین تھا۔ اماں' عابد بھائی کبھی انکار نہیں کریں گے۔ ایک تو اس لئے کہ وہ پہلے ہی مجھے بے حد پسند کرتے

تھے' دوسرے کسی چیز کی بھی تو اب کمی نہیں تھی مجھ میں۔

اتنا کہہ کر خرم خاموش ہوا تو امامہ نے بڑی بے تابی سے پوچھا۔

''پھر......؟''

''پھر مختصر یہ کہ جیسا میں نے سوچا تھا ویسا ہی ہوا۔ بھانجی نے بھابی سے بات کی اور سب کچھ بتا دیا اور یہ بھی کہ امامہ شادی سے انکار کیوں کرتی ہے اور میں کیا چاہتا ہوں۔ بھابی نے اماں اور عابد بھائی سے اور فیصلہ خود ہی میرے حق میں ہو گیا۔ جب بھانجی نے فون پر خوشخبری سنائی تو میرے اندر گہرا سکون اتر گیا۔ میری محنت ضائع نہیں گئی تھی۔ جس کی خاطر پانچ سال پردیس میں کاٹے تھے وہ میری ہونے والی تھی۔ اسی وقت میں نے ماں سے بھی بات کرنے کا سوچ لیا اور رات کا کھانا کھانے کے بعد میں نے ماں کے پاؤں دباتے ہوئے پوچھا۔

''اماں جی! امامہ آپ کو کیسی لگتی ہے؟''

ماں کی آنکھیں بند تھیں۔ میری بات سن کر ماں نے فوراً پوری آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا جیسے میری بات سمجھ گئی ہوں۔ میرے ہاتھ پرے کرتے ہوئے اماں اٹھ بیٹھی اور مجھے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''پتر! اگر تم شادی کے حوالے سے بات پوچھ رہے ہو تو میں تمہیں صاف صاف بتا دوں۔ مجھے وہ لڑکی پسند نہیں۔ حد سے زیادہ بدتمیز اور نک چڑھی ہے۔ کبھی مجھے سلام تک کرنا گوارا نہیں کرتی۔ الٹا جب کبھی ان کے گھر جاؤں گھور گھور کر دیکھتی ہے مجھے۔ نجانے میں نے اس پر کیا کیا ظلم کر رکھا ہے۔ میرا تو اس کی وجہ سے ان کے گھر جانے کو دل نہیں چاہتا...... پر کیا کروں باقی گھر والے بہت اچھے ہیں۔ خاص کر اس کی اماں اتنی اخلاق والی عورت ہے کہ کیا بتاؤں۔ مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔ بس اسی وجہ سے کبھی کبھی چلی جاتی ہوں۔ میری مانو تو امامہ کے بجائے کرن سے شادی کر لو۔ بہت اچھی لڑکی ہے۔ پھر امامہ کام چور بھی بہت ہے۔''

اپنی بات ختم کر کے ماں نے میری رائے جاننے کیلئے میری جانب دیکھا تو میں اس کو بھی سب کچھ سچ سچ بتا دیا اور یہ کہ تمہاری منگنی بھی میں نے ختم کرائی تھی۔ میری وجہ سے وہ آپ کو خفا خفا ملتی ہے۔ ساری بات سن کر اماں نے مجھے خوب ڈانٹا اور فیصلہ ماں نے تمہارے حق میں دے دیا۔ اب ایک مزے کی بات سنو۔ جس دن منگنی کی رسم ہونا تھی۔ چھوٹا

بھانجا اس دن میرے پاس آیا۔ بے حد پریشان تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔

''ماموں یار! دو باتوں میں سے ایک بات آپ کو لازمی کرنی ہے۔ پہلی یہ کہ آپ کرن کے ساتھ شادی کرنے سے فوراً انکار کر دیں۔'' میں اس کی بات کا مطلب اچھی طرح سمجھ گیا اور اس کو تنگ کرنے کو کہا۔

''اگر میں ایسا نہ کروں تو......؟''

''تو پھر دوسری بات یہ ہے کہ یا تو آپ مجھے شوٹ کر دیں یا میں آپ کو ضرور شوٹ کر دوں گا۔'' اس نے بے خوفی سے کہا۔

''مجھے شوٹ کرنے کی وجہ؟'' میں نے سکون سے پوچھا تو ریحان نے بھرائی ہوئی آواز میں بتایا۔

''میں اور کرن ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ آپ اب کرن سے شادی کریں' یہ میری برداشت سے باہر ہے۔''

یہ سب سن کر میں نے بھانجے کو اصل بات بتا دی۔ یوں یہ مسئلہ حل ہو گیا اور ادھر کرن سے میرا رشتہ روکنے کی جو تم نے کوشش کی' تم سے جو بھی بن پڑا تم نے کیا۔ مگر افسوس رشتہ ختم نہ ہو سکا کہ یہ کرن سے نہیں تم سے طے ہوا تھا۔ کرن نے ایک ایک بات بتا دی تھی مجھے کہ کسی نے تمہاری ایک نہیں مانی اور اب تم پریشان پھرتی ہو۔

امامہ کو یہ سب سن کر شرمندگی ہو رہی تھی اور خرم چھیڑنے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''ابھی کل رات اپنی رسم مہندی سے پہلے تم نے بھانجی سے میرے بارے میں جو کچھ بھی کہا وہ سب ایک ایک لفظ بتا دیا تھا بھانجی نے مجھے۔''

'وہ ہے ہی کمینی!' امامہ نے دل میں سوچا اور خرم نے ہنس کر کہا۔

''یہی کہا تھا نا بھانجی سے تمہارا ماموں تھا ہی پکا بدمعاش! واپس آتے ہی کرن کو دیکھا تو دل اس پر آ گیا۔ کرن پر نظر رکھ لی۔ اس لئے کہ وہ مجھ سے زیادہ پڑھی لکھی' خوبصورت اور کم عمر بھی ہے۔'' امامہ کو یہ سب سن کر شرم آ رہی تھی۔ پھر وہ چونک پڑی۔ خرم کہہ رہا تھا۔

''میرے لئے اس دنیا کی خوبصورت لڑکی تم ہو، صرف تم اور تعلیم گو کہ اچھی چیز ہے

لیکن میرے لئے تعلیم کی اتنی اہمیت نہیں کہ مجھے تم سے نوکری نہیں کروانی۔ ہاں بچوں کی تربیت کیلئے جتنی تعلیم ضروری ہے وہ تمہارے پاس بھی ہے اور میرے پاس بھی۔ اب صرف ایک بات کا جواب دو تا کہ یہ باتوں والا سلسلہ ختم ہو۔ اماں سچ کہتی تھیں یا کہ میں کہ یہاں کوئی کسی سے پیار نہیں کرتا۔ یعنی لوگ آج بھی سچی محبت کرتے ہیں جیسے کہ میں نے تم سے کی اور پھر نبھائی بھی......''

امامہ سب سن کر بھی چپ رہی تو خرم نے پھر پوچھا۔

''سچی محبت کرنے والے ہر دور میں موجود ہیں۔ پلیز بتاؤ نا میں سچ کہتا تھا یا کہ اماں کہتی تھیں؟''

''آپ ہی سچ کہتے تھے اور آپ ہی سچ ہیں۔''

امامہ نے شرمائی شرمائی ادا سے کہا تو چند منٹ کیلئے دونوں طرف خاموشی رہی پھر خرم نے پوری سنجیدگی سے پکارا۔

''امامہ!''

''جی!''

امامہ نے نگاہیں اٹھا کر اس کو دیکھا تو خرم نے پوچھا۔

''چھونے کی اجازت ہے؟''

امامہ نے ضبط کرنے کی کوشش بہت کی تھی۔ مگر خرم نے کہا ہی کچھ اس انداز سے تھا کہ امامہ کی ہنسی نکل گئی۔ اس کو ہنستا دیکھ کر اس نے خود بھی اس کے ساتھ قہقہہ لگایا۔

پھر نرمی سے امامہ کا ہاتھ تھام کر انگوٹھی انگلی میں ڈالی اور جھک کر اس کے ہاتھ کی پشت چوم لی تو امامہ نے خود سپردگی کے انداز میں سر خرم کے سینے پر رکھتے ہوئے پرسکون ہو کر آنکھیں موند لی تھیں۔

(ختم شد)